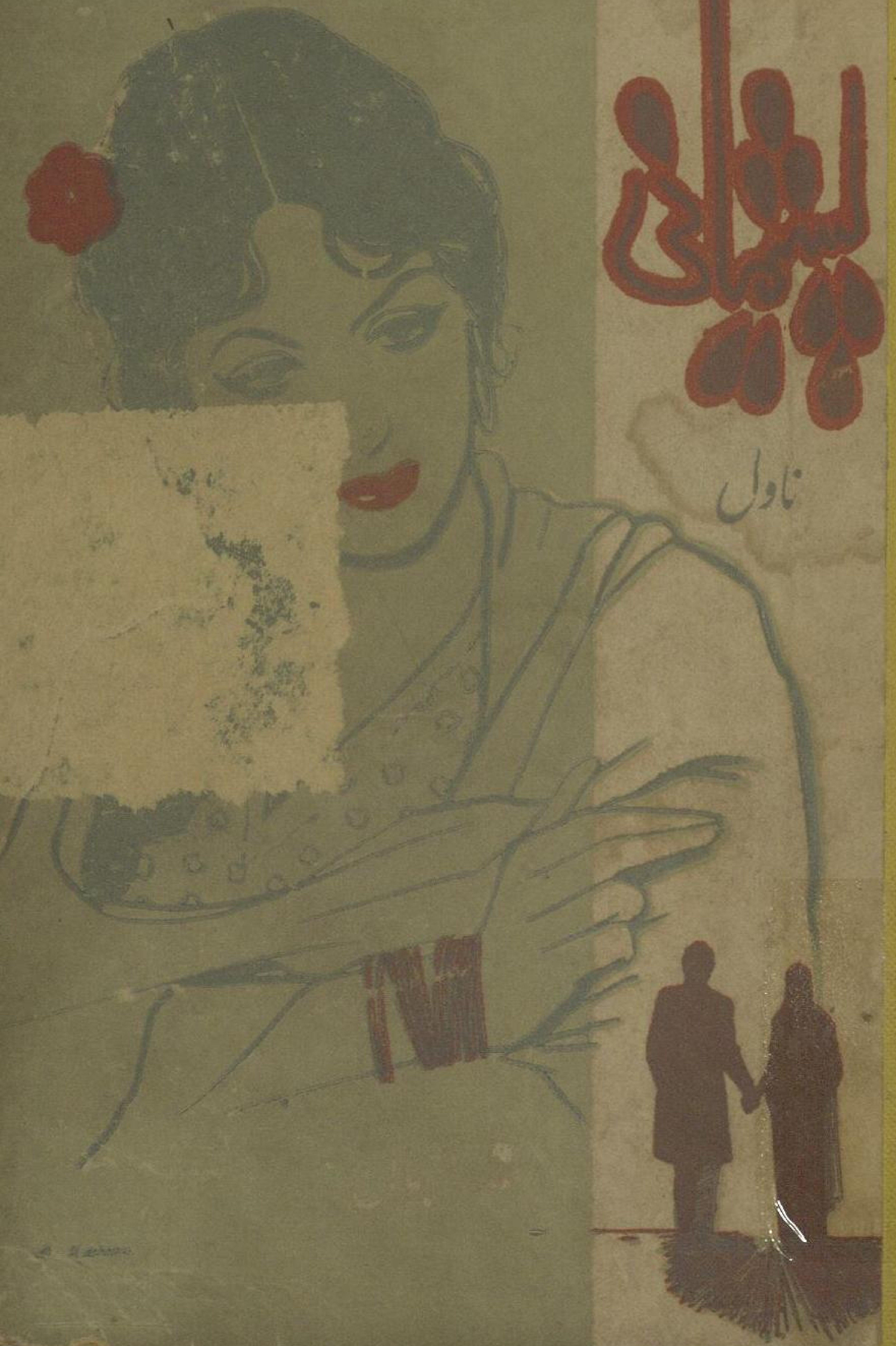


ناول

پشیمانی

ناول

محمد اجمال

کتاب منزل — لاہور

پشیمانی

ایک ناول

عذرا جمال

پشیمانی

(ایک معاشرتی و رومانی ناول)

عذرا جمال

کتاب منزل لاہور

سلسلہ مطبوعات نمبر ۲۵۹

باہتمام شیخ نیاز احمد پرنٹر و پبلشر علمی پرنٹنگ پریس لاہور
میں طبع ہوئی اور کتاب منزل کشمیری بازار لاہور سے شائع ہوئی

فہرس

۱

آبگینہ

ان دونوں کی ملاقات بڑے عجیب حالات میں ہوئی تھی۔

ویسے تو ماہتاب بھی اُسی عمارت کی تیسری منزل میں کچھ دنوں سے رہنے لگی تھی جس کی دوسری منزل میں پرویز رہتا تھا لیکن اس کے قیام کے چند مہینوں میں دونوں نے ایک دوسرے کو بہت سرسری طور سے دیکھا تھا۔ پرویز صبح ہی صبح یونیورسٹی چلا جاتا تھا، اس کے بعد اپنی ملازمت

برجاتا تھا۔ اور اندھیرا ہوتے آتا تھا۔ ماہتاب اپنی بیمار بہن کی دیکھ بھال میں لگی رہتی تھی۔ کالج سے آنے کے بعد اسے کمر سیدھی کرنے کی بھی فرصت نہیں ملتی تھی۔ اس کی آپا کے دو ننھے ننھے بچے تھے۔ اور اس کی آپا کو ڈاکٹروں نے دق کا مریض بنا دیا تھا۔ یہ خاندانی بیماری نہیں تھی۔ ماہتاب نے تھوڑے سے ہی دنوں میں سمجھ لیا کہ اس کی آپا کی جگہ کوئی بھی عورت ہوتی تو وہ اسی بیماری کی شکار ہو جاتی ——— کیونکہ ان کے شوہر حمید پکے شرابی تھے۔ رات کے دو دو تین تین بجے تک غائب رہتے تھے۔ جو کچھ آمدنی تھی وہ شراب کی نذر ہو جاتی تھی۔ اس لیے آصفہ پیسے پیسے کو محتاج رہتی تھی۔ اپنے شوہر کی محبت کو ترستی تھی۔ رفتہ رفتہ اسے دق ہو گئی۔ اس پر دو دو بچے ——— جب کچھ بن نہ پڑا تو انھوں نے ماہتاب کو بلا لیا جو اپنے ماموں کے یہاں رہتی تھی اور وہیں سے کالج پڑھنے جاتی تھی۔ تیسری منزل کا زینہ پرویز کے کمرے کے بالکل سامنے تھا۔ کبھی کبھی جب پرویز بیٹھا پڑھتا ہوتا اور ماہتاب کسی ضرورت سے نیچے اترتی اور اتفاقیہ پرویز کی نظریں اٹھ جاتیں تو ایک لمحہ کے لیے دونوں کی نظریں ملتیں ——— ماہتاب نیچے چلی جاتی اور پرویز کچھ دیر ادھر ہی دیکھتا رہتا ——— پھر اپنے آپ ہی مسکرا کر گردن نیچی کر لیتا ——— اس کا گمان بھی نہیں تھا کہ وہ اس خوبصورت لڑکی سے ان عجیب حالات میں ملے گا۔ اور وہ بھی رات کے سناٹے میں۔

پرویز کا امتحان سر پر تھا۔ سارا وقت تو دفتر کی نذر ہو جاتا تھا۔ اس لیے امتحان کی تیاری صرف رات ہی کو ہو سکتی تھی۔ وہ رات کے ایک ایک بجے تک پڑھا کرتا تھا۔

اس رات بھی کوئی ڈیڑھ بجے اس نے پڑھنا بند کیا۔ دوسرے کمرے سے

اس کی ننھی بہن کے سوتے میں باتیں کرنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ پھر اس کی ماں کی آواز آئی۔ وہ خدیجہ کو کروٹ بدلوا کر تھپک رہی تھیں۔ اس کے ابا جان کے خراٹوں کی آواز آرہی تھی کہ اسے تیسری منزل سے کسی کے بھاگ کر نیچے اترنے کی آواز سنائی دی۔ وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کوئی زینے سے گر پڑا ہے کہ اس کے دروازے پر کوئی زور زور سے دستک دینے لگا۔ وہ اٹھا ہی تھا کہ اس نے ایک لڑکی کی گھبرائی ہوئی آواز سنی۔ دروازہ کھولا تو ماہتاب کھڑی تھی۔

اس کے بال پریشان تھے۔ کپڑے جا بجا پھٹے ہوئے تھے اور اتنی سہمی ہوئی تھی کہ اس کی آواز نہ نکلتی تھی۔

"آپ ——"

"خدا کے لیے مجھے اندر آ جانے دیجیے ——"

وہ راستہ چھوڑ کر ہٹ گیا

"خیریت تو ہے ——"

"آپ کی امی کہاں ہیں ——"

اس کی ماں دستک کی آواز سے خود ہی جاگ گئی تھیں۔ اور اٹھ کر آ گئی تھیں —— وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ ماہتاب کو اچھی طرح پہچانتی ہیں۔

"کیا ہے ماہتاب —— خیریت تو ہے ——"

اور ماہتاب اس کی ماں کے گلے لگ کر رونے لگی۔ وہ گھڑی گھڑی اپنے زینے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پرویز نے باہر کی روشنی کی —— اس نے زینے کی آخری سیڑھی پر حمید کو کھڑے ہوئے دیکھا —— وہ کچھ سمجھا نہیں

حمید سے اس کا علیک سلیک تھا۔ اس نے آواز دے کر کہا

"کیا ہوا حمید صاحب ـــــ کیا کوئی چور ـــــ"

لیکن حمید نے کوئی جواب نہیں دیا اور وہ اوپر چلے گئے۔ وہ حیران رہ گیا دوبارہ اپنے کمرے میں آیا تو ماہتاب اس کی ماں کے کمرے میں چلی گئی تھی۔ اس کمرے سے اس کی سسکیاں لے کر رونے اور چپکے چپکے کچھ باتیں کرنے کی آواز آرہی تھی۔ وہ اپنی ماں کے پاس آگیا۔ ماہتاب نے اپنی باتیں بند کر دیں اور اس کی ماں پرویز کی طرف دیکھنے لگیں پھر کہنے لگیں

"تمھاری آپا کہاں تھیں ـــــ"

"وہ دوسرے کمرے میں سو رہی تھیں ـــــ"

"چلو، میں چلتی ہوں تمھارے ساتھ ـــــ"

"نہیں، خالہ جان، ان سے نہ کہیے گا ورنہ ان کی حالت اور زیادہ خراب ہو جائے گی ـــــ"

پرویز کچھ کچھ تو سمجھ گیا کہ حمید کے خاموشی سے چلے جانے اور ماہتاب کے کپڑوں کی ابتری کی کیا وجہ تھی ـــــ اس سے پشیمانی میں وہاں کھڑا نہ رہا گیا۔ دل میں آیا کہ ابھی جا کر حمید کا گریبان پکڑ لے اور اسے تیسری منزل سے نیچے پھینک دے۔ ایسے ہی لوگ تو مردوں کی ذات کو بدنام کرتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے کمرے میں واپس آکر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

دوسرے کمرے میں اس کی ماں ماہتاب کو تسلی دیتی رہیں۔ پھر اسے اپنے ساتھ اوپر لے گئیں۔ پرویز خود ہی ساتھ نہیں گیا ـــــ اس کے ابا جان بھی جاگ گئے تھے۔ اور اس سے کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن وہ کچھ نہیں کہہ پائے۔ کچھ دیر کے بعد اس کی ماں واپس آئیں۔ ماہتاب ساتھ تھیں۔ ماہتاب نے

بقیہ رات اس کی ماں کے کمرے ہی میں گذاری۔ اس کے اباجان اس کے کمرے میں آکر لیٹ رہے۔ اور تھوڑی دیر میں سو گئے ——— لیکن پرویز کو نیند نہیں آئی۔ وہ ماہتاب کے بارے میں سوچتا رہا۔

صبح وہ تو ناشتہ کر کے یونیورسٹی چلا گیا۔ پھر اپنی ملازمت پر گیا۔ لیکن ملازمت کے بعد جیسا کہ اس کا معمول تھا کہ وہ صدر میں کیفیٹیریا میں جا کر بیٹھتا تھا اور یونیورسٹی کے دوستوں سے دو ایک گھنٹے باتیں کرتا تھا۔ اس دن وہ صدر نہیں گیا سیدھا گھر آ گیا۔ اس کی ماں اوپر کی منزل میں ماہتاب کے پاس تھیں۔ وہ حالات معلوم کرنے کے لیے بے قرار تھا۔ لیکن معاملہ ایسا تھا کہ جب اس کی ماں واپس بھی آ گئیں تب بھی اس سے پوچھا نہیں گیا۔ اس کی ماں نے خود ہی کہا۔

"میں نے ماہتاب کو تو اس کے ماموں کے گھر بھیج دیا ہے اور آصفہ سے کہا ہے کہ وہ ہسپتال میں داخل ہو جائیں ———"

اس کے اباجان نے پوچھا

"اور بچے ———؟"

"بچے ماہتاب کے ساتھ رہیں گے ———"

پرویز پوچھنا چاہتا تھا کہ حمید کا کیا حال ہے۔ لیکن وہ اباجان کے خیال سے پوچھ نہ سکا۔ اس کے والدین میں بہت دیر تک ماہتاب کی باتیں ہوتی رہیں ان باتوں سے اس کو اتنا معلوم ہوا کہ ماہتاب بھی اپنے امتحان کی تیاری کر رہی تھی کہ ایک بجے حمید آئے وہ شراب میں بدمست تھے۔ ماہتاب نے دروازہ کھولا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اندر داخل ہوئے اور کسی چیز سے ٹکرا کر گرنے لگے کہ ماہتاب نے سہارا دیا ——— بس، نشہ میں تو تھے ہی وہ اس کے لپٹ گئے

وہ بڑی مشکل سے ان کی گرفت سے آزاد ہو کر نیچے بھاگی تھی۔ اس کی ماں کا جملہ تھا۔

"بیچاری کی عزت بچ گئی ورنہ عمر بھر سر پر ہاتھ رکھ کر روتی"

امتحان کی مصروفیت میں وہ اس لڑکی کو اور اس حادثے کو بھولے رہا۔ صرف اُسے اتنا معلوم تھا کہ اس کی بڑی بہن آصفہ ہسپتال میں داخل ہو گئی ہیں اور حمید ان کے اس اقدام پر اتنا ناراض ہے کہ وہ ہسپتال نہیں جاتا تیسرے چوتھے دن اس کی ماں ہی ہسپتال میں جاتی تھیں۔ وہاں ماہتاب سے ملاقات ہوتی تھی یا نہیں۔ اس پر اس نے کبھی غور نہیں کیا۔

امتحان ختم ہوا۔ اس نے اس سلسلے میں دو ہفتے کی اتفاقیہ رخصت لے لی تھی۔ دو دن اور باقی تھے۔ وہ ان دو دنوں میں امتحان کی ساری تھکان اتارنا چاہتا تھا لیکن جس دن امتحان ختم ہوا اور وہ گھر واپس ہوا تو پہلی منزل کے زینے ہی پر اس کی حمید سے مڈبھیڑ ہو گئی ——— اور حمید کو دیکھتے ہی اسے ماہتاب کا خیال آ گیا ——— حمید کو جیسے توقع تھی کہ وہ حسب سابق ہاتھ اٹھا کر اسے سلام کرے گا لیکن پرویز نظریں بچا کر اوپر چلا گیا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ لیٹ رہا۔ سہ پہر کو اس کی آنکھ کھلی، دیکھا اس کی ماں کہیں جانے کی تیاری کر رہی ہیں۔

"کہاں جا رہی ہیں امی ———؟"

"جناح ہسپتال ——— بیچاری کو دیکھ آؤں ۔ ایک ہفتے سے نہیں گئی"

"کیسی ہیں حمید صاحب کی بیوی ———"

"ہونگی کیسی ، دق کے مریض جتنے دن بچے رہیں ، اچھے رہیں۔"

"ان کو دادر سینیٹوریم چلا جانا چاہیئے ———"

"بیچاری کے پاس اتنے روپے کہاں ہیں ———"

اس کا دل چاہا کہ وہ ماہتاب کے متعلق پوچھے ۔ لیکن وہ پوچھتے ہوئے شرماسا گیا۔ کہنے لگا۔

"اور ان کے بچے تو اپنی خالہ کے پاس ہوں گے"

"ہاں ، وہی بیچاری ان کو پال رہی ہے ——— اب کی امتحان بھی نہیں دے پائی"

اور جب اس کی ماں باہر نکلنے لگیں ۔ تو پوچھنے لگا

"اکیلی جائیں گی"

"ہاں ، رکشا کر لوں گی"

"چلیئے ، میں بھی ادھر ہی جا رہا ہوں ، آپ کو پہنچا تا آؤں گا۔"

اور وہ جلدی سے نہا دھو کر تیار ہو گیا اور اپنی ماں کے ساتھ ہسپتال تک گیا اس کی ماں تو وارڈ کے اندر چلی گئی ۔ وہ یونہی مردانہ وارڈوں میں گھومتا رہا ۔ جس وارڈ میں اس کی ماں گئی تھیں ۔ وہاں بھی اس وقت مرد آجا سکتے تھے لیکن وہ جان بوجھ کر ادھر نہیں گیا ۔ جب مقررہ وقت ختم ہوا اور گھنٹی بجی تو وہ دروازے پہ پہنچ گیا اور اپنی ماں کا انتظار کرنے لگا ۔ جو لوگ مریضوں کو دیکھنے گئے تھے ۔ وہ باہر آنے لگے ۔ لیکن اس کی ماں کا کہیں پتہ نہ تھا ——— وہ

انتظار ہی کر رہا تھا کہ اس نے ماہتاب کو دیکھا جو تیزی سے پھاٹک کی طرف آ رہی تھی۔ وہ الگ ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ ماہتاب ادھر ادھر دیکھتی ہوئی پھاٹک کے باہر آئی اور باہر کھڑے ہوئے ایک پھل والے سے پھل خریدنے لگی۔ جب وہ پھل خرید کر پلٹی تو دونوں کی نظریں چار ہوئیں اور ماہتاب نے جلدی سے آنکھیں نیچی کر لیں۔ جب اس کے پاس سے گذرنے لگی تو ایک لمحہ کے لیے رکی اور اس کی طرف دیکھے بغیر کہنے لگی

"آپ کی امی ابھی آتی ہیں——"

اور وہ کوئی جواب نہ دے پایا تھا کہ ماہتاب تیزی سے وارڈ کی طرف چلی گئی اور وہ اس کو دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ اور اپنی ماں کا انتظار کیے بغیر چلا آیا۔

جب وہ ہسپتال سے صدر آ گیا اور کیفیٹریا میں بیٹھ کر چائے پینے لگا تو اسے اپنی ہی حرکت پر ہنسی آ گئی۔ اور وہ بہت دیر تک یہی سوچتا رہا کہ اس کے چلے آنے کی وجہ کیا تھی

اندھیرا ہونے کے بعد جب وہ گھر گیا تو اس کی ماں نے پوچھا

"تم نے میرا انتظار بھی نہیں کیا"

"مجھے کہیں اور جانا تھا امی ——"

"تم آصفہ کو دیکھنے کیوں نہیں آئے ——"

"وہ تو پردہ کرتی ہوں گی"

"اب پردہ کیا کرے گی بے چاری —— ماہتاب نے جب جا کر کہا کہ تم باہر کھڑے ہوئے ہو تو کہنے لگی کہ ان کو بلا لیجئے —— میں نے ماہتاب کو بھیجا۔ تم ہوتے تو تمہیں میرا پیام بھی ملتا —— بہر حال کل جا کر دیکھ آنا ——

اس نے کچھ چیزیں بھی منگائی ہیں وہ لیتے جانا"

دوسرے دن سہ پہر کو اس کی ماں نے ایک چھوٹا سا سوٹ کیس دیا اس میں آصفہ کی کچھ چیزیں تھیں جو وہ حمید سے لے آئی تھیں۔ وہ سوٹ کیس لے کر ہسپتال گیا۔ آصفہ کو ڈھونڈھنے میں دشواری نہیں ہوئی۔ وہ اکیلی لیٹی ہوئی تھیں۔ ان کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑے ہوئے تھے۔ گالوں کے ہڈے نکل آئے تھے۔ اس نے سوٹ کیس دیا تو کھول کر اسے دیکھنے لگیں پھر پوچھنے لگیں

"بھیا، تمھاری حمید صاحب سے ملاقات بھی ہوئی"

"جی ہاں، وہ کل ملے تھے"

"ان کو سمجھاؤ ——— میری خاطر نہ سہی اپنے بچوں کی خاطر ———"

اور وہ کچھ کہتے کہتے رک گئیں۔ ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ——— وہ تھوڑی دیر بیٹھا رہا اور سوچتا رہا کہ ماہتاب نہیں آئے گی کیا۔ جب وہ اٹھنے لگا تو اس نے ماہتاب کو آتے دیکھا۔ ماہتاب کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر سلام کیا اور پھر جلدی سے اپنی آپا کا بستر ٹھیک کرنے لگی۔ وہ آنے کے لیے کھڑا ہو چکا تھا۔ پھر بھی اس کا بیٹھنے کو دل چاہتا تھا کہنے لگا۔

"اگر بازار سے کچھ منگانا ہو تو لا دوں"

آصفہ نے کہا "نہیں بازار سے تو کچھ نہیں منگانا ہے۔ تم اپنی امی کو میرا سلام کہہ دینا۔"

اب تو ٹھہرنے کا کوئی بہانہ بھی نہیں تھا۔ اسے مجبوراً وارڈ کے باہر آجانا پڑا۔ جب تک وقت ختم نہیں ہو گیا وہ ہسپتال ہی میں ادھر ادھر گھومتا رہا۔ جب وقت ختم ہوا اور سب لوگ باہر جانے لگے تو اس نے ماہتاب کو بھی باہر آتے دیکھا ——— پھاٹک کے پاس دونوں قریب آگئے ———
یہاں بات کرنے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ کم از کم پرویز تو ہچکچا رہا تھا کہ ماہتاب نے کہا

"آپ کے پرچے کیسے ہوئے؟"

"زیادہ اچھے نہیں ہوئے ہیں"

"میں تو امتحان دے نہیں سکی"

"آپ زیادہ اہم کام میں مصروف ہیں۔ امتحان تو آئندہ سال دے لیجئے گا"

وہ فٹ پاتھ پر کھڑی تھی اور رکشا والے کو بلا رہی تھی۔ جب رکشا آگیا تو وہ بیٹھ کر بڑی معصومیت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اور پھر چلی گئی۔

ان کی ایسی ہی چار پانچ ملاقاتیں ہوئیں۔ ہر ملاقات میں وہ زیادہ قریب آتی

جاتی تھی۔ پرویز کو پہلی ملاقات میں تو وہ حسین بھی نہیں معلوم ہوئی تھی۔ لیکن اب اس کی گندمی رنگت کے آگے اسے سُرخ و سپید رنگت والی لڑکیاں اچھی معلوم نہیں ہوتی تھیں۔ اس کی آواز میں تو غضب کی کشش تھی۔ اب جبکہ وہ اس سے زیادہ کھل کر باتیں کرنے لگی تھی۔ تو آواز میں اور کشش پیدا ہوگئی تھی۔

ایک دن پرویز نے ہسپتال سے واپسی میں کہا

"میں تو حمید صاحب کا ممنون ہوں ——"

اور وہ حیران رہ گئی۔ اور سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"اگر وہ حرکت نہ کرتے تو شاید تم سے ملاقات نہ ہوتی ——"

اس جملے پر وہ کچھ شرمائی بھی اور حمید صاحب کی حرکت پر جھنجلائی بھی کچھ بولی نہیں۔ اس نے ان آنکھوں میں بہ یک وقت افسردگی اور خوشی کی جھلک دیکھی۔

اس دن دونوں علیحدہ علیحدہ رکشوں میں صدر آئے۔ یہاں سے ماہتاب کو بس پر بیٹھ کر پیر کالونی جانا تھا اور اسے ٹرام میں بیٹھ کر سولجر بازار۔

کہنے لگا "اگر آپ قبول کریں تو میں ایک تحفہ دینا چاہتا ہوں ——"

وہ شرما کر دزدیدہ نظروں سے دیکھتی ہوئی انکار میں گردن ہلانے لگی۔

پرویز نے اس دن اپنی محبت کی بنیاد رکھنا چاہی تھی —— اس انکار سے اس کا دل ٹوٹ گیا اور وہ مزید کچھ کہے ہوئے کیفیٹریا کی طرف چلا گیا

ایک ہفتے تک وہ ہسپتال نہیں گیا۔
ماہتاب روز اس کا انتظار کرتی رہتی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اس کے انکار پر ناراض ہو گیا ہے۔ لیکن وہ اس کا تحفہ بھی کیسے قبول کر لیتی۔ حمید کی اس حرکت سے وہ اتنا سہم گئی تھی کہ سمجھی تھی کہ پرویز بھی حمید بننا چاہتا ہے۔ مگر ایک ہفتے تک پرویز سے جب ملاقات نہ ہوئی تو اس کے دل میں بھی ایک بے چینی سی ہونے لگی۔

ایک دن جب پرویز کی امی ہسپتال گئیں تو اس نے کہا

"پرویز بھائی سے میں نے کچھ کتابیں منگائی تھیں۔ معلوم نہیں وہ لائے یا نہیں"

"مجھے معلوم نہیں۔ پرویز بڑا عجیب لڑکا ہے۔ بھول گیا ہوگا۔ میں یاد دلا دوں گی"

اور اس دن شام کو جب پرویز اپنے گھر آیا تو اس کی ماں نے کہا

"ماہتاب نے تم سے جو کتابیں منگوائی تھیں وہ لے آئے——"

"کیسی کتابیں——"

"وہی کہتی تھی کہ اس نے کچھ کتابیں منگوائی تھیں——"

پرویز کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس نے جلدی سے کہا

"ہاں اس نے کچھ کتابیں کہی تو تھیں۔ میں ان کے نام ہی بھول گیا"

"تو لا کر نہ دے دینا اس بے چاری کو۔ اس سال تو امتحان دے ہی نہیں سکی ہے ——"

"کل آپ نام لکھوا لائیے گا"

"میں روز روز کہاں جاتی ہوں —— تم ہی چلے جانا ——"

اس رات وہ بہت دیر تک ماہتاب کے متعلق سوچتا رہا۔ ادھر کچھ دن سے اس کی ماں اس کی شادی کا کئی بار ذکر کر چکی تھیں۔ لیکن وہ کچھ اور لڑکیوں کا حوالہ دے رہی تھیں۔ جن میں سے کچھ کو وہ جانتا تھا۔ کچھ کو نہیں جانتا تھا۔ سوچنے لگا کہ اگر ماہتاب سے شادی ہو جائے تو وہ خوش رہے گا۔

اسے ماہتاب سے ویسی محبت نہیں تھی جیسی اس کے دوست بے شمار لڑکیوں سے کرتے تھے۔ جس میں صرف چوری چھپے کی ملاقاتیں ہی آخری منزل تھیں۔ وہ تو اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس رات سونے سے قبل اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ کل ماہتاب سے پوچھے گا۔

دوسرے دن وہ ہسپتال گیا۔ آصفہ کے پاس ماہتاب بیٹھی تھی۔ وہ پندرہ بیس منٹ وہاں بیٹھا رہا۔ ماہتاب نے اپنے آپ ہی کچھ کتابوں کے نام لکھ کر دیئے۔ اس نے اپنی آپا کے سامنے ان کتابوں کا ذکر کیا تھا۔ اس لیے بھی یہ اقدام ضروری تھا —— جب وہ آنے لگا تھا ماہتاب نے ایسی نظروں سے اسے دیکھا جیسے وہ جانتی ہو کہ وہ باہر اس کا انتظار کرے گا۔ چنانچہ وہ باہر انتظار کرتا رہا۔

دونوں صدر آئے۔ پرویز نے کہا

"مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں ——"

"اس دن تو تحفہ دے رہے تھے"

"تحفہ آپ نے قبول کہاں کیا"

"قبول تو اب بھی کرنا نہیں چاہتی لیکن آپ ناراض ہوتے ہیں تو قبول کر لوں گی"

"تو بولیے ——— کیا چاہیئے ———"

"میں نے تو اپنی پسند آپ سے کہلوا دی تھی ——— مجھے کتابیں دے سکتے ہیں ———"

دونوں ایک کتابوں کی دوکان پر گئے ——— ماہتاب نے تین چار کتابیں پسند کیں - پرویز نے قیمت ادا کی - باہر آئے تو کہنے لگی -

"اب تو میں جا سکتی ہوں ———"

"لیکن مجھے آپ سے باتیں بھی کرنا ہیں ———"

"یہاں بازار میں ——— اگر میرے ماموں نے دیکھ لیا تو وہ کیا سوچیں گے"

"مجھے بہت لمبی چوڑی باتیں نہیں کرنا ہیں ———"

"تو چلیے ——— بس اسٹاپ کی طرف چلتے ہیں - راستہ میں باتیں کر لیجئے ———"

دونوں بس اسٹاپ کی طرف چلنے لگے - ماہتاب گردن جھکائے چل رہی تھی - پرویز نے اپنے دل کی بات کہہ دینا چاہی - لیکن اس کی زبان ہی نہیں کھلی - بعض اوقات کتنا چھوٹا سا جملہ کتنی مشکل سے ادا ہوتا ہے - بس اسٹاپ آگیا - یہاں کافی بھیڑ تھی - ماہتاب نے بڑی خاموشی سے اس کی طرف دیکھا اور مسکرا کر بس پر بیٹھ گئی -

وہ اپنے آپ ہی پر الجھتا رہا۔ بس جب چلی گئی تو وہ کیفیٹریا میں آگیا۔ یہ رستوران بھی ہے اور بار بھی ہے۔ جہاں شراب بھی ملتی ہے ——— بار کا راستہ علیحدہ ہے۔ لیکن وہ کچھ اتنا کھویا ہوا تھا کہ کیفیٹریا کے سامنے ہی کھڑا رہا۔ یکایک اس کی نظریں حمید پر پڑیں جو کچھ دور پر کھڑا ہوا اسے گھور رہا تھا۔ اس نے اپنا منہ پھیر لیا اور وہاں سے ہٹنے لگا کہ حمید اس کے قریب آگیا کہنے لگا۔

"تو یہ معاملہ یہاں تک بڑھ گیا ہے ———"

"کیسا معاملہ ———"

"باتیں نہ بناؤ ——— اگر آئندہ تم نے ماہتاب سے ملنے کی کوشش کی تو اچھا نہ ہوگا"

اور حمید نیلی پیلی آنکھیں نکالتا ہوا بار میں چلا گیا۔

اس پر بجلی سی گر گئی ——— اسے غصہ تو بہت آیا لیکن حمید سے لڑنے کا موقع نہیں تھا ——— اس نے چائے بھی نہیں پی اور گھر آگیا۔

ایک ہفتے تک ماہتاب سے کوئی بات نہ ہو سکی ——— وہ دوسرے تیسرے دن وہاں جاتا رہتا لیکن آصفہ کی حالت کچھ اتنی نازک ہو گئی تھی کہ ماہتاب اس سے باتیں کرنے کو کیا، اس کی طرف دیکھنے تک کو تیار نہ تھی۔ وہ دن دن بھر ہسپتال میں رہتی تھی اور شام کو اس کے ماموں آجاتے تھے۔

لیکن ایک ہفتے کے بعد آصفہ کی حالت پھر سنبھل گئی ——— اور ایک دن ماہتاب اس کے دونوں بچوں کو بھی لے آئی ——— پرویز تھوڑی دیر کے بعد پہنچا تھا۔ آصفہ نے کہا کہ وہ کچھ دیر بچوں کو باہر بہلاتا رہے۔ جن کا ہسپتال میں زیادہ دیر ٹھہرنا مناسب نہیں ہے۔ بچے اپنی ماں کے پاس سے آنے کو تیار نہیں تھے۔ بڑی مشکل سے وہ چاکلیٹ لے کر خاموش ہوسکے۔ وہ ہسپتال کے سامنے ٹہلتا رہا۔ پھر ماہتاب آئی۔ اور بچوں کو رکشا میں بٹھا کر جانے لگی۔ جاتے وقت کہنے لگی۔

"آپ اتنے دن کہاں رہے"

"میں تو دو مرتبہ آیا تھا"

"شاید آئے ہوں ——— میں آپا کی پریشانی میں آپ کو دیکھ نہ سکی ہوں گی"

رکشا والے نے کہا

"چلوں بہن جی"

"چلو ———"

اور وہ فٹ پاتھ ہی پر کھڑا رہا اور ماہتاب ادھوری بات چھوڑ کر اور اس کی تشنگی میں اضافہ کر کے چلی گئی۔

دوسرے دن تو وہ طے کر کے گیا تھا کہ آج ماہتاب سے ضرور کہہ دے گا۔

وہ دونوں پیدل ہی صدر کی طرف آرہے تھے۔ اس دن ماہتاب بھی

خوش تھی اور چونکہ اس کے ماموں پرویز کو دیکھ چکے تھے اس لیے اسے یہ بھی خدشہ نہیں تھا کہ ماموں دیکھ لیں گے۔

"میں ان کتابوں کا شکریہ ادا کرنا تو بھول ہی گئی ——"

اور وہ سوچ رہا تھا کہ جو بجلی کا کھمبا سامنے نظر آرہا ہے۔ اس کے آتے آتے وہ اپنی بات کہہ دے گا۔ لیکن وہ کھمبا بھی آگیا اور اس کی زبان نہیں کھلی —— اچھا۔ دوسرا کھمبا آتے آتے وہ ضرور کہہ دے گا۔ جب یہ کھمبا بھی قریب آگیا تو اس نے کہا

"ماہتاب —— تمھیں یاد ہے کہ میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا تھا"

اور وہ شرارت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"مجھے تو یاد نہیں ہے"

اور وہ کھمبا بھی گذر گیا۔ اسے اپنے آپ پر غصہ آرہا تھا۔ بڑی مشکل سے کہہ پایا۔

"امی میری شادی کی بات چیت کر رہی ہیں ——"

"وہ جس لڑکی سے آپ کی شادی کر رہی ہیں۔ میں اسے جانتی ہوں"

"مذاق نہ اڑاؤ ماہتاب ——"

"مذاق کہاں کر رہی ہوں پرویز بھائی —— کل ہی تو وہ آصفہ آپا سے ذکر کر رہی تھیں"

"لیکن میں اُس لڑکی سے شادی کرنا نہیں چاہتا ——"

"آپ نے اسے دیکھا ہے"

"میں اسے دیکھنا بھی نہیں چاہتا ——"

"دیکھ لیجئے —— پھر انکار یا اقرار کیجئے گا —— دیکھنے کے بعد اگر

انکار کر دیں تو جو چور کی سزا وہی میری سزا۔ فوزیہ میرے ہی ساتھ توپڑھتی ہے۔ ہمارے کالج میں اس سے زیادہ حسین لڑکی کوئی اور نہیں ہے۔"

"لیکن میں تو تم سے ——"

اور ماہتاب گھبرا کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"پرویز بھائی!"

"کیوں، کیا تم مجھ سے شادی کرنا نہیں چاہتیں ——"

ماہتاب نے کوئی جواب نہیں دیا —— اسی وقت ایک موٹر رکشا پاس سے گذرا۔ اس نے رکشا روکا اور اس پر بیٹھ کر چلی گئی۔ پرویز وہیں کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ تو کیا ماہتاب کو کسی اور سے محبت تھی۔ وہ کسی اور سے شادی کرنا چاہتی تھی پھر وہ اتنے دن تک یہ بات چھپائے کیوں رہی۔ بقیہ راستہ جس بے خبری میں گذرا۔ اس کا اسے پتہ نہ چلا۔

اس نے پھر کبھی ماہتاب سے ملنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ ہسپتال بھی نہیں گیا اس نے اپنی ماں سے بھی آصفہ کے متعلق پوچھنا چھوڑ دیا —— اور ماہتاب کو زندگی کے اور کئی حسین لمحوں کی طرح بھلا دینے کی کوشش کرتا رہا۔

۲

شرارہ

اس کے امتحان کا نتیجہ آچکا تھا۔ وہ اپنے مضمون میں سب سے زیادہ نمبر لے کر پاس ہوا تھا۔ اسے ایک کالج نے لکچرارشپ قبول کرنے کی پیش کش بھی کی تھی لیکن اسے نہ اپنے پاس ہونے کی خوشی تھی اور نہ اس پیش کش ہی میں اسے کوئی دلچسپی تھی۔

امتحان کے نتیجے کے ساتھ ہی ساتھ اس کے گھر میں اس کی شادی کے چرچے

زیادہ ہو گئے تھے۔ اس کی ماں بار بار فوزیہ کا نام لیتی تھیں جس کے متعلق ماہتاب نے بتایا تھا کہ وہ کالج کی سب سے زیادہ خوبصورت لڑکی تھی۔ اس نے یہ تو طے کر لیا کہ وہ فوزیہ سے شادی نہیں کرے گا۔ یہ لڑکی اُسے بار بار ماہتاب کی یاد دلاتی رہے گی۔ ایک دن جب اس کی ماں نے کہا "تم نے ابھی تک بتایا نہیں کہ فوزیہ کے ساتھ رشتہ طے کر لوں یا نہیں"

"مجھے ابھی شادی نہیں کرنا ہے امی"

"لیکن کیوں ——"

"ابھی مجھے یہ فیصلہ کر لینے دو کہ کالج کی ملازمت کروں یا نہیں ——"

"یہ فیصلہ کرتے رہنا۔ مجھے اپنا ارمان تو نکال لینے دو۔"

"ابھی کچھ دن اور ٹھہر جاؤ ——"

"ٹھہروں گی تو ایسی خوبصورت بہو کو ہاتھ سے کھو دوں گی —— اچھی لڑکیاں کہیں روز روز ہاتھ آتی ہیں۔ اس کے نہ معلوم کتنے رشتے آئے ہوئے ہیں۔"

"وہ خوبصورت بہو بیاہ کر کیا کرو گی امی ——"

"ارے، دیکھے گا تو دنیا کو بھول جائے گا ——"

وہ اپنی ماں سے کیا کہتا —— خاموش ہو رہا۔ خاموشی کو نیم رضا سمجھ کر اس کی ماں اسی دن فوزیہ کے یہاں گئیں۔ اور رشتہ طے کر آئیں۔

تیسرے چوتھے دن اسے ایک خط ملا۔ تحریر کو وہ پہچانتا نہ تھا۔ بہت دیر تک تحریر کو دیکھتا رہا۔ پھر لفافہ کھولا۔ لکھا تھا —— "آپ کی امی رشتہ

طے کر گئی ہیں۔ میں نے آپ کو دیکھا نہیں ہے جمعہ کی شام کو کلفٹن پر ملیے۔ فوزیہ"

وہ یہ تحریر پڑھ کر بوکھلا گیا۔ آج ہی جمعہ تھا اور اس وقت ساڑھے تین بجے تھے۔ اس نے اپنی ماں سے کہنا چاہا کہ کس آزاد خیال لڑکی سے وہ اس کا رشتہ طے کر کے آئی ہیں۔ لیکن پھر سوچنے لگا کہ فوزیہ سے مل کر وہ اس سے خود ہی انکار کی درخواست کرے گا۔ اس نے کپڑے بدلے۔ شیو کیا اور ساڑھے پانچ بجے کلفٹن کے لیے روانہ ہو گیا۔

وہ جانتا نہیں تھا کہ فوزیہ اسے کیونکر پہچانے گی۔ اس نے فوزیہ کی تصویر ضرور دیکھی تھی لیکن وہ اپنی بہت سی بہنوں کے ساتھ تھی اور تصویر بھی کچھ صاف نہیں آئی تھی۔ اس لیے اسے بھی یقین نہیں تھا کہ وہ خود بھی فوزیہ کو پہچان لے گا۔ بہر حال وہ کچھ دیر تو بس اسٹاپ ہی پر رہا۔ پھر زینہ اتر کر سمندر کے کنارے گیا۔ یہاں بے شمار لوگ تھے۔ عورتیں تھیں۔ لڑکیاں تھیں۔ بچے تھے۔ چائے بیچنے والے اور غبارے والے تھے۔ ان سب میں فوزیہ کو پہچاننا کتنا دشوار تھا۔ وہ یونہی ٹہلتا رہا اور چاروں طرف گھوم گھوم کر دیکھتا رہا۔ پھر سمندر کے کنارے کھڑا رہا۔ پانی کی لہریں اس کے پیروں کو چھوتی رہیں۔

ساڑھے چھ بجے جب وہ بیچ بریز۔ رستوران میں آکر بیٹھا اور چائے پینے لگا۔ تب اسے یقین ہو گیا تھا کہ فوزیہ اگر آئی ہے تو اسے پہچان نہیں سکی۔

رستوران کے مالک مسٹر عزیز سے اس کی کافی جان پہچان تھی۔ وہ اسے دیکھ کر اس کے پاس آگئے۔ اور اس سے باتیں کرنے لگے۔ وہ ان کی باتوں میں ایسا کھویا کہ اسے پتہ ہی نہیں چلا کہ وہ لڑکی کب آکر اس کے قریب پڑی ہوئی

دوسری میز پر بیٹھ گئی تھی ——— بہرحال جب مسٹر عزیز اس سے باتیں کر کے گئے تو وہ بھی باہر جانے لگا۔ وہ لڑکی بھی اس کے پیچھے پیچھے تھی ——— وہ ایک بار پھر سمندر کے کنارے کھڑا ہوا اپنے جوتوں کی نوک سے اس لکیر کو مٹانے کی کوشش کرنے لگا جو سمندر کی لہریں ریت پر بنا گئی تھیں۔

پھر جب اس نے جیب سے سگرٹ نکال کر سلگائی اور ایک گہرا کش لے کر دھواں چھوڑنے لگا تب اس کی نظریں اس لڑکی سے چار ہوئیں۔

وہ اس کے بالکل قریب کھڑی تھی اور مسکراتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ کچھ اور بوکھلا گیا۔ کیونکہ وہ لڑکی بلا کی حسین تھی۔ اس کی آنکھوں میں شوخی اور مستی تھی۔ اس کے بال سر کے اوپر ایک چھلے میں بندھے ہوئے تھے۔ دوپٹہ اوڑھے ضرور تھی لیکن یہ ایک رسی کے بل کی طرح اس کے دونوں شانوں پر پڑا ہوا تھا۔

وہ لڑکی اس کی گھبراہٹ پر اور مسکرا دی اور کہنے لگی

”ممی کو فوزیہ کہتے ہیں ———“

”آپ نے بہت دیر لگا دی ———“

”نہیں تو ——— میں تو اس وقت بھی موجود تھی جب آپ یہاں پہلی مرتبہ آئے تھے ——— میں نے آپ ہی کے ساتھ سی بریز میں چائے پی اور ابھی آپ ہی کے ساتھ یہاں آئی ہوں ———“

اس نے یہ جملے کچھ ایسی شوخی سے کہے کہ پرویز کے جسم بھر میں سوئیاں سی چبھنے لگیں۔

”لیکن میں نے آپ کو نہیں دیکھا“

"آپ دیکھتے تو پہچانتے کب ——— میں اتنی دیر تک سایہ کی طرح آپ کے ساتھ ساتھ رہی ———"

اور اس نے اپنے دل پر قابو پاتے ہوئے کہا

"تو چلیئے ——— کچھ چائے وائے پئیں ———"

"چائے تو ابھی آپ نے بھی پی ہے اور میں نے بھی پی ہے ——— آیئے یہیں کچھ دور ٹہلیں ———"

اور وہ اس لڑکی کے ساتھ سمندر کے کنارے بہت دور تک نکل گیا ——— یہاں دو چار ہی لوگ تھے۔ وہ بھی اسی کی طرح کسی نہ کسی لڑکی کے ساتھ تھے ——— اس لیے وہ اُسے دیکھ نہیں رہے تھے

"تو آپ کالج کی ملازمت کریں گے"

"ابھی کچھ طے نہیں کیا ہے ———"

"نہ کیجئے گا"

اور وہ اس لڑکی کے فیصلہ کن انداز پہ حیران رہ گیا۔ وہ مسکرا کر کہنے لگی۔

"لکچرار کو تنخواہ ہی کیا ملتی ہے۔ تین ساڑھے تین سو روپے ———"

"لیکن جہاں میں ملازم ہوں وہاں تین ہی سو مل رہے ہیں ———"

"وہ ملازمت تو میں چھڑوا دوں گی"

وہ پھر حیران رہ گیا۔ فوزیہ نے کہا

"کراچی جیسے شہر میں ملازمت تو کرنا ہی نہیں چاہیئے۔ یہاں تو کاروبار سے ہی ترقی کی جا سکتی ہے ———"

"میں کاروبار کہاں سے کروں گا جبکہ سرمایہ ———"

"سرمایہ میں لاؤں گی"

اور پھر وہ مسکرا دی اور کھڑے کھڑے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر کہنے لگی

"میں اسی لیے آپ سے مل لینا چاہتی تھی"

"تو کیا آپ شادی کے لیے تیار ہیں ———"

اور وہ اتنی دیر میں پہلی مرتبہ شرما گئی۔ اور آنکھیں نیچی کر کے اپنی سینڈل کی نوک سے ریت کریدنے لگی۔ پرویز نے ان لمحوں میں اسے جی بھر کر دیکھ لیا ——— اٹھارہ انیس سال ہی کی عمر ہو گی جیسا اس نے سنا تھا۔ دراز قامت، نکھرتا ہوا رنگ، آنکھوں میں ایک خاص کشش، کھڑے رہنے کے انداز میں ایک خاص کشش۔ آواز میں ایک خاص لوچ ——— وہ سوچنے لگا کہ اس لڑکی سے شادی کرنے سے انکار کرنا کتنا دشوار ہے۔

اب اچھا خاصا اندھیرا ہو رہا تھا۔ سمندر کی لہریں برابر آئے جا رہی تھیں اور جہاں وہ دونوں کھڑے تھے۔ وہاں تک آتے آتے واپس چلی جاتی تھیں۔ وہ سوچنے لگا کہ اگر وہ آنکھیں بند کر لے تو یہ ساری خواب کی باتیں معلوم ہونے لگیں۔

اس کی خاموشی پر فوزیہ نے کہا۔

"آپ کیا سوچ رہے ہیں؟"

"کچھ نہیں"

"یہ تو نہیں سوچ رہے ہیں کہ میں کتنی بے باک ہوں"

وہ اب تک بے باک لڑکیوں کو پسند نہیں کرتا تھا لیکن اس وقت اسے وہ لڑکیاں بری معلوم ہو رہی تھیں جو گم سم رہتی ہیں۔ جو گیلی مٹی کی بنی ہوئی

مورتی کی طرح جھکی جاتی ہیں۔ کہنے لگا

"نہیں میں ان لڑکیوں کو پسند نہیں کرتا جو ——"

اور اس کے تصور میں ماہتاب کی شکل گھوم گئی۔ کیا وہ ماہتاب کو بھی پسند نہیں کرتا تھا —— کہنے لگی

"چلیے —— اب اندھیرا ہو گیا ہے ——"

اور وہ اس کے ساتھ واپس آنے لگا۔ وہ خاموش تھا اور فوزیہ کسی بات پر ہنس رہی تھی۔ پھر کہنے لگی۔

"میں شادی سے پہلے ذرا ایک بار اور ملنا چاہتی ہوں ——"

"یہیں"

"ہاں —— یہ جگہ اچھی ہے۔ یہاں کسی کو شک نہیں ہوتا۔ کہیں اور بات کرو تو خواہ مخواہ نظریں تعاقب کرنے لگتی ہیں ——"

"تو لکھ دیجئے گا، آجاؤں گا"

"منگل کے دن چھ بجے ملیے"

اور وہ گردن کے اشارے سے اقرار کرنے لگا۔ دونوں نے واپسی پر سی بریز میں چائے پی۔

چائے پینے کے بعد وہ اپنی موٹر کے پاس گئی جو اس نے اسٹینڈ پر چھوڑ دی تھی۔ کہنے لگی

"چلیے، آپ کو پہنچا دوں ——"

"نہیں، میں ابھی یہیں رہوں گا —— آپ جائیے ——"

"تو منگل کو چھ بجے ——"

"میں یہیں پر ملوں گا ——"

فوزیہ نے موٹر اسٹارٹ کی اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے سلام کرتی چلی گئی ۔۔۔۔ وہ بہت دیر تک اسی طرف دیکھتا رہا۔ اسے یقین نہ آتا تھا کہ وہ لڑکی فوزیہ ہی تھی۔ اور یہ اور بھی نہ یقین آنے والی بات تھی کہ فوزیہ ہی کے ساتھ اس کی شادی ہو رہی تھی۔ اس کی بات چیت میں، اس کے ایک ایک انداز میں وہی بات تھی جس کو وہ فرضی کہانی کی ہیروئن میں تو یقین کر سکتا تھا لیکن اس لڑکی میں جو ہفتہ عشرہ میں اس کی بیوی ہونے والی تھی ۔۔۔۔!

وہ وہیں منڈیری پر بیٹھا رہا اور سگرٹوں پر سگرٹیں پیتا رہا۔ پھر ایک تھکی ہوئی گہری سانس لے کر کیو میں کھڑا ہو گیا۔

دوسرے دن وہ اپنے دفتر نہیں گیا

رات بھر اسے نیند نہیں آئی تھی۔ فوزیہ کی ہنسی، اس کی باتیں، اس کی بے باکی، اس کی شرمیلی نگاہیں اسے ستاتی رہی تھیں۔ صبح ہوتے ہوتے اُسے یقین ہو گیا تھا کہ جب ابھی سے اس کا یہ عالم ہے تو شادی کے بعد تو وہ پاگل ہی ہو جائے گا

صبح ناشتہ پر اس کی ماں نے پوچھا

"آج مجھے لڑکی کے گھر جانا ہے ۔۔۔۔ بولو، کتنے دن کی مہلت لے لوں ۔۔۔۔ وہاں تو سب کچھ تیار ہے ۔۔۔۔"

"لڑکی کے والد کیا کرتے ہیں امی ۔۔۔۔"

"میں تمھیں بتا تو چکی کہ ان کے کئی کاروبار ہیں ــــــ موٹروں کے پرزوں کے خاص تاجر ہیں ــــــ بندر روڈ پر دوکان ہے"

"اور یہ ان کی ایک ہی لڑکی ہے ــــــ"

"ایک لڑکا ہے جو لندن میں فوٹوگرافی سیکھنے گیا ہے ــــــ"

"وہ لوگ مجھ سے شادی کرنے پر کیوں تیار ہو گئے ــــــ"

اس کی ماں ہنسنے لگیں

"کیسے پاگل پنے کی باتیں کر رہے ہو ــــــ ہم میں کمی کس بات کی ہے۔ صرف ان کے مقابلے میں غریب ہیں۔ ہاں۔ ان کو روپے پیسے والوں میں شادی کرنا ہوتی تو وہ نہ کرتے۔ ان کو شریف خاندان کے پڑھے لکھے لڑکے کی تلاش تھی۔ مجھ سے لڑکی کی ماں کہتی تھی کہ وہ لڑکے کو اپنے ہی کاروبار میں لگا لیں گی۔ آخر یہ ساری دولت ان کی دونوں اولاد کی ہی ہے۔ لڑکے کو فلمی فوٹوگرافر بننے کا شوق ہے۔ اسی لیے وہ لندن بھی گیا ہوا ہے ــــــ"

وہ سب کچھ سنتا رہا لیکن فوزیہ کے تصور نے اسے ان باتوں کو سمجھنے کی فرصت نہیں دی۔ وہ ناشتہ کر کے پھر اپنے بستر پر آ کر لیٹ رہا۔ سرہانے میز تھی جس پر اس کی کچھ کتابیں رکھی تھیں۔ جو کتاب اس نے پڑھنے کے لیے اٹھائی اس کے اندر وہی پرچہ رکھا تھا جس پر ماہتاب نے کتابوں کے نام لکھ کر دیئے تھے اور جسے اس نے بہت احتیاط سے اٹھا کر رکھ لیا تھا ــــــ اسے ایک دم سے ماہتاب کا خیال آ گیا۔ تھوڑی دیر میں جب اس کی ماں اس کمرے میں آئیں تو وہ پوچھنے لگا۔

"آصفہ بہن کیسی ہیں"

"بیچاری کی حالت اچھی نہیں ہے ـــــــ"

"میں بہت دن سے دیکھنے نہیں گیا"

"تو آج چلے جانا ـــــــ میں جب گئی تھی تو پوچھ رہی تھی۔ ماہتاب بھی کہتی تھی کہ جو کتابیں تم نے اسے پڑھنے کو دی تھیں وہ انھیں پڑھ چکی ہے۔ شاید وہ کتابیں ہسپتال ہی میں رکھی ہیں۔"

اس کی ماں تو یادوں کے دیوں کی لویں بڑھا کر دوسرے کمرے میں چلی گئیں اور وہ دوپہر تک ماہتاب کو یاد کرتا رہا۔ اس کو اس آخری ملاقات کی ذرا ذرا سی بات یاد تھی ـــــ وہ سڑک کے کنارے لگے ہوئے بجلی کے کھمبے بھی یاد تھے۔ جن کے گذرنے سے پہلے وہ اپنے دل کی بات کہہ دینا چاہتا تھا۔ آنکھوں کی وہ وحشت بھی یاد تھی جو اس کے دل کی بات سن کر اس میں پیدا ہوئی تھی ـــــ اس کے گھبرا کر رکشا پر بیٹھنے کا انداز بھی یاد تھا۔

اس نے اتنے دنوں میں ہزار بار سوچا تھا کہ اس کے انکار کر لے کی وجہ کیا تھی۔ لیکن جوں جوں وہ اس مسئلہ پر سوچتا۔ یہ مسئلہ اتنا ہی الجھتا جاتا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد وہ تھوڑی دیر کے لیے سو گیا۔ پھر جاگ کر اپنی خیالی دنیا میں کھو گیا۔ چار بجے اگر اس کی ماں اسے ہسپتال کی یاد نہ دلاتی تو وہ بالکونی ہی میں بیٹھا رہتا۔

"اگر جانا ہے تو چلے جاؤ ـــــ چار بج گئے ہیں ـــــ"

اس نے کپڑے بدلے اور نیچے اتر کر ٹرام پر بیٹھا اور صدر سے رکشا کر کے ہسپتال میں پہنچا۔ اس کی ماں سچ کہتی تھیں۔ آصفہ کی حالت پہلے

سے بھی خراب ہوگئی تھی۔ آنکھوں کے گرد حلقوں کی سیاہیاں اور بڑھ گئی تھیں۔ ہاتھوں کی ہڈیاں کچھ اور نمایاں ہوگئی تھیں ——— ماہتاب موجود نہ تھی۔ آصفہ نے کہا۔

"ابھی تک ماہتاب نہیں آئی ———"

اور پھر ان کی آنکھوں میں خوشی جھلکنے لگی۔ کیونکہ اسی وقت انھوں نے ماہتاب کو داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔

"آ تو گئی ہے ماہتاب"

اس نے نظریں اٹھا کر ماہتاب کی طرف دیکھا۔ ان ٹھہری ہوئی آنکھوں نے بھی اس کی طرف دیکھا۔ خاموشی سے ہاتھ سلام کے لیے اٹھا اور پھر جیسے وہ ماہتاب کے لیے یہاں موجود ہی نہیں رہا۔ جب وہ چلنے لگا تو آصفہ نے اس کی ماں کو سلام کہلوایا اور وہ باہر آ کر بلا ارادہ ٹھہر ا رہا ——— وقت ختم ہوا ——— اوروں کی طرح ماہتاب بھی باہر نکلی۔ اسے دیکھ کر کچھ رکی پھر وہ ان کتابوں کو اس کی طرف بڑھانے لگی جو وہ اپنی ایک بغل میں دبائے ہوئے تھی۔ اس نے کتابیں نہیں لیں۔ کہنے لگا۔

"میں دی ہوئی چیزوں کو واپس نہیں لیا کرتا"

جب وہ رکشا پر بیٹھ گئی تو ماہتاب نے کہا

"پرویز بھائی ——— میں آپ کی کتابیں رکھنے سے مجبور ہوں ———"

اور اب کی اسے کتابیں لے لینا پڑیں ——— کیونکہ اس آواز میں التجا تھی آنکھوں میں خوشامد تھی۔ ہاتھ کانپ رہے تھے۔ ہونٹ بھی کانپ رہے تھے ——— رکشا چلا گیا اور وہ ایک بار پھر جھنجھلا گیا کہ آخر اس مغرور لڑکی سے شہ ملنے کی کوشش ہی کیوں کرتا ہے ———

وہ بھی رکشا پر بیٹھ کر صدر آ گیا۔ اور کیفے ٹیریا میں بیٹھ کر اپنے دوستوں کی باتوں میں وہ اپنی تازہ چوٹ کو بھول گیا۔

دوسرے دن اتوار تھا۔

یہ رات پھر جاگتے جاگتے گزری تھی ——— اب فوزیہ اور ماہتاب کی یاد برابر سے آ رہی تھی ——— ایک لڑکی نے اسے قبول کر لیا تھا۔ ایک لڑکی نے اسے ٹھکرا دیا تھا ——— نہ وہ یہ جانتا تھا کہ ایک لڑکی نے اسے قبول کیوں کیا ہے اور نہ ہی اسے یہ خبر تھی کہ دوسری لڑکی نے اسے ٹھکرایا کیوں تھا ———

صبح ہوتے آنکھ لگی تھی اس لیے دس بجے تک سوتا رہا۔ اس کی ماں نے بھی اسے نہیں جگایا۔ کچھ دن سے جیسی عجیب باتیں وہ کہہ رہا تھا۔ ان سے کبھی کبھی وہ ڈر جاتی تھیں۔

دس بجے وہ سو کر اٹھا، کپڑے بدل کر باہر نکلا۔ کیفے ٹیریا ہی میں چائے پی اور پھر وہیں سے۔ پیرا ڈائیز سینما چلا گیا۔ جو اتوار کے دن گیارہ بجے خاص شو کرتا تھا۔ اس وقت اس کے ذہن میں نہ فوزیہ تھی اور نہ ماہتاب ——— وہ عام طور سے درمیانی درجہ میں سینما جایا کرتا تھا لیکن اس دن جانے کیا جی میں آئی کہ درمیانی درجے میں نشستوں کی موجودگی کے باوجود اس نے سب سے اونچی کلاس کا ٹکٹ لے لیا اور بالکل دیوار سے لگ کر بیٹھا۔ درجہ میں پندرہ بیس لوگ تھے۔ دو چار فرنگی عورتیں بھی تھیں۔ جب اندھیرا ہوا تو اس کی اگلی سیٹ پر لڑکیوں کی قطار

کی قطار آکر بیٹھ گئی ——— شاید کالج کی سہیلیاں تھیں کیونکہ وہ انٹرول ہونے تک گردنیں جوڑ جوڑ کر چپکے چپکے باتیں ہی کرتی رہیں ——— انٹرول ہیں جس لڑکی پر اس کی سب سے پہلے نظر پڑی وہ فوزیہ تھی۔

فوزیہ نے بھی اسے دیکھ لیا تھا اور اپنی سہیلیوں کے سامنے سے ہوتی ہوئی اس کی طرف آ رہی تھی۔

"آپ سے یہاں خوب ملاقات ہوئی"

اور اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس سے کیا کہے۔

"یہ سب میری سہیلیاں ہیں۔ شو کے بعد سب سے تعارف کراؤں گی"

جس لڑکی کے سامنے کھڑی ہو کر وہ اس سے باتیں کر رہی تھی۔ اس نے بھی پیچھے مڑ کر دیکھا اور اب تو وہ واقعی گھبرا گیا کیونکہ یہ لڑکی ماہتاب تھی۔ ماہتاب نے کہا

"میں پرویز بھائی کو بہت دن سے جانتی ہوں ———"

اور وہ گھبراہٹ میں اپنی جگہ سے اٹھ آیا۔ اور نیچے آکر تصویریں دیکھنے لگا۔ پھر جب تماشا شروع ہوا تو وہ دوبارہ اوپر نہیں گیا۔ باہر آگیا اور کیفے جارج میں بیٹھ کر کھانا کھانے لگا ——— وہ اس وقت کسی ایسی جگہ نہیں جانا چاہتا تھا جہاں اس کے دوستوں سے مڈبھیڑ ہونے کا امکان ہو ——— یونیورسٹی کے بہت سے دوست اسے یہاں بھی نظر آئے لیکن وہ آنکھیں نیچی کیے کھانا کھاتا اور دل ہی دل میں ہنستا رہا کہ وہ چار دن سے اس سے جتنی بھی حرکتیں سرزد ہو رہی ہیں، کم از کم وہ تو ان کا ذمہ دار نہیں ہے۔ وہ تو شطرنج کا ایک مہرہ تھا۔ چال چلنے والے ہاتھ اور دوں کے تھے۔

کھانے کے بعد وہ سیدھا گھر آگیا۔

* * * * * *

پیر کے دن وہ دفتر سے سیدھا ہسپتال پہنچا

اس نے دفتر میں فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ماہتاب سے آخری مرتبہ اور کہے گا اگر وہ دوبارہ انکار کر دے گی تو فوزیہ سے شادی کر لے گا اور پھر ہمیشہ کے لیے ماہتاب کو بھول جائے گا

ماہتاب اپنی آپا کے پاس بیٹھی ہوئی ملی۔ آصفہ کی حالت اور خراب ہو گئی تھی۔ وہ بڑی اداسی سے لیٹی ہوئی اس کی طرف دیکھتی رہیں۔ وہ بھی چپ چاپ بیٹھا رہا۔ جب وقت ختم ہو گیا تو وہ مجبوراً اٹھا۔ ماہتاب کا ابھی جانے کا کوئی ارادہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ وہ باہر آگیا۔ اس کے دل کو ایسی ٹھیس لگی تھی کہ وہاں ٹھہرنے کو جی نہ چاہتا تھا —— لیکن وہ ایک گھنٹہ تک پھاٹک پر کھڑا رہا۔ اچھا خاصا اندھیرا ہونے کے بعد ماہتاب نکلی اور اسے کھڑے دیکھ کر گھبرا گئی —— رکشا بھی کوئی موجود نہیں تھا جس پر بیٹھ کر فوراً چلی جاتی —— اسے رکشا کا انتظار تو کرنا ہی تھا۔

وہ اس کے قریب گیا۔ وہ مسکرا کر کہنے لگی

"کل آپ انٹرول کے بعد آئے کیوں نہیں ——"

"مجھے تمھارے آخری فیصلے کا انتظار ہے ——"

"فوزیہ بہت اچھی لڑکی ہے"

"میں بھی اسے خراب نہیں سمجھتا لیکن ——"

"وہ آپ سے شادی کرنے کے خیال سے بہت خوش ہے"

"میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں ——"

اب اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ ختم ہو گئی ـــــــ وہ اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔ دیکھتے ہوئے ڈرتی تھی۔ کچھ کہتے ہوئے ڈرتی تھی اور خاموش بھی نہیں رہا جاتا تھا کیونکہ پرویز کی نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ اُسے تڑپا رہی تھیں۔

"میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ میں مجبور ہوں"

"لیکن کیوں ـــــ کیا تم کو کسی اور سے محبت ہے؟"

وہ انکار میں گردن ہلانے لگی

"کیا تم مجھے اپنے قابل نہیں سمجھتیں"

اور ماہتاب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ـــــــ اسی اثناء میں ایک رکشا آ گیا۔ وہ رکشا پر بیٹھ گئی اور انہی آنسو بھری نظروں سے دیکھتی ہوئی چلی گئی

وہ اس لڑکی کو سمجھنے سے قاصر رہا۔

دوسرے دن منگل تھا اور شام کو چھ بجے کلفٹن پر اسے فوزیہ سے ملنا تھا ـــــــ وہ دفتر سے چار بجے گھر آیا۔ گھر آتے وقت تک اُسے یقین تھا کہ وہ فوزیہ سے ملنے نہیں جائے گا لیکن چائے پینے کے بعد وہ شیو بنانے لگا۔ پانچ بجے اس نے کپڑے پہنے۔ جیسے کوئی طاقت اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ سوا پانچ بجے وہ اپنی ہی باتوں پر ہنس کر گھر سے روانہ ہوا۔ پونے چھ بجے

کلفٹن پہنچا۔ فوزیہ کی موٹر اسی جگہ کھڑی تھی۔ جہاں پچھلے جمعہ کو کھڑی تھی اور وہ بیٹھی ہوئی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے بس سے اترتے دیکھ کر وہ بھی اپنی موٹر سے اتر آئی ——— اس دن وہ اور قیامت بنی ہوئی تھی۔ کانوں میں لمبے لمبے آویزے تھے۔ جو اس کی گردن تک لٹکے ہوئے تھے۔ اگر وہ ایسے آویزے کسی اور لڑکی کے کان میں دیکھتا تو اسے ہنسی آ جاتی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ کان ایسے ہی آویزوں کے لیے بنے تھے۔ بائیں گال پر ایک تل تھا جہاں تک اسے یاد تھا اس سے پہلے اس نے یہ تل نہیں دیکھا تھا۔ آنکھوں میں کاجل کے ڈورے کھنچے ہوئے تھے۔ لال بارڈر کی ساری تھی۔ اور لال رنگ کا بلاؤز تھا۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا اور جیسے فوزیہ بھی خاموشی سے اسے دکھاتی رہی۔ پھر ہنس کر کہنے لگی۔

"اگر دیکھ چکے ہوں تو چلیے۔ سمندر کے کنارے ٹہلیں"

اس لہجہ میں شوخی تھی، غرور تھا، محبت تھی۔ وہ مسکرا دیا اور دونوں اس راستہ سے ساحل پر گئے جو موٹروں کے لیے بنایا گیا تھا پیدل چلنے والوں کے لیے تو دوسرا راستہ تھا۔ ساحل تک پہنچتے پہنچتے وہ خاموش ہی رہی اور پرویز بھی کچھ نہ کہہ سکا۔

ساحل پر جب وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں بہت کم لوگ تھے۔ اور پھر بھی وہ خاموش رہی تو اسے اس کی خاموشی کا احساس ہوا اور کہنے لگا۔

"آج آپ کچھ خاموش ہیں"

"جب تک آپ یہ نہیں بتائیں گے کہ اس دن انٹرول سے آپ چلے کیوں گئے تھے۔ میں نہیں بولوں گی"

"اگر آپ سچ پوچھتی ہیں تو میں خود بھی حیران ہوں کہ میں چلا کیوں آیا تھا،"

"میری سہیلیوں نے میرا خوب ہی مذاق اڑایا،"

"مجھے احساس ہے۔"

وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی چپلیں اتارنے لگی اور چپلوں کو چھوڑ کر اپنی ساری کو ذرا اونچا اٹھا کر وہ ٹخنوں ٹخنوں پانی میں چلی گئی ——— اب وہ اپنے آپ ہی ہنس رہی تھی۔ جیسے یہ لہریں اس کے گدگدی کر رہی تھیں۔ وہ خشکی ہی میں کھڑا رہا۔ وہاں سے وہ اسے بلانے لگی اور وہ بھی اپنے جوتے اتار کر اور پتلون کی مہریاں چڑھا کر اس کے پاس جا کھڑا ہوا ——— فوزیہ نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ پرویز پر جیسے جادو چلا ہوا تھا، یہ باتیں تو وہ خواب ہی میں دیکھ سکتا تھا، جیتی جاگتی زندگی میں ان باتوں کی اسے توقع بھی نہیں تھی۔ لہریں آتی تھیں۔ لہریں جاتی تھیں۔ پیروں کے نیچے سے ریت کھسکتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ جس سے فوزیہ کو بہت خوشی ہو رہی تھی۔ کہنے لگی

"اب صرف گیارہ دن رہ گئے ہیں شادی کو ———"

"کیا تاریخ طے ہو گئی ہے؟"

"آپ کو نہیں معلوم،"

اور اسے یہ کہتے ہوئے شرم آئی کہ اسے اپنی ہی شادی کی خبر نہیں تھی۔

کچھ دیر تک اور خاموشی رہی۔ جس کی اپنی زبان تھی، اپنی داستان تھی۔ اپنی باتیں تھیں۔ پھر وہ پوچھنے لگی۔

"آپ نے استعفیٰ دے دیا،"

"نہیں"

"میں نے آپ سے کہا نہیں تھا کیا؟"

"نہیں ——"

"تو اب دے دیجئے ——"

"پھر کیا کروں گا"

"یہ تو میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ ترقی کے لیے تجارت کی ضرورت ہے"

"شاید میں بھی کہہ چکا ہوں کہ میرے پاس سرمایہ نہیں ہے ——"

"سرمایہ میں لاؤں گی"

"پہلے شادی تو ہو جانے دو"

"تو کیا آپ کو یہ خیال ہے کہ یہ شادی نہیں ہو گی"

اور اس نے دور سمندر کی اونچی اونچی لہروں کو دیکھتے ہوئے کہا

"مجھے تو یہ سب خواب معلوم ہوتا ہے ——"

فوزیہ روٹھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر جتنی دیر وہ پانی میں کھڑی رہی۔ کچھ بولی نہیں۔ پرویز نے اس کا ہاتھ بھی چھوڑ دیا کہ اگر وہ واپس چلی جانا چاہے تو چلی جائے۔ اسے اسی خواب کی دنیا میں چھوڑ جائے لیکن فوزیہ نے اس کا ہاتھ پھر تھام لیا۔ کہنے لگی

"شاید آپ مجھے پسند نہیں کرتے"

"اگر پسند نہ کرتا ہوتا تو یہاں آتا ہی کیوں"

"پھر آپ —— خاموش کیوں ہیں؟"

اس کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ اس سے کیسے کہہ دیتا کہ وہ

اس کی موجودگی میں سب کچھ بھول جاتا ہے ——— وہ مسکرا کر خاموش ہو رہا۔

"آپ کب ملیں گے"

"میں یہاں روز آجایا کروں گا۔ آپ کا جب جی چاہے گا، آجایئے گا"

وہ ہنسنے لگی ——— پھر کہنے لگی

"ماہتاب سچ کہتی تھی آپ بہت اچھے ہیں ———"

اور وہ سوچنے لگا کہ ماہتاب نے اس سے اور کیا کیا باتیں کی تھیں اسے فوزیہ کے منہ سے ماہتاب کا نام سن کر ایسا ہی معلوم ہوا جیسے وہ کسی خواب کی لڑکی کا ذکر کر رہی ہے۔ کہنے لگی

"نہیں، روز آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جمعہ کو ایک بار اور ملوں گی۔ اس کے بعد تو نکلنا دشوار ہو جائے گا ——— آپ جمعہ کو اسی وقت آجایئے گا"

پھر وہ اپنی سینڈلوں کے پاس گئی اور رومال سے پیر صاف کر کے سینڈلوں کو پہننے لگی۔ وہ بھی اپنے جوتے پہن کر چلنے کو تیار ہو گیا۔ دونوں پھر اسی راستہ سے موٹر تک آئے۔ کہنے لگی۔

"چلیئے، گرینڈ میں چائے پئیں گے"

اور وہ انکار نہ کر سکا۔ اس کے ساتھ ہی آگے بیٹھ گیا۔ فوزیہ نے موٹر اسٹارٹ کی اور تیزی سے کلفٹن روڈ پر آگئی۔ ابھی وقت بتیاں جلنا شروع ہوئی تھیں۔ ہلکے ہلکے اندھیرے میں نیلی روشنیاں نئی نویلی دلہن کی طرح شرمائی ہوئی تھیں۔ فوزیہ کے بال ہوا میں اڑ رہے تھے۔ ہونٹوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی۔ اور ایک عجیب خوشی تھی۔ وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کسی وجہ سے سہی، فوزیہ اس سے شادی کرنے کے خیال سے خوش ہے۔

گرینڈ میں وہ دونوں داخل ہوئے۔ کھڑکی کے پاس وہ دونوں ایک میز پر

بیٹھ گئے ــــــ چائے آئی ــــــ وہ چائے اپنے ہاتھ سے بنانے لگی جب وہ پیالی اس کی طرف بڑھا رہی تھی کہ ایک نوجوان لڑکی اپنے ماں باپ کے ساتھ اندر آئی ــــــ اس کے ماں باپ تو علیحدہ میز پر بیٹھ گئے وہ لڑکی فوزیہ کے پاس آ گئی۔

"تم آئی نہیں فوزیہ ــــــ"

"ہاں، مجھے دیر ہو گئی ــــــ"

اور پھر وہ پرویز کی طرف دیکھ کر کہنے لگی

"یہ میری سہیلی ہیں پرویز صاحب ــــــ"

اور وہ لڑکی مسکراتی آنکھوں سے پرویز کی طرف دیکھنے لگی ــــــ پھر چپکے سے فوزیہ کے کان میں کچھ کہہ کر ہنسی۔ فوزیہ بھی مسکرانے لگی ــــــ اس لڑکی کے لیے بھی چائے آ گئی۔ فوزیہ نے پرویز کی طرف پیسٹریاں بڑھائیں اس نے تو گردن ہلا کر انکار کر دیا۔ لیکن وہ لڑکی پیسٹری اٹھا کر ایک ادا سے اس کا ایک کونا کاٹ کر کہنے لگی۔

"واقعی فوزیہ، تم نے ہم سب کو ہرا دیا ــــــ میں تو سمجھتی تھی کہ تمہاری باتیں ہی باتیں ہیں ــــــ"

فوزیہ نے ہنس کر کہا

"تم جانتی ہو کہ میں کوئی ایسی بات نہیں کہتی جو نہ کر سکتی ہوں ــــــ اور یہ کوئی عجوبہ بات بھی نہیں ہے۔ پرویز صاحب سے میری شادی ہو رہی ہے ان سے مل کر طبیعت کا اندازہ لگا لینا میرا حق ہے ــــــ"

پرویز اس دوران میں خاموش ہی رہا۔ وہ لڑکی کہنے لگی۔

"اچھا، اب میں پاپا کے پاس جا رہی ہوں ــــــ"

اور پرویز کی طرف مڑ کر کہنے لگی

"فوزیہ نے میرا تعارف ادھورا کرایا ہے۔ میرا نام شبنم ہے۔ میں جونیئر کیمرج سے فوزیہ کے ساتھ پڑھتی تھی ـــــــ اس دن اگر آپ سنیما سے چلے نہ جاتے تو ہم سب کا تعارف ہو جاتا ـــــــ"

یہ کہہ کر وہ فوزیہ کی انگلیوں کو دبا کر اپنی ماں باپ کی میز پر جا بیٹھی۔ فوزیہ نے کہا

"شبنم اور دوسری لڑکیوں نے مجھ سے شرط لگائی تھی کہ ہاں شادی سے پہلے آپ سے نہیں مل سکوں گی"

"یہ شرط تو میں بھی آپ سے لگانے کو تیار ہو جاتا"

"آپ بھی ہار جاتے ـــــــ"

"اچھا، اب آپ یہاں سے کہاں جائیں گی"

"گھر"

"اور جمعہ کو ہماری ملاقات ہو گی"

"ضرور ہو گی"

اس کا دل چاہا کہ یہ بھی پوچھ لے کہ کیا ملاقات کی طرح شادی بھی ضرور ہو گی لیکن وہ دل ہی دل میں یہ سوال دہرا کر رہ گیا۔ پھر بیرے کو اس نے بل کی قیمت دی۔ گرینڈ کے باہر ہی وہ فوزیہ سے رخصت ہو گیا اور خود فٹ پاتھ پر چلا گیا۔

اور وہاں ایک بنچ پر بیٹھ کر سوچنے لگا کہ وہ واقعی خواب دیکھ رہا ہے۔ تھوڑی دیر میں صبح ہو جائے گی۔ اور یہ خواب بھی ختم ہو جائے گا۔

اس کے کانوں میں اب تک فوزیہ کی ہنسی کی آواز گونج رہی تھی۔ اس

کی سگریٹ جلتے جلتے اس کی انگلیوں کو جلانے لگی تھی۔ جب گرمی ناقابل برداشت ہو گئی اور فوزیہ کی ہنسی کی آواز اب بھی گونجتی رہی تو اُسے یقین ہوا کہ وہ خواب نہیں دیکھ رہا تھا۔ خود اس کی زندگی میں ایسے واقعات ہوتے تھے جن پر وہ مشکل ہی سے یقین کرتا تھا۔

دس بجے تک وہ وہیں بیٹھا رہا اور پھر ایک رکشا پر بیٹھ کر گھر آ گیا۔

اور پھر تو ایسا معلوم ہوا کہ اسے فوزیہ ہی سے محبت تھی۔ وہ کسی اور لڑکی کو جانتا ہی نہ تھا۔ وہ اب اپنے کمرے میں بیٹھ کر سوچنے لگا کہ ہفتہ عشرہ میں یہاں فوزیہ بھی رہے گی۔ جیسے یہ کمرہ اسے ایک دم سے چھوٹا لگنے لگا۔ بھلا فوزیہ یہاں کیسے رہ پائے گی، اس کا دم نہ گھٹ جائے گا، اس آئینے میں کتنے داغ ہیں۔ وہ اپنی صورت دیکھے گی تو ——— نہیں، یہ آئینہ اس قابل نہیں کہ فوزیہ اس میں اپنی صورت دیکھے۔ اس نے اپنی کتابوں کی الماری میں بند کر دیا۔ الماری میں لگے ہوئے آئینہ کو پہلے تو چونے سے صاف کرنے کی کوشش کرتا رہا پھر اس شیشہ کو نکال کر وہ دوسرے کمرے کی الماری میں لگا آیا۔

اس کی ماں بھی شادی کی تیاریوں میں لگی ہوئی تھیں۔ اس کی خالہ بھی شہداد پور سے آ گئی تھیں اور دلھن کے جوڑوں میں لچکا ٹانک رہی تھیں۔ اس کی خالہ زاد بہن لطیفہ بھی آئی تھی۔ جو اپنے نام سے بھی زیادہ ہنسی کی باتیں کرتی تھی۔ وہ اُسے

چھیڑا کرتی۔ وہ لطیفہ کی باتیں سن سن کر خوش ہوا کرتا

جمعہ کے دن وہ دو ہی بجے دفتر سے آ گیا تھا۔ شام کو اسے فوزیہ سے ملنا تھا۔

چار بجے تک وہ لیٹا رہا۔ پھر اٹھا اور کپڑے پہن کر باہر نکلا ہی تھا کہ زینے پر حمید صاحب مل گئے ــــــ وہ اوپر آ رہے تھے۔ پرویز نیچے جا رہا تھا ــــــ دونوں کا بہت دن کے بعد آمنا سامنا ہوا تھا ــــــ حمید صاحب کو دیکھتے ہی اسے ماہتاب کا خیال آ گیا اور وہ نیچے اتر کر بہت دیر تک زینے کے پاس ہی کھڑا رہا

پھر گھڑی کی طرف دیکھ کر رکشے پر بیٹھ کر ہسپتال کے لیے روانہ ہو گیا۔

آصفہ کے پاس ماہتاب بیٹھی تھی۔ آصفہ کی آنکھیں بند تھیں۔ ماہتاب نے کہا

"ابھی سوئی ہیں ــــــ"

"اب طبیعت کیسی ہے ــــــ"

اس کے جواب میں ماہتاب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ جن کو وہ اپنے دوپٹے کے آنچل سے خشک کرنے لگی۔ پھر کہنے لگی

"آج تو آپ کو فوزیہ سے ملنا تھا"

وہ گھبرا گیا۔ ماہتاب کو کیسے معلوم تھا۔ کیا فوزیہ نے اسے بتایا تھا۔ ماہتاب نے کہا

"مجھے فوزیہ ہی نے بتایا تھا"

"ہاں، ملنا تو اسی سے تھا"

"لیکن آپ آ یہاں گئے"

وہ خاموشی سے ماہتاب کی طرف دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر میں آصفہ نے آنکھیں کھول دیں۔ اسے بیٹھے دیکھ کر نحیف آواز میں بولیں

"تمھاری شادی کب ہے بھیا"

اور وہ ماہتاب کی طرف دیکھنا چاہتا تھا لیکن آصفہ کے خیال سے آہستہ سے کھانس کر رہ گیا۔

"میں ایسی بیمار ہوں ورنہ ضرور شریک ہوتی"

ماہتاب بولی

"آپا، فوزیہ تو تم کو یاد ہوگی، ایک مرتبہ میرے ساتھ آئی تھی"

آصفہ پرویز کی طرف مڑیں۔

"تو تمھاری فوزیہ سے شادی ہو رہی ہے"

"جی ہاں"

"بڑی خوبصورت لڑکی ہے ——— تم نے تو دیکھا ہوگا"

ماہتاب بول اٹھی

"ہاں، پرویز بھائی نے دیکھا ہے ———"

آصفہ کچھ دیر تک خاموش رہیں۔ پھر پوچھنے لگیں

"حمید صاحب کا کیا رنگ رہتا ہے"

"مجھے معلوم نہیں ———"

"اب بھی شراب پی کر آتے ہیں ———"

"میں نے دیکھا نہیں ———"

وہ اور اداس ہو گئیں اور پرویز ماہتاب کی طرف دیکھتا ہوا باہر آگیا ———

باہر اسے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑی۔ ماہتاب آ گئی ——— اور اس سے کہنے لگی۔

"فوزیہ انتظار کر رہی ہو گی"

"کرنے دو اسے انتظار"

"پیدل چلیے گا یا رکشا پر؟"

"جیسا تم چاہو ———"

جب وہ کچھ دور تک اس کے ساتھ آ گئی تو کہنے لگی

"آپ کو اسے انتظار میں یوں سکھانا نہیں چاہیئے ——— روٹھ گئی تو منانے میں دشواری ہو جائے گی"

اس پر بھی جب پرویز نے کچھ نہیں کہا تو اس کی طرف دیکھے بغیر کہنے لگی۔

"میں خوش ہوں کہ آپ کی شادی فوزیہ سے ہو رہی ہے"

پرویز کا دل بھر آیا ——— یہ لڑکی چاہتی کیا تھی ——— اگر اس کی شادی فوزیہ سے ہو رہی تھی تو اس میں بھی اس کی غلطی تھی۔ اگر وہ اس کی بات مان چکی ہوتی تو ——— کہنے لگا۔

"عجیب بات ہے کہ جب میں فوزیہ کے پاس ہوتا ہوں تو اسی سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور جب تمہارے ساتھ ہوتا ہوں تو ——— اس سے شادی کرنا نہیں چاہتا ———"

ماہتاب اس کی اس بات کو پی گئی ——— اور ہنس کر کہنے لگی۔

"اب بھی وقت ہے، آپ کلفٹن چلے جایئے ———"

"تم بھی چلو گی؟"

"میں؟"

اور پرویز نے کہا

"مجھے معلوم ہے تم وہاں نہیں جاؤ گی، تم کو جانا بھی نہیں چاہیئے۔"

صدر تک ماہتاب نے پھر کوئی بات نہیں کی۔ اور پرویز کو بھی خیال نہیں رہا کہ صدر میں حمید سے مڈبھیڑ ہونے کا امکان ہے۔ وہ ماہتاب کی قربت کے نشہ میں سب کچھ بھولے رہا۔ کہ ماہتاب کے قدم ایک دم سے رک گئے۔ پرویز بھی رک گیا۔ اس سے کوئی ایک گز کے فاصلہ پہ حمید کھڑا تھا حمید کی غصے سے آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں۔ کہنے لگا

تم کو شرم نہیں آتی ———"

اور اس نے یہ جملہ اتنی چیخ کر کہا کہ پاس سے گذرنے والے بھی ٹھہر گئے ——— اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک مجمع ہو گیا۔ حمید نے پرویز کا گریبان پکڑ لیا تھا۔ پرویز انجان بنا رہا۔ پھر جب اس نے دیکھ لیا کہ ماہتاب رکشا پہ بیٹھ کر روانہ ہو گئی ہے تو اس نے حمید کا ہاتھ جھٹک کر کہا

"شرم تو آپ کو آنا چاہیئے ——— بیوی ہسپتال میں مر رہی ہے اور خود گھرے اڑاتے پھر رہے ہیں ———"

حمید نے مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا لیکن پرویز ہاتھ کی زد سے باہر آ گیا۔ دو چار آدمیوں نے حمید کو پکڑ لیا اور اسے سمجھانے لگے۔ پرویز بھی وہاں سے کھسک گیا ——— پھر اسے نہیں معلوم ہوا کہ حمید نے لوگوں سے کیا کہا ہو گا۔

اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ سات بجنے میں دس منٹ باقی تھے ——— وہ فریئر ہال کی طرف روانہ ہو گیا اور اسے بھی آگے بڑھ کر کافٹن برج پہ چلنے لگا

سوچ رہا تھا کہ اگر فوزیہ سے راستہ میں ملاقات ہو جائے گی تو وہ پھر اسے لوٹا لے جائے گا ورنہ یونہی پیدل کلفٹن تک جائے گا۔ اور وہاں کھڑا رہے گا جہاں فوزیہ پانی میں گئی تھی۔

اسے وہاں پہنچنے میں ایک گھنٹہ تو لگا ہی ہو گا۔

فوزیہ کی گاڑی کھڑی تھی اور وہ بتیاں بجھائے بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ جب گاڑی کے پاس پہنچ گیا تو اس نے بتیاں جلا دیں اور کہا "آیئے واپس چل رہے ہیں۔"

"تم بہت دیر سے انتظار کر رہی ہو گی"

"آپ تھے کہاں"

وہ اپنی سگرٹ سلگانے لگا اور پھر اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ فوزیہ نے اپنے سوال کا جواب نہیں چاہا۔ گاڑی اسٹارٹ کی اور صدر کی طرف واپس آنے لگی۔ فریئر ہال کے پاس گاڑی روک کر کہنے لگی۔

"میں دو گھنٹے سے انتظار کر رہی تھی"

"اور میں پیدل آ رہا تھا"

"کیوں، کیا کوئی سواری نہیں ملی تھی"

"سواریاں تو بہت سی تھیں۔ لیکن کبھی کبھی دل بڑی عجوبہ باتوں کو چاہنے لگتا ہے"

"اس وقت آپ کا جی کیا چاہ رہا ہے"

"کلفٹن واپس جاؤں"

وہ ہلکی ہلکی روشنی میں ایک لمحہ تک اس کی طرف دیکھتی رہی پھر گاڑی موڑ کر کلفٹن کے لیے روانہ ہو گئی ———— راستہ میں اس نے کچھ نہیں کہا

جب کلفٹن پہنچی اور گاڑی چھوڑ کر اس کے ساتھ ساحل پہ جانے لگی تو پوچھنے لگی

"آپ نے اتنی دیر کہاں لگا دی تھی"

"میں ہسپتال گیا ہوا تھا، ماہتاب کی بڑی بہن بیمار ہیں"

"ہاں، وہ کہتی تھی"

"تم ملنے نہیں گئیں"

"جب وہ اچھی ہو جائیں گی تب جاؤں گی"

"اب وہ بیچاری کیا اچھی ہوں گی"

وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہی۔ پھر کہنے لگی

"مجھے بیماریوں سے چڑ ہے۔ نہ معلوم لوگ بیمار کیوں پڑتے ہیں۔ یونہی کیوں نہیں مر جاتے ——"

پرویز اگر کسی اور کے منہ سے یہ جملہ سنتا تو اسے بڑا عجیب معلوم ہوتا لیکن اسے یہی بات صحیح بھی معلوم ہوئی۔ واقعی بیمار پڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جب تک زندگی ہے۔ انسان صحت مند رہے۔ پھر ایک دن چپکے سے مر جائے۔

ساحل پر پہنچ کر وہ ریت پر بے تکلفی سے بیٹھ گئی —— اس وقت بھی یہاں کافی لوگ تھے۔ لیکن چاندنی رات نہیں تھی۔ اس لیے لوگوں کے سایے سے نظر آ رہے تھے۔ اس سے سمندر کا لطف دوبالا ہو گیا تھا۔ وہ بھی بیٹھ گیا۔ کہنے لگی

"میرے یہاں تو مہمان آنے لگے ہیں"

"میرے یہاں بھی تمہارے خیر مقدم کی تیاریاں ہو رہی ہیں"

"آپ کو نیند آتی ہے"

"ہاں آں ——"

"مجھے نیند نہیں آتی —— میری چار چچازاد بہنیں ہیں۔ وہ بھی رات بھر نہیں سوتیں۔"

"تمہاری سب سے عزیز سہیلی کون ہے"

"شبنم اور ماہتاب —— دونوں سے آپ واقف ہیں"

"ہاں، شبنم سے بھی ملا ہوں اور ماہتاب ——"

وہ جانے اس وقت کیا سوچ رہی تھی۔ کہنے لگی

"آپ کے ساتھ کون کون رہتا ہے ——"

"ابا جان اور امی جان کے علاوہ ایک چھوٹی بہن ہے ——"

"یہ فلیٹ بھی اتنا بڑا ہوگا جتنا ماہتاب کا"

"ہاں ——"

"صرف دو ہی کمرے ہیں؟"

"ہاں صرف دو کمرے ہیں —— لیکن کمرے بڑے بڑے ہیں"

"خیر —— ہم کو زیادہ دن وہاں نہیں رہنا پڑے گا"

"کیوں"

"پاپا ناظم آباد میں مکان بنوا رہے ہیں وہ ایک دو مہینہ میں تیار ہو جائے گا"

"تو کیا ——"

"ہاں، وہ گھر میرا ہوگا ——"

"لیکن ——"

"کیا بجا ہے اس وقت ——"

"نو بج رہے ہیں ——"

"تو چلیے ——"

وہ نشہ کی سی کیفیت میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا

فوزیہ نے موٹر میں اسے صدر تک پہنچا دیا۔ پھر یہ کہہ کر چلی گئی کہ اب تو مزید ملاقاتوں کا وقت نہیں ہے۔

وہ رکشا میں بیٹھ کر گھر آیا۔ اس کے سر میں ہلکے ہلکے درد ہو رہا تھا۔ لطیفہ نے کھانا لا کر دیا اور وہ کپڑے دکھانے لگی جو درزی کے یہاں سے سل کر آئے تھے۔ اس نے ایک آدھ چپاتی کھائی پھر بالکونی میں کرسی ڈال کر بیٹھ رہا۔ لطیفہ کچھ دیر تک باتیں کرتی رہی پھر اسے کچھ خاموش دیکھ کر چلی گئی۔

تیسرے دن جب یہاں سے منگنی کا سامان جانے لگا تو اسے جانے کیوں یہ خیال آیا کہ یہ لوگ خواہ مخواہ سامان لیے جا رہے ہیں۔ فوزیہ کوئی حقیقی لڑکی تھوڑی ہے۔ وہ تو اسے خواب میں دیکھتا رہا ہے۔ خواب ہی میں باتیں کرتا رہا ہے —— اس کی ماں اور خالہ اور بہنیں جس طرح سامان لیے جا رہی ہیں۔ ویسے ہی واپس لے آئیں گی —— لیکن عشاء کے وقت جب لطیفہ نے آکر یہ کہا۔

"بھائی جان ـــــ کتنی خوبصورت ہیں فوزیہ بھابی"

تو اسے اپنے کانوں پر شبہ ہونے لگا۔ کہنے لگا

"اچھا بتاؤ، کیسی ہیں"

"اتنی اچھی ہیں کہ آپ دنیا کو بھول جائیں گے ـــــ اور اتنی شریر ہیں کہ جب میں صورت دیکھنے لگی تو انھوں نے آنکھیں بھی بند نہیں کیں۔ کسی نے کہا ـــــ فوزیہ، آنکھیں تو بند کر لو ـــــ تو مسکرا کر کہنے لگیں۔

"مجھے بھی تو دیکھ لینے دو ـــــ"

خیریت ہوئی کہ اس وقت خالہ جان اور اماں کمرے کے باہر چلی گئی تھیں۔ ورنہ وہ تو جانے کیا سمجھتیں۔ میں وہیں ٹھہری رہی۔ اس کے بعد انھوں نے مجھ سے باتیں بھی کیں"

اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ خواب نہیں دیکھ رہا ہے لطیفہ فوزیہ ہی کی باتیں کہہ رہی ہے۔

اب وہ اس کی تمام باتوں کو یاد کرنے لگا۔ اور اس کا دم کچھ ایسا الٹا کہ وہ نیچے آگیا اور بہت دیر تک ٹہلتا رہا۔ جو باتیں اسے اس دن سوچنا چاہیئے تھیں۔ وہ آج سوچ رہا تھا۔ فوزیہ امیر کبیر خاندان کی لڑکی تھی۔ اس کو اس کی پسند کے مطابق تعلیم دلوائی گئی تھی، اس کی پسند کے کپڑے پہنائے گئے تھے۔ اس شادی میں بھی اس کی پسند کو اور باتوں پر فوقیت دی گئی تھی ـــــ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ وہ ایسی لڑکی کے ساتھ نباہ کر سکے گا جو ہر چیز میں اپنی پسند کو مقدم سمجھتی تھی ـــــ اسے تو اپنے آپ پر غصہ آرہا تھا اس نے اپنے ہوش و حواس کیوں نہ قائم رکھے تھے۔ وہ کیوں اس کی صورت کا دیوانہ ہو گیا تھا۔

جب ٹہلتے ٹہلتے تھک گیا تو اپنے گھر واپس آ گیا۔ اور بالکونی ہی میں کرسی پر بیٹھا رہا۔

اس کے گھر کے تمام لوگ سو گئے ——— صرف اس کی ماں کے کھانسنے کی آواز آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر اور گزر گئی۔ پھر اس کی ماں اس کے پاس آئیں۔

"تم کو نیند نہیں آ رہی ہے"

"امّی، آپ نے فوزیہ کو دیکھا ہے"

"بہت اچھی طرح"

"اور آپ اُسے پسند کرتی ہیں ———"

"اسے سب ہی پسند کرتے ہیں پرویز ——— تم بھی دیکھو گے تو بس اُسی کے ہو رہو گے"

"میں نے اسے دیکھا ہے امّی"

"کب ———"

"ایک بار نہیں، کئی بار دیکھا ہے۔ اس سے باتیں کی ہیں ———"

"تو کیا تم اسے پسند نہیں کرتے ———"

"امی، وہ بڑی عجیب لڑکی ہے ———"

"ماں باپ نے اسے لاڈ پیار میں بگاڑ دیا ہے بیٹے ——— تم اگر عقل مندی سے کام لو گے تو وہ بڑی اچھی بیوی ثابت ہو گی"

"امی، مجھے تو ڈر لگتا ہے"

"فوزیہ سے"

"اس کی ایسی تمام لڑکیوں سے"

"کیوں ——— "

"آپ نے میری شادی کسی سیدھی سادی لڑکی سے کیوں نہ ٹھہرائی"

"اب ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں پرویز ——— جاؤ، جاکر سو رہو ——"

"آپ ایک کھلونے سے میری شادی کر رہی ہیں ——— "

"تم جسے کھلونا سمجھ رہے ہو، اس کے دل میں بھی عورت کا دل ہے بیٹے۔ ——— اس کے ظاہر پر نہ جاؤ ——— وہ ایسے کپڑے پہنتی ہے ——— خدا نے اس کے ماں باپ کو دولت دی ہے، اس کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو ——— ایسے ہی کپڑے پہنتی ——— وہ موٹر چلاتی ہے ——— وہ ریڈیو میں گاتی ہے، وہ کالج کے جلسوں میں ڈرامہ کرتی ہے۔ ہر چیز کی ایک وجہ موجود ہے ——— تم اسے اپنے رنگ میں رنگنا چاہو گے تو وہ تمھارے رنگ میں رنگ جائے گی ——— جب پہلے دن میں نے اسے دیکھا تو میرے دل میں بھی ایسے ہی وسوسے آئے جو اس وقت تمھاری آنکھوں کی بند دام کیے بیٹھے ہیں ——— غالباً تمھارے ابا جان دیکھنے جاتے تو انکار کر دیتے ——— لیکن میں جانتی تھی کہ اگر اسے تم ایسا شوہر نہ ملا تو وہ واقعی کھلونا بن جائے گی ——— مجھے تم پر بھروسا تھا، اسی بیٹے میں نے یہ رشتہ طے کر لیا ——— جاؤ، سو رہو، اپنے دل کو ڈھارس دو ——— تم کو تو ایک گمراہ لڑکی کو راہ راست پر لانے کا موقع مل رہا ہے ——— "

اسے اپنی ماں کی باتیں بھی کچھ عجیب لگیں۔ وہ اس کی ماں تھیں۔ وہ انہی کی گود میں پل کر جوان ہوا تھا۔ لیکن آج تک وہ ان کے دل کی گہرائیوں میں جھانک کر نہ دیکھ سکا تھا۔

جب وہ جانے لگیں تو پوچھنے لگیں۔

"تم نے ابھی کہا تھا کہ تم اس سے ملے بھی ہو، باتیں بھی کر چکے ہو——"

اور نہ جانے کیوں اس نے اپنی ماں کو فوزیہ سے بدظن کرنا نہیں چاہا۔ کہنے لگا

"اگر وہ ایسی ہی اچھی ہے——"

"وہ اچھی لڑکی ہے —— اگر کوئی خرابی ہوتی تو میں جان بوجھ کر کیا اپنے بیٹے کو تباہ ہونے دیتی——"

وہ جمائیاں لیتا ہوا اپنے بستر پر آلیٹا اور اس کی ماں مسکراتی ہوئی چلی گئیں۔

۳

شعلہ و شبنم

شام کو اس کا نکاح تھا

سہ پہر کو جب وہ نہا دھو کر کپڑے پہننے لگا اور جب سہرا باندھنے کا وقت آیا تو گھر میں جہاں اور لڑکیاں تھیں۔ ماہتاب بھی تھی۔ وہ سب لڑکیوں سے زیادہ ہنس رہی تھی۔ سب لڑکیوں سے زیادہ باتیں کر رہی تھی سب لڑکیوں سے زیادہ خوش تھی۔ ایک لمحہ کے لیے اس نے ان آنکھوں

میں جھانک کر دیکھنا چاہا لیکن ماہتاب نے ایک لمحہ کی بھی فرصت نہیں دی اور وہ بھی اس ہنگامے میں کچھ اور نہ سوچ سکا

یہاں سے پندرہ سولہ کاروں میں برات گئی۔

فوزیہ کے فلیٹ میں چونکہ اتنی گنجائش نہیں تھی اس لیے برات کے لیے ایک پارک میں خیمے لگوائے گئے تھے ——— وہاں بھی سو ڈیڑھ سو آدمی موجود تھے۔ پہنچنے کے کوئی آدھے گھنٹے کے اندر نکاح ہو گیا اور وہ اپنے دوستوں میں گھرا ہوا بیٹھا رہا۔ رات کے گیارہ بجے بڑی دھوم دھام سے فوزیہ رخصت ہو کر اس کے گھر آگئی ———

لیکن نہ جانے کیوں پرویز کا دل بیٹھا جا رہا تھا ——— فوزیہ کو لطیفہ اور دوسری لڑکیاں گھیرے ہوئے بیٹھی تھیں۔ ماہتاب کھانے کے انتظام میں لگی ہوئی تھی اور وہ بالکونی میں سب کی نظروں سے چھپا ہوا بیٹھا تھا۔ جیسے وہ کوئی گناہ کر کے آیا تھا

دوسرے کمرے میں اور مہمان تھے۔ بچے تھے۔ کچھ رو رہے تھے۔ کچھ ہنس رہے تھے۔ اس کی امی تھیں۔ اس کے ابا نیچے تھے۔ کوئی بارہ بجے لطیفہ کی آواز آئی۔

”ارے بھائی جان تو یہاں چھپے بیٹھے ہیں، آیئے۔ کھانا کھایئے نا“

وہ ان لڑکیوں کی خوشی کی خاطر دسترخوان پر بیٹھ گیا۔ ماہتاب فوزیہ کے کان میں کچھ کہہ رہی تھی اور اسے کھانے میں شرکت کرنے پر زور دے رہی تھی۔ کہنے لگی

”یہاں بس ہم ہی لوگ ہیں۔ خالہ جان وغیرہ دوسرے کمرے میں ہیں ———“

فوزیہ نے پھر بھی جنبش نہیں کی۔

"آپ کہہ دیجئے گا پرویز بھائی ——"

اور وہ ماہتاب کی صورت دیکھنے لگا۔ خیر۔ فوزیہ نے بھی ایک آدھ نوالا توڑا —— آدھی رات کو کھانا کس سے کھایا جاتا۔ ہنسی مذاق میں ایک گھنٹہ گذر گیا۔ پھر اس کی امی آگئیں کہنے لگیں۔

"اب تم لوگ دلھن کو آرام کرنے دو گی یا یونہی بیٹھی رہو گی"

لڑکیاں ہنستی ہوئی دوسرے کمرے میں جانے لگیں۔ سب کے آخر میں ماہتاب گئی۔ جاتے وقت وہ فوزیہ سے کہنے لگی۔

"بس، اب سو جانا، زیادہ جاگنا نہیں ——"

اور کمرے سے جاتے جاتے پرویز سے کہنے لگی

"آپ کو ایسی اچھی، ایسی پیاری دلھن مبارک ہو ——"

اور کھلکھلاتی ہوئی وہ چلی گئی

تھوڑی دیر تک تو وہ اپنی جگہ بیٹھا بیٹھا سگرٹ پیتا رہا۔ دوسرے کمرے سے جب آوازیں آنا بند ہو گئیں تو فوزیہ کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ کہنے لگا

"اب یہاں تمھارے اور میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہے ——"

فوزیہ بڑی پیاری مسکراہٹ سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

اتنے میں دوسرے کمرے سے کسی بچے کے رونے کی آواز آئی۔ چپکے سے کہنے لگی

"کیا اس وقت ہم دونوں کہیں چل سکتے ہیں"

"کہاں ——"

"ایسی چاندنی راتوں میں تو لوگ رات رات بھر کلفٹن میں رہتے

ہیں ———"

اسے ہنسی آگئی

"کیوں، ہنس کیوں رہے ہیں"

"ہماری آج ہی شادی ہوئی ہے"

"تو کیا ہوا ———"

"اگر اس وقت میں تم کو لے کر کہیں جاؤں گا تو یہ سب لوگ کیا کہیں گے ———"

فوزیہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اور پھر کمرے کی ایک ایک چیز کو گھوم کر دیکھتی رہی پرویز نے کہا

"مجھے احساس ہے کہ یہ کمرہ تمہارے لیے بہت چھوٹا ہے ———"

"کیا یہ بالکونی سڑک کی طرف ہے؟"

"ہاں ———"

فوزیہ اپنی جگہ سے اٹھی اور بالکونی میں جا کر کھڑی ہو گئی ——— سڑک تقریباً ویران تھی۔ اکا دکا موٹریں گذر رہی تھیں یا کبھی کبھی کوئی رکشا گذر جاتا تھا سامنے کے تمام فلیٹوں کی بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ کہنے لگی

"میری موٹر بھی کوئی لایا یا نہیں"

"کون لاتا ———"

"اگر کوئی لے آتا تو میں آپ کو ضرور کلفٹن لے چلتی ———"

"تمہیں اس وقت کلفٹن کی کیوں یاد آرہی ہے"

"ہماری پہلی ملاقات وہیں ہوئی تھی"

"ان ملاقاتوں کی اتنی اہمیت نہیں ہے جتنی اس رات کی ہے ———"

فوزیہ کچھ شرما گئی ——— کھڑی نیچے کی طرف دیکھتی رہی پرویز کا دل چاہا کہ وہ اس کو گلے سے لگا لے۔ لیکن اس کے ہاتھ جیسے برف کے بنے ہوئے تھے۔ فوزیہ مڑ کر اس بستر کی طرف دیکھنے لگی جس پر سے وہ ابھی اٹھ کر آئی تھی۔ کہنے لگی۔

"یہاں ایک ہی بستر ہے ———"

اور اسے پھر ہنسی آگئی ———

"ہاں، ایک ہی بستر ہے اور یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ اب ہم کو ایک ہی بستر کی ضرورت ہے ———"

"آپ کو نیند آجائے گی"

"کوشش کروں گا"

"لیکن مجھے تو بالکل نیند نہیں آئے گی"

"تم بھی کوشش کرنا"

"تو چلیے ——— سو رہیں ———"

اور وہ اپنے بستر کے پاس آکر رک گئی اور ادھر ادھر گھوم کر دیکھتے ہوئے بولی۔

"کیا میرا سامان آگیا ہے"

"ہاں"

"میرا سوٹ کیس کہاں ہے؟"

"دوسرے کمرے میں ہو گا"

"پھر میں سوؤں گی کیسے ——— میرے کپڑے تو اس سوٹ کیس میں ہیں"

"انہی کپڑوں میں سو جاؤ"

"یہ بہت بھاری ہیں ——"

اور واقعی کپڑے بہت بھاری تھے۔ ایک طرح سے تو وہ ان کپڑوں کے بوجھ میں دبی جا رہی تھی۔ ہنس کر کہنے لگی۔

"مجھے یہ نہیں معلوم تھا"

"کیا"

"کہ شادی کے بعد اتنے بھاری کپڑے پہن کر سونا پڑے گا"

"میں اپنے کپڑے نکال دوں —— کرتا پاجامہ پہن لو ——"

"دے دیجئے"

اس نے الماری سے ایک کرتا اور ایک پاجامہ نکال کر دے دیا۔ کہنے لگی۔

"اب آپ باہر چلے جایئے ——"

وہ باہر تو نہیں گیا —— بالکونی میں چلا آیا —— تھوڑی دیر کے بعد جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ کپڑے بدل چکی ہو گی تو اندر آ گیا۔ وہ بستر پر بیٹھی تھی۔ کہنے لگی

"بیٹھ جایئے ——"

وہ بیٹھ گیا

"اب تو ہماری شادی ہو گئی ہے"

"ہاں ——"

"اب تو ہم آئندہ کی زندگی کے متعلق کھل کر بات کر سکتے ہیں ——"

"کہو، کیا کہنا چاہتی ہو ——"

"آپ کو نیند تو نہیں آرہی ہے"

"آ تو رہی ہے"

"تو دن میں سو جائیے گا"

"کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں؟"

"غیر ضروری باتوں کے بیلے میں آپ کی نیند نہیں برباد کروں گی"

وہ مسہری کے سرہانے سے پشت لگا کر بیٹھ گیا اور سگرٹ سلگا کر پینے لگا۔

"ایک سگرٹ مجھے بھی دے دیجئے ـــــ"

"تم پیتی ہو ـــــ"

"کیپسٹن کی بہت تیز ہوتی ہے۔ لیکن خیر۔ لایئے ـــــ"

سگرٹ سلگا کر کہنے لگی

"ہماری باتیں کوئی اور تو نہیں سن رہا ہے"

"نہیں، سب سو رہے ہیں ـــــ"

"یہ سب مہمان کتنے دن رہیں گے"

"کل یا پرسوں تک سب چلے جائیں گے، خالہ جان شاید ایک آدھ ہفتہ ٹھہریں"

اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ ڈیڑھ بجا تھا ۔ اس نے فوزیہ کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ یہ ہاتھ بھی اسی کے ہاتھوں کی طرح ٹھنڈا تھا ـــــ وہ کچھ دیر تک اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر کہنے لگی

"اچھا، اب سو جائیے ـــــ آپ کو نیند آرہی ہے۔"

"نہیں، تم باتیں کرو ـــــ"

"کل کر لوں گی"

"ابھی چاہو تو میری نیند کی پروا کئے بغیر باتیں کر سکتی ہو ——"

"نہیں، آپ کہیں کلا گئے تھوڑی جا رہے ہیں ——"

پرویز کو اس کی ان باتوں پر ہنسی آ رہی تھی —— یا تو وہ بہت معصوم تھی یا اس نے اپنی طبیعت کو ایسا بنا لیا تھا۔ اسے مشکل سے یقین آ رہا تھا کہ وہ اس کی بیوی بن چکی ہے۔ وہ اس کے خوبصورت بالوں کو چھو سکتا ہے، ان کی لمبی لمبی پلکوں کو بغیر کسی ندامت کے دیکھ سکتا ہے۔ وہ اس کے کرتے میں کچھ اور پیاری ہو گئی تھی —— وہ اپنا تکیہ ٹھیک کرنے لگا۔ پھر دونوں کہنیوں پر سر رکھ کر لیٹ گیا اور یہ دیکھنے لگا کہ اب وہ کیا کرتی ہے۔

سگرٹ جلتے جلتے بہت چھوٹی ہو گئی تھی۔ فوزیہ نے مشکل سے دو تین کش لگائے تھے۔ باقی سگرٹ یونہی جلتے جلتے ختم ہو گئی تھی۔ اس نے نظریں دوڑا کر ایش ٹرے کو ڈھونڈھنے کی کوشش کی۔ پھر جلتی ہوئی سگرٹ پرویز کے ہاتھ میں دے کر بستر پر اُدھر کھسک کر لیٹ گئی۔

"روشنی نہیں بجھاؤ گی؟"

"مجھے اندھیرے میں نیند نہیں آتی"

"تو کیا ساری رات جلائے رکھو گی؟"

"یہ تیز ضرور ہے۔ مگر اندھیرا ہونے سے تو یہ تیز روشنی اچھی ہے —— کیا آپ کو روشنی میں نیند نہیں آتی"

"نہیں، نہیں، میں سو جاؤں گا"

تھوڑی دیر اور گذر گئی۔ وہ لیٹے لیٹے چھت کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ فوزیہ اس کے قریب بھی تھی اور اس سے دور بھی تھی۔ خاموشی جب ناقابلِ برداشت ہو گئی۔ تو کہنے لگا

"کیا سو گئیں ——؟"

"نہیں تو ——"

"نیند نہیں آ رہی ہے ——؟"

"یہ نئی جگہ ہے نا ——"

"تو کچھ باتیں ہی کرو ——"

"مجھے اپنی سہیلیوں کی دعوت کرنا ہے"

"تو کل بلا لو ——"

"یہاں نہیں"

"تو پھر کہاں بلاؤ گی؟"

"کسی ہوٹل میں ——"

"جب یہاں انتظام ہو سکتا ہے تو ——"

"نہیں —— یہاں نہیں ہو سکتا ——"

"کیا کھلانا چاہتی ہو جو گھر پر انتظام نہیں ہو سکتا ——"

"گھر پر دعوتیں دیتے اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ کسی کلب یا ہوٹل میں بلائیں گے۔ خود بھی مہمان کی حیثیت سے جائیں گے اس میں زیادہ لطف آئے گا ——"

اور پرویز کو یاد آ گیا کہ اب تک فوزیہ کے لیے روپیہ پیسہ کی تو کوئی کمی ہی نہیں تھی۔ اگر وہ یہ سوچتی ہے تو ٹھیک ہی سوچتی ہے۔ اب جب گنے چنے

روپے ملیں گے تو ان کی عادی ہو جائے گی۔"

"تو کب دعوت دو گی؟"

"کہیے تو ابھی ہر ایک کو خط لکھ دوں"

"اگر زیادہ ہوں تو کارڈ چھپوا لینا"

"نہیں، ہاتھ ہی سے لکھوں گی"

اور وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی ——— پرویز کو یہ سب کچھ کھیل معلوم ہو رہا تھا۔ وہ بھی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور لیٹر پیڈ اور قلم اٹھا لایا ——— فوزیہ میز پر جا بیٹھی۔ اور وہ کھڑا کھڑا ایک آدھ خط پڑھتا رہا۔ پھر آ کر لیٹ رہا۔ فوزیہ اطمینان سے بیٹھی لکھتی رہی۔ جیسے یہ رات اور راتوں سے مختلف نہیں تھی۔ اس کی شادی ہی تو ہوئی تھی۔ کوئی قیامت تو نہیں آئی تھی۔ پرویز کی آنکھوں میں بھی نیند نہیں تھی۔ لیکن اب اس کا لیٹے رہنے کو جی چاہ رہا تھا۔ چنانچہ وہ لیٹا رہا اور فوزیہ کو دیکھتا رہا۔

جب گھڑی نے تین بجائے تو فوزیہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ اور اپنے لکھے ہوئے خطوط کو ایک کتاب میں دبا کر پہلے تو دس پندرہ منٹ بالکونی میں کھڑی رہی۔ پھر آ کر لیٹ گئی ——— اور لیٹتے ہی سو گئی

پرویز نے اسے چادر اڑھائی ——— جس سے وہ تھوڑی دیر تک کسمسائی۔ آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا، مسکرائی اور پھر آنکھیں بند کر کے سو گئی اور تھوڑی دیر میں خود بھی سو گیا۔

اور پرویز کو یقین نہیں آیا کہ وہ جاگ رہا ہے۔

یقیناً یہ سب خواب کی باتیں تھیں۔ جب اس کی آنکھ کھلے گی تو ———

اور وہ آنکھیں بھینچ کر لیٹا رہا۔

علی الصباح پرویز کی آنکھ تو کھل گئی۔ فوزیہ سوتی رہی
ابھی اچھی طرح روشنی نہیں ہوئی تھی۔ دوسرے کمرے سے اس کی امی کی آواز آرہی تھی جو وضو کر رہی تھیں اور کسی کو جگا رہی تھیں۔ وہ کچھ دیر تک لیٹا رہا اور فوزیہ کو دیکھتا رہا۔ وہ اسے چھوتے ہوئے ڈر رہا تھا جیسے وہ شیشہ کی بنی ہوئی تھی۔ وہ چھوئے گا تو وہ ٹوٹ جائے گی ——
یونہی دیکھتا رہا۔ فوزیہ کے ہونٹوں پر بڑی پیاری سی مسکراہٹ تھی۔ وہ اس کے ماتھے سے بالوں کو پھونک کر ہٹانے لگا —— فوزیہ نے آنکھیں کھول دیں۔ کچھ لمحوں تک اس کی طرف مسکراتی نظروں سے دیکھتی رہی۔ پھر کہنے لگی۔

"کیا صبح ہوگئی؟"

"ہاں، اب اٹھو ——"

"مجھے تو ابھی نیند آرہی ہے —— آپ بھی سو جائیے ——"

"امی جاگ گئی ہیں ——"

"نہیں، وہ بھی سو رہی ہوں گی"

"ان کی آواز آرہی ہے ——"

وہ کچھ لمحوں تک اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر کہنے لگی

"ارے، آپ تو اپنی امی کے متعلق کہہ رہے ہیں ——"

"جاگو تو، تم اپنے گھر میں نہیں ہو، یہاں ہو ــــــ اپنے نئے گھر میں ــــــ"

لیکن فوزیہ نے کروٹ لی اور ادھر منہ کر کے دوبارہ سو گئی۔ پرویز اپنی جگہ سے اٹھا۔ بالکونی میں آیا۔ ہوا میں خنکی تھی۔ دو چار منٹ کھڑا رہا۔ پھر غسل خانے چلا گیا۔ منہ دھو کر جب وہ نکل رہا تھا تو اس کی امی نظریں اس پر پڑیں

"کیا دلھن بھی جاگ گئی ہیں ــــــ"

وہ گردن سے انکار کرتا ہوا دوبارہ اپنے کمرے میں آ گیا۔ پہلے تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔ پھر کپڑے بدل کر باہر آ گیا اور جمشید روڈ کے آخری سرے تک چہل قدمی کرتا ہوا چلا گیا۔ وہاں سے کوئی ایک گھنٹے میں لوٹا۔ توقع تھی کہ فوزیہ جاگ گئی ہو گی لیکن وہ ابھی تک سو رہی تھی اور ماہتاب اور لطیفہ پاس ہی بیٹھی تھیں۔ وہ اسے دیکھ کر ہنسنے لگیں۔ ماہتاب فوزیہ کو گدگدانے لگی۔ جس نے دو ایک کروٹیں لیں اور چادر لپیٹ کر دوبارہ سو گئی۔

لطیفہ نے کہا

"بھئی، میں تو چائے پیتے لیتی ہوں، بھابھی جانے کب جاگیں گی"

ماہتاب نے پرویز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

"اور آپ نے اسے پہنایا کیا ہے ــــــ"

وہ خاموش ہی رہا۔ لطیفہ کی آنکھوں میں جو شرارت تھی وہ ماہتاب کی آنکھوں میں نہیں تھی ــــــ اس کی آنکھیں ٹھہری ہوئی تھیں جیسے گہری جھیل کا ٹھہرا ہوا پانی۔ کہنے لگی۔

"چلو، ہم دونوں ناشتہ کر لیں۔ پرویز بھائی تو فوزیہ کے ساتھ ہی ناشتہ کریں گے مجھے جانا بھی تو ہے ـــــ"

اس کا دل چاہا کہ وہ ماہتاب سے کچھ پوچھے کہ وہ صبح ہی صبح کیوں جانا چاہتی ہے۔ لیکن جیسے ماہتاب نے منع کر دیا تھا۔ وہ دوسرے کمرے میں اپنی امی کے پاس چلا گیا۔ جو خالہ جان کے ساتھ بیٹھی ہوئی ناشتہ کر رہی تھیں۔

"دلھن اٹھیں"

"ابھی تو نہیں ـــــ"

"تم ناشتہ کر لو ـــــ"

"لائیے ـــــ"

اور وہ ناشتہ کرنے کی خاطر نہیں، اپنی امی کا ساتھ دینے کے لیے بیٹھ گیا۔ ماہتاب اور لطیفہ بھی آ گئیں۔ لطیفہ نے کہا

"ارے، آپ تو اکیلے اکیلے ہی ناشتہ کیے لے رہے ہیں۔"

ماہتاب نے کہا

"بھابی کے ساتھ دوبارہ کر لیں گے"

خالہ جان نے ہنس کر کہا

"معلوم ہوتا ہے تم نے اسے سونے نہیں دیا ـــــ"

وہ مسکرا کر رہ گیا۔ کیونکہ خالہ جان کو اپنے سوال کے فوراً ہی بعد یہ احساس ہو گیا تھا کہ انھیں ان لڑکیوں کے سامنے یہ جملہ نہیں کہنا چاہیئے تھا۔

ناشتہ کے بعد ماہتاب نے اس کی امی سے کہا

"اچھا، اب میں جاتی ہوں ـــــ"

"اپنی آپا کے پاس؟"

"نہیں، پہلے تو گھر جاؤں گی، شام کو ہسپتال جاؤں گی——"

وہ باہر نکلنے سے پہلے ایک مرتبہ فوزیہ کے کمرے میں اور ہو آئی اور واپس آکر خاموشی سے مسکراتی رہی۔ جب وہ باہر نکلنے لگی تو پرویز کی امی نے کہا۔

"پرویز تم رکشے پر بٹھا آؤ——"

"نہیں خالہ جان —— کیا ضرورت ہے ——"

"کہیں وہ نہ مل جائیں"

انھوں نے حمید کا نام نہیں لیا——

پرویز سگرٹ سلگاتا ہوا ماہتاب کے ساتھ نیچے اترنے لگا۔ زینہ پر ماہتاب نے کہا۔

"فوزیہ سے کہہ دیجئے گا، میں آٹھ دس دن کے بعد آؤں گی"

اس کا پھر دل چاہا کہ کچھ اور کہہ دے۔ لیکن پہلے کی طرح اس کی زبان پر تالے پڑے رہے۔

نیچے اتر کر اس نے رکشا والے کو بلایا۔ جب وہ رکشا پر بیٹھ گئی تو کہنے لگا

"میں ہسپتال آؤں گا"

اس نے یہ نہیں کہا کہ وہ اس کی آپا کو دیکھنے آئے گا۔ یہ بھی نہیں کہا کہ وہ اسی سے ملنے آئے گا۔

ماہتاب نے کہا

"اب آپ کو فرصت مل چکی!"

اور رکشا والے نے رکشا چلا دیا ——— پرویز بہت دیر تک اس کے رکشا کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا ——— پھر وہ ڈبیہ سگریٹ خرید کر اوپر جانے لگا۔ زینہ پر حمید سے ملاقات ہو گئی ——— وہ اس وقت بڑے اچھے موڈ میں تھا۔ کہنے لگا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں شادی میں شرکت نہ کر سکا"

"کارڈ تو آپ کو مل گیا تھا!"

"ہاں، کارڈ تو مل گیا تھا ——— بہر حال مبارک ہو ———"

"شکریہ ———"

اور وہ جلدی سے اوپر چلا گیا ——— اسے تعجب ہو رہا تھا کہ حمید نے اس سے بات ہی کیسے کی، ابھی صدر کے واقعہ کو زیادہ دن نہیں ہوئے تھے ——— سوچتا رہا کہ کیا اسے ماہتاب کے آنے اور یہاں رہنے کی اطلاع تھی۔

کمرے میں پہنچا تو فوزیہ کو سوتے ہوئے ہی پایا۔

لطیفہ بار بار آتی تھی اور دیکھ کر چلی جاتی تھی۔ وہ بیٹھا ہوا فوزیہ کے لکھے ہوئے خطوط کو پڑھتا رہا۔ اسے یہ تو معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ اس کی شادی کا دوسرا دن ہے۔ جو لڑکی اس کے بستر پر سو رہی ہے۔ وہ اس کی بیوی ہے۔ جیسے سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں سلب ہو گئی تھیں۔ اب کی جب لطیفہ آئی تو کہنے لگا

"تم جگا دو ———"

"آپ جگا دیجئے ———"

"نہیں ———"

لطیفہ ہنس کر فوزیہ کے شانے آہستہ آہستہ ہلانے لگی۔ اس نے منہ پر سے چادر ہٹائی۔ گردن اٹھا کر پرویز کی طرف دیکھا اور جلدی سے بیٹھ گئی —— اور لطیفہ نے کہا

"بھابی! میں نہ جگاتی لیکن بھائی جان نے کہا کہ جگا دوں ——"

فوزیہ اس کی باتیں نہیں سن رہی تھی۔ اپنے کپڑوں کو دیکھ رہی تھی۔ وہ گردن میں ایک ہلکی سی جنبش دے کر اٹھ بیٹھی۔ پھر جیسے اسے یاد آ گیا کہ اس کی شادی ہو گئی ہے۔ پرویز نے اس کی آنکھوں میں ایک گھبراہٹ دیکھی۔ وہ اسی خیال سے دوسرے کمرے میں چلا گیا کہ وہ غسل خانہ جائے گی لطیفہ اسے کپڑے پہنائے گی۔ شاید اس کی موجودگی میں وہ آزادی محسوس نہ کر سکے۔

تھوڑی دیر کے بعد جب لطیفہ اسے بلانے آئی اور وہ گیا تو فوزیہ سراپا قیامت بنی ہوئی تھی —— لطیفہ نے اسے ایک گہرے نیلے بورڈر والی ساری پہنا دی تھی۔ نیلا بلاؤز تھا۔ گلے میں ایک سونے کی زنجیر تھی۔ اسے اپنے اس خیال پر ہنسی آ گئی کہ کاش وہ اس کی بیوی ہوتی ——

لطیفہ ناشتہ لینے گئی ہوئی تھی۔ دو تین بچے موجود تھے۔ فوزیہ نے پوچھا

"کیوں ہنس رہے ہیں ——"

"مجھے یقین نہیں آتا کہ ہماری شادی ہو گئی ہے ——"

"یقین نہ آنے کی کیا بات ہے"

"اور جانتی ہو۔ میں کیا سوچ رہا تھا اور کیوں ہنس رہا تھا"

"بھلا کیوں ہنس رہے تھے"

"تم کو دیکھتے ہی میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کاش تم میری بیوی ہوتیں ــــــ"

وہ مسکراتی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ پھر کچھ کہنے جا رہی تھی کہ لطیفہ ناشتے کا سامان لے آئی ــــــ اور اس نے درمیانی دروازہ بند کر دیا۔ کہنے لگی

"آپ اطمینان سے ناشتہ کیجئے۔ یہاں کوئی نہیں آئے گا"

"مجھے ایک پیالی چائے دے دو"

"اور کچھ نہیں ــــــ"

"نہیں ــــــ میں صبح کچھ اور نہیں کھاتی"

لطیفہ نے تین پیالیاں چائے کی بنائیں۔ فوزیہ چائے پیتی رہی۔ لطیفہ کے زور دینے پر ایک بسکٹ میں جیلی لگا کر کھانے لگی۔ پھر جب لطیفہ برتن رکھنے گئی۔ تو کہنے لگی

"یہ لڑکی آپ کی کون ہے"

"میری خالہ زاد بہن ہے"

"ابھی شادی نہیں ہوئی؟"

"نہیں ــــــ"

"آپ کو بہت چاہتی ہے"

"کون بہن اپنے بھائی کو نہیں چاہتی ــــــ"

"وہ مجھے بھی چاہے گی؟"

"کیوں نہیں ــــــ"

وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر کہنے لگی

"اب ــــــ"

"اب کیا؟"

"میری مراد ہے کہ اب کیا کرنا ہوگا"

"اب تمہارے یہاں سے کوئی تم کو لینے آتا ہوگا"

"کیوں؟"

"یہی رسم ہے"

"آپ بھی چلیے گا؟"

"شاید دولھا نہیں جاتا"

"لیکن آپ چلیے گا"

"چلوں گا ــــــ"

پھر جتنی دیر تک اس کے گھر سے کوئی لینے نہیں آگیا وہ عورتوں میں گھری بیٹھی رہی۔ فلیٹوں میں رہنے والی ساری عورتیں اسے دیکھنے آئی تھیں۔ بچے بھی تھے۔ پرویز دوسرے کمرے میں رہا اور سوچتا رہا کہ فوزیہ ان عورتوں میں گھری ہوئی کیا سوچ رہی ہوگی۔ گیارہ بجے کے قریب فوزیہ کے ماموں زاد بھائی، دو بہنیں لینے آئیں۔ تھوڑی دیر یہ لوگ رہے۔ اس کے بعد فوزیہ ان کے ساتھ موٹر میں جا بیٹھی اور چونکہ اسے موٹر میں بٹھانے لطیفہ اور ابا جان اور دوسرے لوگ موجود تھے اس لیے وہ پرویز کو ساتھ چلنے پر مجبور نہ کر سکی ــــــ اور چلی گئی۔

پرویز سہ پہر تک گھر کے باہر ہی رہا ــــــ پھر جب گھر آیا تو لطیفہ اس کا انتظار کر رہی تھی۔ کہنے لگی۔

"آپ کہاں گئے ہوئے تھے۔ تین چار مرتبہ آدمی آچکا ہے۔ آپ کو

بلایا ہے ——"

"تھوڑی دیر کے بعد چلوں گا"

"بس، جلدی سے نہا دھو کر تیار ہو جائیے۔"

"ایک گھنٹہ کے بعد ——"

اور وہ آدھے گھنٹے تک لیٹا رہا۔ پھر نہا کر کپڑے پہنے۔ ساڑھے پانچ بجے لطیفہ کو ساتھ لے کر فوزیہ کے گھر گیا۔ وہاں تو مہمانوں کا ٹھکانا ہی نہیں تھا۔ کوئی دو گھنٹے کے بعد فوزیہ کی صورت دیکھنے کو ملی۔ وہ بھی اس وقت جب کھانا ہو گیا اور فوزیہ کی ماں نے کہا

"تم تھوڑی دیر آرام کر لو بیٹے —— ان لوگوں نے تم کو بہت پریشان کر دیا ——"

اور اسے فوزیہ کے کمرے میں پہنچا دیا۔ فوزیہ اس وقت وہاں موجود نہیں تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد آ گئی —— اتنی دیر میں وہ اس کی چیزوں ہی کو دیکھتا رہا۔ جو بڑے سلیقے سے سجی ہوئی تھیں۔ فوزیہ اپنی دو تین سہیلیوں اور لطیفہ کے ساتھ آئی —— سب سے اس نے تعارف کرایا۔ پھر پوچھنے لگی

"آپ دن بھر کہاں غائب رہے۔ میں انتظار کرتی رہی"

"مجھے کچھ ضروری کام تھے"

"اگر چار بجے تک بھی آجاتے تو ناظم آباد چلتے ——"

پھر کہنے لگی

"چلیے —— کلفٹن چل رہے ہیں ——"

لطیفہ بولی

"ہاں، کلفٹن چلیے ——— چاندنی رات ہے۔ بڑا لطف رہے گا"
ایک لڑکی بولی
"تمھاری امی جانے دیں گی"
"انھوں نے آج تک تو نہیں روکا ———"
"اب روکیں گی"
"کیوں ———"
"اب تمھاری شادی ہو گئی ہے ———"
وہ اپنی ناک اچکا کر ہنسنے لگی۔

کلفٹن جانے کی خبر اور لڑکیوں تک پھیل گئی ——— اور سب کی سب تیار ہو گئیں۔ پرویز کیا کہتا۔ جس موٹر میں اسے بٹھایا گیا۔ وہ بیٹھ گیا۔ اسی میں لطیفہ بھی ایک لڑکی کے ساتھ بیٹھ گئی اور فوزیہ اس کے ساتھ آگے بیٹھ کر موٹر چلانے لگی ——— دوسری موٹروں پر دوسری لڑکیاں تھیں۔

وہاں چاندنی مزا دے گی۔

سب لڑکیاں ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ساحل کے کنارے ٹہلتی رہیں۔ پرویز پر چاندنی کا کچھ زیادہ ہی اثر تھا ——— سمندر کی روپہلی لہریں جب بالکل اس کے پیروں کو چھو لیتی تھیں تو وہ فوزیہ کی طرف دیکھنے لگتا تھا جو اس کا ہاتھ تھامے ہوئے تھی۔ یہاں ان لوگوں کی طرح کتنے ہی لوگ تفریح کرنے آئے ہوئے تھے۔ اور الگ الگ ٹولیوں میں گھوم رہے تھے ——— کچھ منچلے گھٹنوں گھٹنوں تک پانی میں کھڑے تھے ——— کچھ اونٹ کی سواری کر رہے تھے۔ پھر ایک لڑکی مونگ پھلی خرید لائی اور اس وقت مونگ پھلی لطف دے گئی ——— ہر ایک کے ہاتھ میں ایک

ایک پڑیا تھی۔ اور ہلکے ہلکے باتیں ہو رہی تھیں۔ پھر سب کی سب ان دونوں کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ گئیں۔ اور کھل کھلا کر ہنسنے لگیں۔ کچھ فاصلہ پر ایک اور منچلا نوجوان بانسری بجا رہا تھا اور اس کے گرد بیس پچیس آدمیوں کا مجمع تھا۔ کہیں اور دور پر کوئی سندھی ستار بجا رہا تھا۔ وہ ہنسی قہقہوں، بانسری کی تانوں اور ستار کے نغموں میں ایسا کھویا کہ یہ بھول ہی گیا کہ اس کے ساتھ اور بھی لڑکیاں ہیں

فوزیہ نے اسے چپکے سے کہا

"آیئے۔ ہم لوگ آگے چلیں"

اور وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھ بیٹھی ——— اور لڑکیاں ہنس کر اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگیں۔ لیکن پھر بھی وہ دونوں سب کے آگے تھے پھر لطیفہ کے کہنے سے یا کسی اور لڑکی کے کہنے سے وہ سب تو بہت پیچھے رہ گئیں۔ پرویز اور فوزیہ آگے بڑھتے رہے۔ پھر فوزیہ نے کہا

"اگر ہم یونہی کنارے کنارے چلتے رہیں تو کہاں تک پہنچ جائیں گے"

پرویز نے مسکرا کر کہا

"آؤ۔ بیٹھ جائیں ———"

اور وہ بیٹھ گئی ——— پرویز پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا۔ فوزیہ بولی

"چلیے ——— یہاں سے چپکے سے چلے چلیں ———"

"کہاں"

"گھر"

"میرے گھر"

"نہیں - اپنے گھر ــــــ"

پرویز کو یہ سب کچھ کھیل معلوم ہو رہا تھا - وہ اُٹھا ــــــ فوزیہ بھی چلنے لگی لیکن اور لڑکیوں کی نظر سے بچ کر جانا ممکن نہ ہوا ــــــ سب کی سب کاروں پر گھر واپس آ گئیں - اس وقت بارہ بجے تھے - اور پھر وہ دونوں اکیلے رہ گئے ــــــ دوسرے کمروں سے لڑکیوں کے ہنسنے کی آوازیں آتی رہیں - پھر یہ آوازیں بھی بند ہو گئیں - فوزیہ اپنے کپڑے بدل کر اس کے پاس کرسی پر آ بیٹھی تھی -

"کیا سوچ رہے ہیں؟"

"تم کیا سچ مچ میری بن چکی ہو"

اور وہ مسکرا کر اس کے شانوں سے سر لگا کر بیٹھ گئی

"اب تو آپ کو یقین آیا"

"نہیں ــــــ"

اور وہ ایک دم سے شرما گئی - اور آنکھیں بند کر کے کہنے لگی -

"مجھے نیند آ رہی ہے"

"تو سو جاؤ ــــــ"

"آپ تھک جائیں گے"

"تم سو تو جاؤ ــــــ"

پھر وہی خواب کی دنیا - خواب کی باتیں ــــــ پرویز سوچنے لگا کہ ابھی اس کی آنکھ کھل جائے گی - لیکن تھوڑی دیر کے بعد جب اسے یہ محسوس ہوا کہ وہ خاموش بیٹھا ہے اور کہیں سے کسی کی باتیں کرنے کی آواز نہیں

آرہی ہے تو اس نے چپکے سے کہا

"کیا سو گئیں ——"

"نہیں تو ——"

"کیا سوچ رہی ہو ——"

"آپ کتنے اچھے ہیں —— میں آپ پر جتنا بھی فخر کروں، کم ہے ——"

"اور کیا سوچ رہی ہو ——"

"کچھ دنوں میں جب ہمارا گھر ہو جائے گا اور ہم اپنی مرضی سے سو سکیں گے اور اپنی مرضی سے جاگ سکیں گے تو زندگی کیسے آرام سے گذرے گی ——"

"کچھ اور ——"

"پاپا نے پچھلے سال پچاس ہزار روپے میرے نام سے ایک بزنس میں لگائے تھے۔ آج صبح ہی کہہ رہے تھے کہ اب وہ ستر ہزار ہو چکے ہیں ——"

"اتنا روپیہ کیا کرو گی"

"یہ روپیہ میں آپ کو دے دوں گی"

"میں کیا کروں گا"

اور فوزیہ بڑی حیرانی سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر کہنے لگی۔

"کیا بھول گئے۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ میں آپ کی ملازمت کو پسند نہیں کرتی۔ تجارت کیجئے"

"میں کالج کی ملازمت کو پسند کرتا ہوں"

"تو ایک کالج کھول لیجئے گا۔ خود اس کے پرنسپل بن جایئے گا۔ یہاں جن لوگوں نے بچوں تک کے اسکول کھولے ہیں۔ وہ لاکھوں کما چکے ہیں —— بہرحال کچھ کیجئے۔ ملازمت نہ کیجئے ——"

وہ یہ باتیں اس طرح کر رہا تھا جیسے ان سے اس کی زندگی کا تعلق نہیں تھا۔ لیکن پھر اسے ایک عجیب طرح کا احساس ہونے لگا۔ فوزیہ اپنی انگلیوں سے اس کی گردن کو چھو رہی تھی۔ اس سے گدگدی بھی ہو رہی تھی اور ایک بے چینی بھی۔ فوزیہ کے بالوں کی بھینی بھینی خوشبو اسے بار بار اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی۔ اس کا چہرہ کتنا قریب تھا۔ اس کی آنکھیں کتنی اچھی تھیں۔ اس کے ہونٹ کتنے سُرخ تھے۔ بائیں گال پر اب بھی وہی تل تھا۔

وہ دوبارہ آنکھیں بند کیے اس کے شانوں سے لگی بیٹھی تھی۔

"آپ کیا سوچ رہے ہیں"

"میں ——؟"

"کیا آپ یہ سوچ رہے ہیں کہ ہماری شادی کی دوسری رات ہے"

یہ ہماری شادی کی دوسری رات ہے —— یہ ہماری شادی کی دوسری رات ہے —— یہ ہماری شادی کی دوسری رات ہے۔

یہ الفاظ اس کے اندر ہی اندر گونجنے لگے —— اور اس نے اپنی ہی آواز کو کہتے ہوئے سنا

"نہیں ——"

"پھر کیا سوچ رہے ہیں"

اور فوزیہ کی آواز پھر گونجتی ہوئی معلوم ہوئی۔ وہ سوچنے لگا شاید یہ

ان بالوں کی بھینی بھینی خوشبو کا اثر ہے۔ ان آنکھوں کا جادو ہے، ان ہونٹوں کی کشش ہے۔

اور فوزیہ آہستہ آہستہ ہنسنے لگی۔

یہ ہنسی اسے خوابوں سے چونکا رہی تھی۔ اسے اس حقیقی دنیا میں کھینچ لانا چاہتی تھی۔ جہاں سے وہ بھاگ کر آیا تھا۔

پھر فوزیہ کی آہستہ آہستہ سانس لینے کی آواز آنے لگی۔

"کیا سو گئیں"

"وہ سو ہی گئی تھی۔

کوئی دو گھنٹہ تک وہ یونہی بیٹھا رہا۔ پھر فوزیہ نے آنکھیں کھولیں۔ ہنسی اور اس کی ناک کو چھوتی ہوئی اپنے بستر پر لیٹ رہی۔ پرویز بہت دیر تک بیٹھا رہا۔ سگرٹ پیتا رہا۔ مڑمڑ کر اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اکیلے بیٹھے بیٹھے اکتا کر وہ بھی لیٹ گیا۔ اور سو رہا۔

صبح پرویز کی تو آنکھ کھل گئی۔ فوزیہ حسبِ عادت سوتی رہی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کرے کیا نہ کرے۔ یہ نیا گھر تھا اُسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ غسل خانہ کہاں ہے۔ لیکن اسے زیادہ دیر اس دشواری میں مبتلا نہیں رہنا پڑا ـــــــ دوسرے کمرے سے لطیفہ کی آواز آ رہی تھی۔ اس نے دروازہ کھولا۔ اور پھر اسے غسل خانہ بھی معلوم ہو گیا۔ تھا

دھو کر جب وہ نکلا تو ناشتہ پر سب لوگ اس کا انتظار کر رہے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا جب وہ اپنے خسر کے پاس جا کر بیٹھا۔

وہ دیکھنے ہی سے بڑے ذہین معلوم ہوتے تھے۔ کہنے لگے

"فوزیہ کی دیر تک سونے کی عادت تم ہی چھڑا سکتے ہو ——"

وہ مسکرا کر خاموش رہا

چائے کا ایک گھونٹ پیتے ہوئے کہنے لگے

"تم نے سوچا کہ کون سا کاروبار کرو گے ؟"

"جی، ابھی تو کچھ فیصلہ نہیں کیا ہے ——"

"میں نے فوزیہ سے کہا تھا کہ وہ اپنا روپیہ میرے ہی کاروبار میں لگائے رکھے لیکن نہ معلوم وہ کیا چاہتی ہے۔ وہ ہمیشہ سے کچھ عجیب باتیں کرتی ہے —— تم جب تک اسے اچھی طرح سمجھ نہیں لوگے۔ تمھیں اس کی بہت سی باتیں غیر معمولی معلوم ہوں گی ——"

فوزیہ کی ماں نے کہا

"اب کل رات کی ہی بات لے لو —— کوئی لڑکی بھی اپنی شادی کے دوسرے دن اس طرح گھومنے گئی ہے ——"

وہ ان باتوں کا کیا جواب دیتا ۔ فوزیہ کے پاپا نے کہا

"ہاں، تو میں کاروبار کی باتیں کر رہا تھا —— کوئی اور لڑکی ہوتی تو شاید میں اسے نقد روپیہ نہ دیتا۔ لیکن فوزیہ —— اس کی اور بات ہے۔ بعض اوقات وہ مجھے مشورے دیتی ہے ۔ مجھے یقین ہے کہ وہ روپیہ برباد نہیں ہونے دے گی۔ تم اگر موٹر کے پرزوں کا کاروبار نہ کرنا چاہو تو میرا مشورہ ہے کہ گرم کپڑوں کا کاروبار شروع کرو —— دس پانچ ہزار روپے

خرچ کرنے سے پچاس ہزار کا لائسنس مل جائے گا۔ سال میں بیس پچیس ہزار کما لیا کرو گے ــــــ ایک بات کا خیال رکھنا ــــ جو کاروبار کرو۔ ایسا کرو کہ ہمیشہ بڑے آدمیوں سے تمہارا تعلق رہے ــــــ"

"جی"

"تم کسی کلب کے ممبر ہو ــــــ؟"

"جی نہیں ــــــ"

"تو کلب کے ممبر بن جاؤ ــــــ وہاں تمہارے بڑے بڑے افسروں سے دوستانہ تعلقات ہو جائیں گے۔ اس سے تم کو اپنے کاروبار میں بہت مدد ملے گی ــــــ"

"جی ــــــ"

"فوزیہ نے تم کو بتا دیا ہوگا کہ ناظم آباد میں مکان تیار ہونے والا ہے۔ اسی لیے میں نے جہیز کا بکھیڑا نہیں کیا۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ میں سجا سجایا ہوا مکان اسے دوں گا ــــــ تم وہاں جا کر رہنے لگنا۔ اپنے والدین کو بھی لے جانا۔ اپنا موجودہ فلیٹ دس پندرہ ہزار روپے میں کسی کو دے دینا ــــــ"

وہ گردن ہلاتا رہا ــــــ یہ ایسی باتیں تھیں جن پر اس نے کبھی غور نہیں کیا تھا۔

"اچھا، اب میں تو جا رہا ہوں ــــــ میں نے فوزیہ سے کہا ہے کہ وہ تم کو اپنے ساتھ دوکان لے آئے۔ کاروبار کی باتیں گھر پر اچھی نہیں معلوم ہوتیں ــــــ"

ان کے جانے کے بعد فوزیہ کی ماں نے کہا

"بیٹے ——— تم نے تو کچھ کھایا ہی نہیں ———"

"جی، کھایا تو ہے۔"

"اچھا، جاؤ، اپنے کمرے میں جاؤ۔ فوزیہ کے ساتھ دوبارہ ناشتہ کر لینا ———"

اور وہ معصومیت سے ہر ایک کی طرف دیکھتا ہوا فوزیہ کے کمرے میں آ گیا۔ لطیفہ بھی اس کے ساتھ تھی ——— فوزیہ منہ پر تکیہ رکھے سو رہی تھی۔ لطیفہ کو ہنسی آ گئی ——— اور وہ فوزیہ کے تلووں میں گدگدی کرنے لگی۔ اس نے پہلے ایک پیر سمیٹا، پھر دوسرا پیر بھی سمیٹ کر کروٹ بدلنے لگی۔ پھر ایک دم سے جاگ گئی۔ اٹھ کر بیٹھی تو لطیفہ پر اس کی نظریں پڑیں۔

"اٹھیے بھابی، رات پھر آ رہی ہے۔ دوبارہ سو جائیے گا"

اور فوزیہ ہنسنے لگی

پرویز فوزیہ کے تیار ہونے کی مدت میں بیٹھا اخبار پڑھتا رہا۔ پھر جب وہ تیار ہو گئی اور ناشتہ دوبارہ آ گیا تو فوزیہ نے لطیفہ کو بھی اپنے ساتھ ہی بٹھا لیا۔ لطیفہ نے کہا

"اگر میں آپ کے ساتھ رہوں بھابی تو بڑا آرام ملے ——— صبح اوروں کے ساتھ ناشتہ کروں، اس وقت جب آپ ناشتہ کریں تو میں کھانا کھا لوں ———"

فوزیہ شرما گئی۔ پھر پرویز کی طرف دیکھ کر کہنے لگی

"پاپا نے آپ سے کچھ باتیں کیں"

"ہاں ———"

"انھیں کل سے بڑی فکر ہے کہ آپ کیا کاروبار کریں گے"

وہ چائے کے ایک گھونٹ میں اس سوال کا جواب دینے سے بچ گیا۔ فوزیہ نے دو تین پیالیاں پیں۔ پھر کہنے لگی

"میں نے پاپا سے وعدہ کیا تھا کہ میں آپ کو دوکان پر لاؤں گی"

"وہ مجھ سے بھی کہتے تھے"

"ابھی چلئے گا"

"شام کو عصرانہ ہے۔ مجھے گھر بھی کام ہے"

"ارے ہاں، وہ خط پوسٹ کر دیئے"

"وہ تو وہیں رکھے ہیں ——"

"تو چلیے —— گھر چلیں ——"

اور وہ اپنا بہت سا سامان اکٹھا کرنے لگی۔ پھر نوکر نے جا کر یہ سامان اس کی موٹر میں رکھ دیا۔ اور وہ لطیفہ اور پرویز کے ساتھ نیچے اتری۔

"آپ کو کار ڈرائیو کرنا آتی ہے"

"سیکھ لوں گا"

"میں خود سکھا دوں گی"

اور وہ راستہ بھر اسے مختلف گیرز کے متعلق بتاتی رہی۔

گھر آیا۔ سب سے پہلے اس کی نظر حمید پر پڑی جو نیچے اتر رہا تھا۔ وہ ان تینوں کو دیکھ کر ایک طرف رک گیا۔ اور مسکرا کر پرویز کی طرف دیکھتا رہا۔ پرویز نے گھبراہٹ میں اسے سلام کیا۔ اور ان دونوں کے ساتھ جلدی سے اوپر چلا گیا۔

پانچ بجے عصرانہ تھا۔ اور چونکہ فلیٹ میں اتنی جگہ نہیں تھی اس لیے عصرانہ کا انتظام ایک پارک میں کیا گیا تھا۔ اس کے والد نے قریبی عزیزوں اور اپنے اور پرویز کے دوستوں کو مدعو کیا تھا۔ پھر بھی ساٹھ ستر مرد عورتیں تو تھیں ہی۔ زیادہ تر لوگ دلھن کو دینے کے لیے تحفے لائے تھے۔ فوزیہ لطیفہ اور ماہتاب کے ساتھ رہی۔ پرویز اپنے دوستوں سے ہاتھ ملاتا، ان کی مبارکباد قبول کرتا اور دو دو باتیں کرتا پھرتا رہا۔ بزرگوں کی موجودگی کی وجہ سے دوستوں کے قہقہے دبے دبے ہی رہے۔ پھر بھی اس کے دوست اسے رشک کی نظروں سے دیکھ رہے تھے

پرویز اور فوزیہ کو کئی دوستوں نے کھانے اور چاء پر مدعو بھی کیا۔ پھر جب سب رخصت ہو چکے۔ تو کلب کے گیٹ پر وہ فوزیہ کے ساتھ کھڑا اپنے دوستوں سے ہاتھ ملا رہا تھا۔ عورتیں فوزیہ سے دو ایک جملے کہتی ہوئی جا رہی تھیں کہ پرویز کی نظریں ماہتاب پر پڑیں۔ جو فوزیہ کے کان میں کچھ کہہ رہی تھی۔ اور فوزیہ سے زیادہ خود ہی ہنس رہی تھی۔ پھر وہ نظریں جھکا کر اس کے پاس سے گذرنے لگی۔ اب زیادہ مہمان رہ نہیں گئے تھے۔ جو کچھ تھے اس کے ابا کے دوست تھے جو الگ کھڑے باتیں کر رہے تھے اور فوزیہ لطیفہ سے باتوں میں مصروف تھی اس لیے اسے ماہتاب سے باتیں کرنے کا موقع مل گیا۔

"سنو ماہتاب ——"

ماہتاب رک گئی

"تمھاری آپا کیسی ہیں"

"ان کی حالت اچھی نہیں ہے ——"

"میرا سلام کہہ دینا"

"انھوں نے آپ کو مبارکباد دی ہے ——"

"تو وہ بالکل اچھی ہیں نا"

ماہتاب دھیرے سے ہنس دی۔ اس نے ابھی کہا تھا کہ آپا کی طبیعت اچھی نہیں ہے۔

"تم اب بھی ہسپتال جاتی ہو"

"جی"

"میں کسی دن آؤں گا"

"فوزیہ کے ساتھ ——"

اور وہ مڑ کر فوزیہ کی طرف دیکھنے لگا۔ اور اسے ایک دم یہ خیال پیدا ہو گیا کہ اسے ماہتاب سے باتیں کرنے کا حق نہیں ہے۔ ماہتاب اس کی کبھی نہیں بن سکتی۔

ماہتاب اپنے سوال کا جواب سنے بغیر باہر چلی گئی —— اور وہ اپنے اباجان کے پاس چلا گیا۔ جہاں بزرگوں نے اسے دعائیں دیں۔ اس کے اباجان بھی اس کے مستقبل کی باتیں کرتے رہے —— ایک صاحب نے پرویز سے پوچھا۔

"تو تم اب کالج میں پڑھاؤ گے"

"جی ہاں"

دوسرے صاحب نے کہا

"میں نے سنا ہے اسمٰعیل صاحب نے تم کو اپنے کاروبار میں شریک کر لیا ہے"

"مجھے معلوم نہیں"

ایک اور صاحب نے کہا

"انھوں نے اپنی لڑکی کو جہیز میں ایک مکان بھی تو دیا ہے ——"

پرویز نے کچھ نہیں کہا۔ کیونکہ کہنے والے کا تخاطب اس سے نہیں تھا۔ جس سے مخاطب تھا۔ اس نے کہا

"انھوں نے لاکھوں کمائے بھی تو ہیں ——"

وہ یہ باتیں سننا نہیں چاہتا تھا اس لیے وہاں سے ہٹ آیا اور جہاں فوزیہ اس کی امی لطیفہ کے ساتھ کھڑی تھی۔ وہاں چلا گیا۔

پھر اس کے ابا جان تو وہیں رہ گئے اور وہ ان تینوں کے ساتھ گھر آگیا۔

اس وقت ساڑھے چھ بجے تھے۔ لطیفہ بولی

"بھائی جان —— کل تو ہم لوگ چلے جائیں گے، ایک سنیما تو دکھا دیجئے ——"

فوزیہ نے کہا

"ہاں چلیے ——"

اور وہ اپنی امی سے کہہ کر سنیما چلا گیا۔ وہاں فوزیہ اس کا ہاتھ پکڑے

بیٹھی رہی۔ پرویز پورے تماشہ بھر ماہتاب کے متعلق سوچتا رہا۔ تماشہ ختم ہوا ——— وہ ان دونوں کو لے کر ہوٹل گیا۔ وہاں کھانا کھایا۔ پھر گھر آیا۔

جب سونے کا وقت ہوا اور وہ فوزیہ کے ساتھ اکیلا رہ گیا۔ تو فوزیہ نے کہا

"آپ دن بھر کچھ خاموش رہے"

"میں تین دن سے سویا نہیں ہوں ———"

"تو آیئے۔ میں سلا دوں ———"

اور جب وہ کپڑے بدل کر سونے کے لیے لیٹا تو فوزیہ اس کے بالوں میں آہستہ آہستہ اپنی انگلیوں سے کنگھی کرتی رہی۔ اور چپکے چپکے باتیں کرتی رہی۔ وہ خاموش لیٹا رہا۔ اور پھر سو گیا۔

رات کو نہ معلوم کس وقت اس کی آنکھ کھلی۔ فوزیہ بستر پر نہیں تھی۔ وہ بالکونی میں آرام کرسی پر لیٹی سو رہی تھی۔ کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ وہ آہستہ سے اس کے پاس گیا اور اس کے بال چھونے لگا۔ فوزیہ نے آنکھیں کھول دیں۔

"آپ جاگ کیوں گئے"

"تم یہاں کیوں بیٹھی ہو"

"آپ آرام سے سو رہے تھے ۔ ڈرتی تھی کہ آپ جاگ جائیں گے"

"جاؤ، لیٹو"

"کیا آپ مجھ سے شادی کر کے خوش نہیں ہیں ———"

اور وہ اس کے اس سوال کے لیے تیار نہیں تھا۔ گھبرا گیا۔ لیکن پھر

فوراً ہی اپنی حالت پر قابو پاتے ہوئے کہنے لگا

"تم سے شادی کر کے کون خوش نہیں ہو گا"

"لیکن آپ خوش نہیں ہیں"

"میں اوروں سے زیادہ خوش ہوں ——"

"سچ ——"

"سچ ——"

اور وہ کرسی سے اٹھ کر اس کے گلے لگ گئی —— پرویز کچھ دیر تک یونہی لپٹا رہا۔ پھر آہستہ سے جا کر اسے بستر پر لٹا کر خود سگرٹ سلگا کر بیٹھا رہا۔

"کیا آپ کالج کی ملازمت ہی کرنا چاہتے ہیں ——"

"دل تو یہی چاہتا ہے"

"تو کر لیجئے ——"

"لیکن تم تو ملازمت کی مخالف ہو —— تمہارے پاپا بھی کاروبار پر زور دے رہے ہیں"

"میں ان کو سمجھا دوں گی"

"کاروبار کرتے ہوئے میں ڈرتا بھی ہوں۔ کہیں تمہارا روپیہ برباد نہ ہو جائے"

"آپ کالج کی ملازمت ہی کیجئے"

"تم ناراض ہو کر یہ جملہ کہہ رہی ہو ——"

"میں آپ کی خوشی چاہتی ہوں ——"

اور وہ اس کی انگلیوں کو آہستہ آہستہ دبانے لگی۔ اور سامنے

دیوار کی طرف دیکھتی رہی۔ جیسے وہ کچھ اور سوچ رہی تھی ـــــ پھر کہنے لگی۔

"روپیہ تو کاروبار میں لگا ہی ہوا ہے ـــــ"

"ہاں ـــــ"

"تو بس، آپ ملازمت کیجئے ـــــ"

اور وہ اس کے لہجے سے سمجھ نہیں سکا کہ وہ کتنی روٹھ گئی ہے ـــــ پھر وہ بن کر سو گئی اور پرویز بھی لیٹ گیا

صبح غیر متوقع طور پر فوزیہ پرویز سے پہلے ہی جاگ گئی ـــــ اس وقت صرف پرویز کی امی نماز کے لیے اٹھی تھیں ـــــ وہ غسل خانہ گئی۔ پھر آکر پرویز کو جگانے لگی

"ابھی صبح تو نہیں ہوئی ہے۔"

"صبح ہی تو ہو گئی ہے ـــــ"

"تم کو نیند نہیں آئی کیا ـــــ"

"میں خوب آرام سے سوئی ـــــ"

"پھر تم اتنی جلدی ہی جاگ کیسے گئیں؟"

"اب میں روز اسی وقت اٹھا کروں گی"

"کیوں ـــــ"

"آپ کا کالج صبح کا ہے نا"

"تو کیا واقعی تم چاہتی ہو کہ میں کالج کی ملازمت قبول کرلوں"

"یہی آپ کی خوشی ہے نا"

اور اس نے شادی کے چوتھے دن پہلی مرتبہ اس کی انگلیوں کو اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔ فوزیہ شرما گئی اور وہ ہنستا ہوا غسل خانہ گیا۔ کپڑے پہنے۔ اتنی دیر میں لطیفہ نے ناشتہ تیار کر لیا تھا۔ ان تینوں نے ناشتہ اسی کمرے میں کیا۔ اس کی غیر معمولی خوشی دیکھ کر لطیفہ نے کہا

"آج بہت خوش نظر آ رہے ہیں بھائی جان"

اور اس کی شریر آنکھیں فوزیہ کی طرف دیکھنے لگیں۔ فوزیہ نے کہا

"آج تمھارے بھائی جان کالج کی ملازمت کرنے جا رہے ہیں ——"

"لیکن کل تو کاروبار کی باتیں ہو رہی تھیں ——"

"تمھارے بھائی جان کو ملازمت ہی پسند ہے ——"

"ملازمت میں ملے گا کیا بھائی جان —— تین سو روپے میں گذر کیسے ہو گی؟"

اور وہ سوچنے لگا کہ کیا سب ہی عورتیں ایک ہی طرح سے سوچتی ہیں۔ وہ ہنس کر خاموش ہو رہا۔ پھر وہ کالج جانے لگا۔ فوزیہ بھی تیار ہو گئی —— وہ انکار نہ کر سکا۔

کالج میں فوزیہ سے بہت سی لڑکیاں واقف تھیں۔ وہ تو ان لڑکیوں سے باتیں کرنے لگی۔ پرویز پرنسپل کے پاس گیا۔ تھوڑی دیر میں اُسے تقرری کا کاغذ مل گیا۔ وہ ضروری معلومات حاصل کر کے فوزیہ کے پاس

آیا۔

لڑکیاں اسے بڑے غور سے دیکھ رہی تھیں۔ یہ وہ اندازہ نہیں لگا پایا کہ یہ عجوبہ نظریں فوزیہ کے شوہر کی حیثیت سے اس پر پڑ رہی تھیں یا اسی میں کوئی خاص بات تھی۔

دو لڑکیاں تو فوزیہ کے ساتھ موٹر میں آ بیٹھیں۔ فوزیہ ان کے گھر تک گئی ــــــ جب وہ اترنے لگیں تو پرویز کے بھی پیچھے پڑ گئیں کہ وہ کچھ دیر بیٹھ کر جائیں ــــــ فوزیہ نیچے اتر چکی تھی اس لیے پرویز کو بھی اترنا پڑا ان لڑکیوں نے دونوں کی خوب خاطر مدارات کی۔ اپنے گھر والوں سے ملایا۔ ادھر ادھر کی باتیں رہیں ــــــ پھر فوزیہ نے گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اچھا، اب ہمیں جانا ہے ــــــ"

اور پرویز بھی اٹھ بیٹھا ــــــ راستہ میں پھر فوزیہ ڈرائیونگ کے سبق دیتی رہی پھر بندر روڈ پر اپنے پاپا کی دوکان میں گئی ــــــ اسمٰعیل صاحب نے اپنے یہاں کے تمام لوگوں سے پرویز کا تعارف کرایا۔ پھر جب اپنے چھوٹے سے کمرے میں جا کر بیٹھے تو کہنے لگے

"ہاں، تو تم لوگوں نے کیا سوچا ہے۔ کاہے کا کاروبار کرنا ہے"

"ابھی میرا روپیہ اپنے کاروبار ہی میں لگا رہنے دیجئے"

"کیوں ــــــ"

"انھوں نے کالج کی ملازمت کر لی ہے ــــــ"

"ملازمت کر لی ہے تو کیا ہے، کوئی کاروبار شروع کرو ــــــ جتنا وقت یہ دے سکیں گے، دیں گے، باقی وقت تم دینا"

"میں پھر بتاؤں گی"

"تم ان کو نسیم صاحب کے پاس لے جاؤ۔ کلب کا ممبر بنواؤ —— شام کو وہاں ضرور جایا کرو ——"

"جی ہاں، لے جاؤں گی"

"تمہیں کچھ روپوں کی ضرورت ہو گی"

"اسی لیے تو آئی ہوں"

"کتنے"

"پانچ"

اور اسمٰعیل صاحب نے چیک دے دیا۔ پرویز سوچنے لگا کہ فوزیہ کو پانچ روپے مانگنے کی کیا ضرورت تھی۔ راستہ میں اس نے کہا

"روپے تو تمہارے پاس تھے"

"ایک ہی ہزار تو ہیں ——"

"ان پانچ سے کیا ہو جائے گا"

"میں جو گاڑی خریدنا چاہتی ہوں وہ ساڑھے پانچ سے کم میں نہیں ملے گی"

پرویز تب سمجھا کہ اس نے پانچ روپے نہیں، پانچ ہزار روپے لیے تھے —— دل میں تو اپنی نادانی پر شرمندہ ہوا۔ پھر یہ سوچنے لگا کہ گاڑی تو اس کے پاس ہے

"اور گاڑی کیا کرو گی؟"

"وہ آپ کے استعمال میں رہے گی"

"مجھے کیا ضرورت ہے ——"

"تو کیا کالج بس پر جایئے گا"

"ہاں ——"

"تو سب کیا کہیں گے"

"کون سب ——"

اور وہ مسکرا کر اس کے اس نادانی کے سوال کو پی گئی —— وکٹوریا روڈ پر ایک دوکان میں گئی —— اس کا مالک اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیسے آگئیں بیٹی"

"چاچا، مجھے وہ گاڑی دے دو ——"

"لے جاؤ"

"میں ساڑھے پانچ دوں گی"

"چھ تو تمہارے والد صاحب دے رہے ہیں ——"

"میں تو ساڑھے پانچ ہی دوں گی"

"تمہارے پاس تو ہے ——"

"مجھے اپنے لیے نہیں، ان کے لیے چاہیئے ——"

اور وہ شخص پرویز کی طرف دیکھنے لگا —— جیسے اس سے پہلے وہ موجود ہی نہیں تھا۔

"ارے ہاں، یہ تو میں بھول ہی گیا تھا کہ تمہاری شادی ہو گئی ہے —— اچھا لاؤ، پانچ سو میری طرف سے سہی —— تم نے اپنے والد صاحب سے تو پوچھ لیا ہے ——"

"نہیں، اور ضرورت بھی کیا ہے ——"

"میں پوچھ لیتا ہوں ــــــ"

وہ اسمٰعیل صاحب کو فون کرنے لگا

"یہ فوزیہ بیٹی آئی ہیں، گاڑی مانگ رہی ہیں، دے دوں ــــــ پانچ سو کا گھاٹا ہے اس سودے میں لیکن ــــــ ہاں، اس کا انجن بہت اچھا ہے ــــــ اچھا تو دیے دے رہا ہوں ــــــ"

اور پھر فوزیہ کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے کہنے لگا

"چک لائی ہو ــــــ"

"یہ پانچ لے لو ــــــ گاڑی میں پندرہ دن کے بعد لوں گی، ان پندرہ دنوں میں پرویز صاحب کو ڈرائیونگ سکھا دو۔"

اور وہ ان پانچ ہزار کی رسید لے کر باہر آ گئی۔ کہنے لگی

"بھوک لگی ہو تو آئیے، یہیں کچھ کھا لیں ــــــ"

"گھر چلو ــــــ"

"میں ناظم آباد بھی جانا چاہتی ہوں ــــــ"

"شام کو چلنا ــــــ"

"شام کو کہیں اور چلیں گے ــــــ"

وہ اس کے اشاروں پر ناچتا رہا ــــــ ہوٹل میں دونوں نے کھانا کھایا۔ فوزیہ نے اپنے لیے سگریٹیں لیں۔ اس کو بھی پائپ اور تمبا کو خرید کر دیا اور ناظم آباد کی طرف جانے لگی۔ راستہ میں کہنے لگی

"اب آپ وقت نکال کر ایک گھنٹہ روز ڈرائیونگ سیکھ لیجئے ــــــ موٹر میں ہزار طرح کے آرام ہیں۔ وقت کی بچت ہوتی ہے۔ انسان میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔ عزت ہوتی ہے۔"

"تم اپنی سہیلیوں کی دعوت کب کرو گی"

"اب کی اتوار کو"

"کہاں"

"میں سب انتظام کر لوں گی"

وہ اتنی تیز موٹر چلا رہی تھی کہ پرویز کو ہر سو دو سو گز کے بعد کسی حادثے کا خیال آتا تھا۔ لیکن وہ اسی طرح مسکرا رہی تھی۔ کہنے لگی

"ایک فوٹو بھی کھچوانا ہے —— واپسی میں یاد رکھیئے گا"

"کیوں"

"السٹریٹڈ میں نہیں بھیجئے گا"

"ضرور بھیجنا ——"

"آپ اپنے کچھ کپڑے بھی بنوا لیجئے ——"

"میرے پاس کپڑے تو بہت ہیں ——"

"سب اَنمِل بے جوڑ ہیں —— کپڑوں سے انسان میں اور زیادہ وجاہت پیدا ہو جاتی ہے —— اچھے کپڑے ہوں تو انسان اپنے کو دوسروں سے بلند سمجھنے لگتا ہے ——"

وہ اس بات پر بھی خاموش رہا۔ اور سگرٹ پیتا رہا اور باہر کی طرف دیکھتا رہا۔

ناظم آباد میں سڑک کے کنارے چھ سو گز پر وہ مکان بن رہا تھا۔ جس کے سامنے فوزیہ نے موٹر روکی —— نیچے کی منزل تو تیار ہو گئی تھی —— اوپر کی منزل کی ابھی چھت نہیں پڑی تھی —— تیاریاں ہو رہی تھیں۔ وہ اسے نیچے کے ایک ایک کمرے میں لیے لیے پھری —— دو سو نے

کے کمرے تھے، ایک ہال تھا، ایک کھانے کا کمرہ ایک ڈرائینگ روم ـــــ کمرے خوب کشادہ اور ہوادار تھے۔ فوزیہ ٹھیکے دار سے باتیں کرتی رہی۔ پرویز صرف ہاں میں ہاں ملاتا رہا۔ ظاہر ہے اس کا باتوں میں شریک ہونا بے معنی تھا۔ پھر اس کے پاس آئی اور مکان پہ ایک نظر ڈال کر کہنے لگی۔

"نیچے امی جان اور ابا جان کو رکھ لیجئے گا، اوپر ہم لوگ رہیں گے،"

"ابا جان وہ فلیٹ نہیں چھوڑیں گے"

"تو پھر نیچے کے حصے میں ہم لوگ رہیں گے، اوپر کا حصہ کرایہ پر اٹھادیں گے تین ساڑھے تین سو روپے کرایہ تو مل ہی جائے گا"

"یہاں اکیلے گھبراؤ گی نہیں ـــــ"

"میں تو بہت خوش رہوں گی"

"لیکن امی جان کو ہمارے چلے آنے پر بہت صدمہ ہوگا"

"ان کو میں منالوں گی"

"انھوں نے گھر میں چہل پہل رکھنے کے لیے تو شادی کی ہے ـــــ"

"میں ان کو کسی نہ کسی طرح منالوں گی"

اس وقت اس نے کچھ اور نہیں کہا، اور اس کے ساتھ ایک ایک کمرے میں دوبارہ گیا۔ فوزیہ دل ہی دل میں گھر کی سجاوٹ کے متعلق فیصلے کرتی رہی، پھر گھر آگئی۔

* * * * * *

۴

گمراہ

شادی کا ایک مہینہ تو ایسا گذرا جیسے وہ کوئی طویل خواب دیکھ رہا تھا۔ خواب ہی میں ایسی باتیں ہوا کرتی ہیں۔ فوزیہ ویسی ہی بنی رہی جس کو اگر وہ چھوتا تو وہ ہوا میں تحلیل ہو جاتی۔ لیکن ایک مہینے کے بعد جب وہ اپنے کالج سے آیا تو اس نے اپنا سامان بندھا ہوا دیکھا۔ فوزیہ نے نہ معلوم کس طرح امی جان کو راضی کر لیا تھا۔ فوزیہ کہیں گئی ہوئی تھی۔ اس کی امی نے اسے کھانا دیا اور خود سامنے بیٹھ کر

خاموشی سے اسے دیکھنے لگیں۔

"تم جا تو رہے ہو لیکن ہم لوگوں کا خیال رکھنا۔"

"میں کہاں جا رہا ہوں"

"دلھن تو کہتی ہے کہ تم ناظم آباد کے گھر میں رہنے پر راضی ہو گئے ہو۔"

"فوزیہ کہاں ہے ——"

"وہ صبح سے دو تین بار آچکی ہے۔ سامان خریدتی پھر رہی ہے۔ بڑے باپ کی بیٹی ہے۔ اس سے کچھ کہا بھی تو نہیں جاتا"

"اور آپ نے اجازت دے دی"

"وہ باتیں ہی ایسی کر رہی تھی"

"میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے ——"

"تمھیں ذرا سختی کی ضرورت ہے —— مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں، بہت اچھی لڑکی ہے لیکن کچھ سنکی معلوم ہوتی ہے —— کبھی کبھی تو ایسی باتیں کرتی ہے کہ میری سمجھ میں نہیں آتیں"

وہ کھانا کھا کر فوزیہ کی تلاش میں نکل گیا —— وہ ناظم آباد کے مکان میں ملی۔

اسے دیکھتے ہی کہنے لگی

"میں تو کہہ کر آئی تھی کہ جب آپ کالج سے آئیں تو وہیں ٹھہرے رہیں سامان لیے ٹرک پہنچا ہوگا"

وہ کچھ بولا نہیں۔ اور سجے سجائے کمروں کو دیکھتا رہا۔ پھر کہنے لگا۔

"میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔"

"یہ ہمارا گھر ہے۔"

"ہم کون ہیں ——"

اور وہ کھکھلا کر ہنسنے لگی۔

"ہم —— میں آپ کی ہوں، آپ میرے ہیں، آپ کا نام پرویز ہے

میرا نام فوزیہ ہے ——"

"اور ہماری شادی ہو چکی ہے؟"

"ہو چکی ہے"

"مجھے یاد نہیں ——"

"فوزیہ اس کی ان باتوں کو مذاق میں ٹال دیا کرتی تھی۔ کہنے لگی

"اس وقت ان شاعرانہ باتوں کا وقت نہیں ہے۔ آپ جا کر سامان

لائیے ——"

"کہاں سے؟"

"اپنے گھر سے ——"

"تم سامان تو بندھوا کر آئی ہو۔ ٹرک پہنچا ہوگا۔ اور سامان اب آتا

ہی ہوگا"

"میں نے اوپر کا مکان اٹھا دیا ہے"

"کون لوگ ہیں ——"

"جاپانی ہیں —— ہم لوگوں کی طرح اکیلے ہیں —— چار سو

روپے کرایہ دیں گے، ایک سال کا ایڈوانس دے چکے ہیں ——"

اس نے بھی یہ بات یونہی سن لی۔ اور پھر ایک کرسی پر بیٹھ گیا ——

اور آنکھیں بند کر کے بیٹھا رہا

تھوڑی دیر میں اس کا سامان آگیا۔ اور فوزیہ کے کہنے سے اپنی کتابوں

کو الماری میں رکھنے لگا۔ فوزیہ دو نوکروں کی مدد سے اور سامان ٹھیک کرتی رہی۔

وہ جب کتابوں سے فارغ ہوا تو فوزیہ اسے کھانے کے کمرے میں لے گئی جہاں چائے تیار تھی۔ شیشے کی الماریوں میں نئے نئے برتن رکھے ہوئے تھے۔ دروازوں پر بھاری بھاری خوش رنگ پردے پڑے ہوئے تھے۔ کرسیاں شیشے کی طرح چمک رہی تھیں۔ کہنے لگی۔

"میں تو سمجھتی ہوں کہ آج ہماری شادی ہوئی ہے ——"

وہ بڑے بے معنی انداز میں مسکرانے لگا۔ وہ اپنی پیالی لے کر اسی کی کرسی پر آبیٹھی اور بڑے پیار سے اپنا ایک ہاتھ اس کی گردن کے گرد حمائل کر کے بولی

"آج شام کو چل کر موٹر بھی لے آئیں گے"

"مجھے ڈرائیونگ آگئی ہے کیا؟"

"جو کچھ کسر رہ گئی ہے وہ دور ہو جائے گی"

اس کے جسم کی خوشبو سے وہ اور پاگل ہوا جا رہا تھا۔ فوزیہ دوسری پیالی بنانے کے لیے جھکی اور اس کا دل چاہا کہ وہ اسے چھو کر دیکھے۔ پھر اسے اپنے ہی خیال پر ہنسی آگئی۔

"کیوں ہنس رہے ہیں"

"جانتی ہو کالج میں لڑکوں اور لڑکیوں نے میرا نام کیا رکھا ہے۔"

"کیا؟"

"وہ مجھے مسٹر فوزیہ کہتے ہیں ——"

اور وہ بھی ہنسنے لگی ——— اور اس کے گلے لگ کر خوب ہی ہنسی۔

شام کو وہ اس کے ساتھ اپنی کار لینے گیا۔ جس پر دوبارہ رنگ کیا گیا تھا، گدے بدلے گئے تھے۔ بالکل نئی ہو گئی تھی۔ وہ اپنی ہی کار پر اپنے گھر آیا۔ اور فوزیہ کے کہنے سے امی جان اور ابا جان کو ناظم آباد کا گھر دکھانے کے لیے لے گیا

ان دونوں کو ایسے اچھے مکان کی توقع نہیں تھی۔ ایک ایک چیز کو بڑی دلچسپی سے دیکھتے رہے۔ اور دل ہی دل میں فوزیہ کے حسن انتظام اور انتخاب کی تعریف کرتے رہے۔ اوپر ابھی کرایہ دار نہیں آئے تھے فوزیہ نے دوبارہ اوپر رہنے کی دعوت دی۔

"جو ایڈوانس لے لیا گیا ہے، وہ واپس کر دیا جائے گا"

"نہیں بیٹی ——— ہم لوگوں کو وہیں رہنے دو ———"

باورچی نے کھانا تیار کر دیا تھا۔ فوزیہ نے کھانا کھلائے بغیر نہ آنے دیا جب وہ لوگ رکشا پر چلے گئے تو پرویز کو خیال آیا کہ اب اسے بھی چلنا چاہیئے۔

"اچھا، اب میں بھی جا رہا ہوں"

"کہاں ———؟"

"آپ چلو گی نہیں ———"

"چلیے، کلفٹن چلتے ہیں ———"

اور وہ اس کی کار میں بیٹھ کر کلفٹن گیا ——— پچھلی مرتبہ کی طرح یہ بھی چاندنی رات تھی۔ سمندر کا مسلسل شور اس کو تھپک تھپک کر سلائے

دے رہا تھا۔ فوزیہ گھٹنوں تک اپنی شلوار اٹھائے پانی میں کھڑی رہی اور وہ کنارے پر بیٹھا رہا اسے دیکھتا رہا۔ پھر وہ بھی اس کے پاس آ بیٹھی۔ اور اسی کی طرح اپنے دونوں گھٹنوں کے گرد ہاتھ ڈال کر سمندر کی طرف دیکھنے لگی اور پھر دونوں کہنیاں ریت پر ٹیک کر اور ہتھیلیوں پر ٹھوڑی رکھ کر اوندھی لیٹ گئی ——— پھر پرویز کی طرف دیکھ کر کہنے لگی۔

"ایک مہینہ پہلے میں اکیلی تھی، میرا اپنا کوئی گھر نہیں تھا۔"

"اور اب ———"

"اب میں نے آپ کو پا لیا ہے۔ میرا اپنا گھر ہو گیا ہے"

پھر اٹھ کر بیٹھ گئی ——— کہنے لگی

"میں ہمیشہ سے سب سے الگ تھلگ زندگی گذارنا چاہتی تھی۔ ایسی زندگی جس پر دوسروں کو رشک ہو۔ وہ ہماری مثالیں دیں۔ خدا کا شکر ہے کہ میں ایسی زندگی کی پہلی منزل میں کامیاب ہو گئی ——— اور اس میں آپ کا بہت حصہ ہے۔ آپ نے میرا قدم قدم پر ساتھ دیا ہے۔ میں آپ کی ممنون ہوں"

"میں نے کیا کیا ہے ———"

"اگر میری کسی اور سے شادی ہوئی ہوتی تو وہ میرا کہنا کہاں مانتا۔"

اور پھر وہ سمندر کی لہروں کی طرف دیکھنے لگی اور اُدھر دیکھتے ہوئے ہی کہنے لگی۔

"آپ جتنے اچھے ہیں، اتنی اچھی تو میں نہیں ہوں لیکن پھر بھی کوشش کروں گی کہ آپ کو کسی بات میں رنجیدہ نہ ہونے دوں ———"

اور پھر وہ اٹھلا کر اٹھی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے

کہنے لگی۔

"آئیے۔ چلئے۔ گھر چلیں ــــــ"

اور وہ راستہ بھر بڑے پیار کی باتیں کرتی رہی۔ جب گھر پہنچی تو اسے اس کے کمرے میں چھوڑ کر اپنے کمرے میں کپڑے بدلنے چلی گئی۔ تھوڑی دیر میں آئی اور اسے اسی حالت میں دیکھ کر کہنے لگی۔

"آپ نے کپڑے نہیں بدلے ــــــ"

"کہاں ہیں میرے کپڑے ــــــ؟"

"یہ الماری کھولیے"

اور الماری میں اس کے چار پانچ سوٹ ٹنگے ہوئے تھے۔ ایک درجن قمیضیں رکھی ہوئی تھیں۔ سلیپنگ سوٹ اور گاؤن رکھے تھے۔ ایک سلیپنگ سوٹ نکال کر وہ دوسرے کمرے میں چلا گیا اور کپڑے بدل کر اس کمرے میں آیا۔

اس نے بہت دھیمے سروں میں ریڈیو لگا دیا تھا۔ دس بج چکے تھے اس لیے انگریزی نغمے ہو رہے تھے۔ فوزیہ مجسم ادا بن کر اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ ایک انداز سے اس کی طرف آئی اور اس کے سینے سے سر لگا کر کھڑی ہو گئی۔

"مجھے آپ سے اتنی زیادہ محبت ہو جائے گی، اس کا مجھے گمان بھی نہیں تھا"

اور پھر وہ اپنی گردن اٹھا کر اس کی تھوڑی کو آہستہ سے پیار کرنے لگی۔

پرویز نے جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا اور اس کی معصومیت پر

پر مسکرا دیا۔

اور پھر تو وہ ایسی ایسی باتیں کرتی رہی جو صرف ایک بیوی ہی کر سکتی تھی ——— ساری رات وہ جاگتی رہی۔ رات کی اس خاموشی میں اس کے آہستہ آہستہ ہنسنے کی آواز کہیں دُور پر بجتے ہوئے ساز سے مشابہ تھی۔

صبح ہوئی تو وہ اب بھی اس کے سینہ سے سر لگائے بیٹھی تھی۔ آنکھیں نیند سے بھاری ہو رہی تھیں۔ پھر جب دن کی روشنی میں اس نے پرویز کی آنکھوں میں خوشی دیکھ لی تب تکیہ پر سر رکھ کر سو گئی۔

پرویز کو نیند کیا آتی ۔ وہ بیٹھا رہا اور اسے دیکھتا رہا۔ ملازم ناشتہ لایا۔ اس نے صرف ایک پیالی چائے پی اور پھر آرام کرسی پر پیر پھیلا کر سو گیا۔

سہ پہر کو دونوں جاگے ۔ فوزیہ کی آنکھوں میں اب بھی نیند کا خمار تھا۔ کہنے لگی۔

"مجھے تو بہت زور کی بھوک لگی ہے ———"

ملازمہ سے جب اس نے ناشتہ لانے کو کہا تو وہ مسکرا دی۔

"بیگم، شام کے چار بجے ہیں ———"

"تو شام کی چائے لاؤ ———"

اور جب وہ چلی گئی تو کہنے لگی

"جی میں آتا ہے کہ چائے پینے کے بعد دوبارہ سو جاؤں"

"تو سو جاؤ"

"نہیں، میں نے اپنی دو چار دوستوں کو کھانے پر بلایا ہے"

اور وہ غسل خانہ سے منہ ہاتھ دھو کر آ گئی —— چائے پی۔ وہ اسے کھانے کی ضروری ہدایات دیتی رہی پھر خود نہانے چلی گئی —— کپڑے بدل کر آئی تو کہنے لگی

"آپ بھی نہا دھو لیجئے ——"

اور جب وہ جانے لگا تو کہنے لگی۔

"سنیئے"

وہ رک گیا

"اپنا کان قریب لائیے ——"

وہ اپنا کان اس کے ہونٹوں کے قریب لے گیا۔ کہنے لگی

"مجھے آپ سے محبت ہے ——"

اور وہ بہار کی پہلی پہلی کلیوں کی طرح مسکرا دی اور پرویز ہنستا ہوا چلا گیا۔ نہا دھو کر جب وہ آیا تو کہنے لگی

"اِب آپ کہیں چلے جائیے —— ٹھیک سات بجے آیئے گا"

"کہاں چلا جاؤں"

"اپنی امی کے پاس ہی چلے جائیے —— یہ میں اس لیے کہہ رہی ہوں کہ میری سہیلیاں آئیں گی تو ان کو یہ نہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ آپ دن بھر گھر پر رہے ہیں مرد کا کام گھر پہ رہنا نہیں ہے۔"

وہ اسے بھی اس کی ایک ادا سمجھ کر اپنی موٹر پر بیٹھا اور اپنی امی کے پاس آ گیا۔ اسے خوشی تھی کہ جسے وہ خواب سمجھتا تھا۔ وہ خواب نہ تھا۔

اس کی امی اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ وہ بھی ان کے گلے لگ گیا

"دلھن کو نہیں لائے"

"اس نے اپنی سہیلیوں کی دعوت کی ہے"

"بڑی اچھی لڑکی ہے۔"

"آپ کو کہاں سے مل گئی تھی امی؟"

اور وہ اپنے لڑکے کے دیوانہ پن پر ہنسنے لگیں

اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد کہنے لگیں

"تم کسی دن دلھن کو لے جاکر آصفہ کو دیکھ آؤ ——"

اور جیسے اسے ایک دم سے وہ یاد آگئیں

"ارے ہاں، وہ کیسی ہیں ——"

"بس، اب زیادہ دن زندہ نہیں رہے گی بے چاری —— تم نے کچھ اور بھی سنا ——؟"

"کیا"

"حمید شادی کر رہے ہیں ——"

"کیا واقعی"

"جب سے آصفہ نے خبر سنی ہے، اس کی حالت بد سے بدتر ہو گئی ہے۔ بس دو چار بار گئی تھی۔ خاموشی سے دیکھتی رہی۔ ایک دن کہنے لگی "خالہ جان میرے بچوں کا کیا ہو گا۔" میں کیا کہتی۔ پھر بڑی حسرت سے کہنے لگی "اگر حمید سے ملاقات ہو تو ان سے کہہ دیجئے کہ کم از کم میرے مرنے ہی کا انتظار کر لیں مجھ سے تو اس کی باتیں نہیں سنی گئیں۔ میں ایک بہانہ کر کے جلد ہی آگئی —— تم کو بہت پوچھتی تھی تمھاری دلھن کو دیکھنا چاہتی ہے"

اور وہ ماہتاب کے متعلق پوچھتے پوچھتے رہ گیا۔ سوچنے لگا۔ ماہتاب تو دوسری

دنیا کی لڑکی ہے۔ کہنے لگا

"میں کسی دن فوزیہ کو لے جاؤں گا"

"تم سے اس زمانے میں حامد سے تو ملاقات نہیں ہوئی ہوگی"

"جی نہیں ——"

"بڑا پاجی انسان ہے۔ روز شراب پی کر ہنگامے مچاتا ہے —— ہمارے فلیٹ والے عاجز ہیں ——"

اور پھر وہ خاموشی سے بیٹھی کچھ سوچتی رہیں —— وہ اپنے سابقہ کمرے میں آگیا اور کرسی پر دونوں ٹانگیں پھیلا کر لیٹ رہا۔ کچھ نہ سوچنے کی کوشش میں بھی اسے ماہتاب یاد آگئی

پونے سات بجے وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنی امی کو سلام کر کے نیچے اترنے لگا کہ حمید سے ملاقات ہوگئی۔ وہ ایسے شخص سے بچ کر نکل جانا چاہتا تھا۔ لیکن حمید نے ایک طرح سے راستہ روک لیا۔ اور ہنس کر کہنے لگا۔

"چپکے چپکے کہاں چلے؟"

اس کے پاس اس بے معنی سوال کا جواب ہی کیا تھا۔ پھیکی سی مسکراہٹ کے بعد نیچے اترنے لگا۔

"ارے سنو تو پرویز میاں، ہمیں معلوم ہے کہ اب تم بڑے آدمی ہوگئے ہو۔ لیکن ——"

اس نے جلدی سے کہا

"مجھے ذرا جلدی جانا ہے ——"

"کسی سے ملنے کا وعدہ ہے کیا؟"

"ہاں ــــــ"

"اپنی بیوی کو ابھی سے بھول گئے ــــــ"

اور یہ کہہ کر وہ قہقہہ مار کر ہنسا۔ پھر کہنے لگا

"یار میری بھی کہیں اونچی جگہ شادی کرا دو ــــــ"

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ!"

"بھئی، بگڑو نہیں ــــــ میں تو مذاق کر رہا تھا ــــــ خیر، کہاں جا رہے ہو ــــــ"

"گھر"

"باہر تمھاری گاڑی ہے نا؟"

"جی ہاں ــــــ"

"کیا تم مجھے ناظم آباد پل پر چھوڑ دو گے؟"

وہ یہ باتیں کرتا ہوا پرویز کو موٹر کے پاس لے آیا۔ اور ایک دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔

پرویز مجبوراً خاموش ہو رہا۔ موٹر اسٹارٹ کی اور سگرٹ سلگانے میں آدھا راستہ گزار دیا۔

حمید اپنی تیز تیز آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر کہنے لگا۔

"ہاں، مجھے تم سے ایک معذرت بھی کرنا ہے"

"کیا"

"میں سمجھتا تھا کہ تم ماہتاب سے شادی کرنا چاہتے ہو اور ماہتاب خیر چھوڑو ــــــ اس لیے تم سے دو ایک بار سخت کلامی

بھی ہو گئی ——"

پرویز نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ناظم آباد کا پل سامنے تھا۔ اس نے پل پر پہنچنے سے پہلے ہی موٹر روک لی اور حمید کے اترنے کا انتظار کرنے لگا۔

"کیا اپنی بیوی کے پاس جانے کی اتنی بے قراری ہے ——"

"آپ یہیں اتر رہے تھے نا"

"مجھے دراصل صدر جانا تھا اور منہ سے ناظم آباد کا پل نکل گیا"

"تو زحمت کشا کریئے ——"

"تو تمہارے دل سے ابھی وہ بات گئی نہیں ——"

"میرے پاس ایسی فضول باتوں کا وقت نہیں ہے ——"

اور حمید اپنے کاندھوں میں جنبش دیتا ہوا اتر گیا۔ پرویز نے موٹر اسٹارٹ کی اور اس وقت تک مڑ کر نہیں دیکھا۔ جب تک وہ پل کے اس پار نہیں پہنچ گیا۔ حمید نے بھی ماہتاب کی یاد تازہ کر دی تھی۔ اب وہ یہ سوچنے لگا کہ فوزیہ نے اپنی جن سہیلیوں کو بلایا ہے کیا ان میں ماہتاب بھی ہو گی۔

گھر پہنچا تو سب سے پہلے اس کی نظر ہی ماہتاب ہی پر پڑی۔ جو برآمدہ میں رکھے ہوئے گملے سے ایک گلاب کا پھول توڑ رہی تھی۔ وہ آگے کی طرف جھکی ہوئی تھی۔ ویسے ہی گردن اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے لگی ۔۔ اور اس کی آنکھوں میں ایک پھیکی سی مسکراہٹ ابھری۔ اف، یہ لمحہ، اس کی کتنی زبانیں تھیں۔

پرویز نے کچھ کہنا چاہا۔ لیکن اس کی قوت گویائی سلب ہو گئی تھی۔ وہ ویسے ہی مسکراتا ہوا پاس سے گذر گیا۔ اور جب کمرے میں پہنچ گیا تب اسے احساس

ہوا کہ اسے اس طرح اندر نہیں آنا چاہیئے تھا۔ ماہتاب سے کچھ نہ کچھ کہنا ضرور چاہیئے تھا۔ وہ رکا اور برآمدے میں واپس آنے کے لیے مڑنے ہی والا تھا کہ فوزیہ کے قہقہوں نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ جو اپنی تین چار سہیلیوں کے ساتھ دوسرے کمرے سے آ رہی تھی۔ دوسری لڑکیوں کے قہقہے ان کے ہونٹوں ہی پر رک گئے۔ فوزیہ آگے بڑھی اور ایک ناز سے اس کے بائیں ہاتھ میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہنے لگی۔

"اور یہ ہیں میرے شوہر، مسٹر پرویز"

اور وہ گردن جھکا کر رہ گیا۔ فوزیہ نے باری باری ہر لڑکی کا تعارف کرایا۔

"اور ماہتاب کہاں ہے؟"

وہ کہنے ہی والا تھا کہ ماہتاب باہر برآمدے میں ہے کہ پیچھے سے اس کی بڑی میٹھی سی آواز آئی۔

"میں تمہارے پرویز صاحب سے واقف ہوں"

اور جیسے وہ کانٹوں پر لوٹنے لگا۔ فوزیہ اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے آگے آگے تھی۔ اور لڑکیاں اس کے پیچھے تھیں۔ لان میں جہاں اس نے پہلے ہی سے کرسیاں ڈلوادی تھیں اور روشنی کا انتظام کر دیا تھا۔ سب لوگ جا کر بیٹھ گئے اور ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگیں۔ ماہتاب ایسے رخ پر بیٹھی تھی کہ وہ گردن موڑ ہی کر اس کی طرف دیکھ سکتا تھا۔ اسے برابر اس کی نظروں کی چبھن محسوس ہو رہی تھی۔

تھوڑی دیر میں وہیں کھانا آ گیا۔ ہنسی اور باتوں میں کھانا کھایا گیا۔ پھر فوزیہ باتیں کرنے لگی۔ نہ جانے کیا باتیں کرتی رہی۔ پھر سب لڑکیاں جانے کی تیاری

کرنے لگیں۔ تین لڑکیاں جو سوسائٹی میں رہتی تھیں وہ تو فوزیہ کی موٹر میں بیٹھ گئیں اور ایک لڑکی جو صدر میں رہتی تھی۔ اس کو اور ماہتاب کو پہنچانے کے لیے اس کو کہا گیا۔ وہ چاہتا تو پہلے ماہتاب کو پہنچا سکتا تھا لیکن وہ پہلے صدر گیا اور جب تک صدر میں اترنے والی لڑکی بیٹھی رہی۔ خوب باتیں کرتا رہا۔ لیکن جب وہ لڑکی چلی گئی اور ماہتاب پچھلی سیٹ پر اکیلی رہ گئی تو اسے ایسا معلوم ہونے لگا کہ دنیا میں صرف وہی دونوں زندہ ہیں۔ اور کوئی موجود ہی نہیں ہے۔ اور وہ دونوں بھی آپس میں اجنبی ہیں۔ وہ چاہتا تھا کہ اسے آگے بلائے لیکن کہنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ دو چار منٹ وہ اسی انتظار میں رہا کہ ماہتاب خود ہی آگے بیٹھ جائے گی۔ پھر موٹر اسٹارٹ کر کے کالونی کی طرف جانے لگا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے مخالف سمت سے آنے والی موٹروں اور بسوں کی روشنیاں ناچ رہی تھیں۔ سر چکرا رہا تھا کہ اس کے کاندھوں پر ماہتاب نے آہستہ سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"دیکھئے کوئی حادثہ نہ کر دیجئے گا——"

اس نے موٹر سڑک کے کنارے روک لی۔ کہنے لگا

"تم آگے آکر بیٹھ جاؤ"

جب وہ آگے آکر بیٹھ گئی اور اس نے موٹر پھر اسٹارٹ کی تو ماہتاب نے خود کہا۔

"آپ مجھ سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں نا؟"

اور وہ انکار میں گردن اپنی ہلانے لگا۔ اس پر وہ بہت خاموشی سے مسکرا دی۔

"اب تو آپ خوش ہیں"

"ہاں"

"فوزیہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ وہ آپ کی زندگی کی بہت سی کمیوں کو پورا کردے گی"

"ہاں ——"

"مجھے تو بہت خوشی ہوئی ——"

اور اس نے بڑی بے بسی سے اس کی طرف دیکھا۔ اور جب تک اس کا گھر نہیں آگیا۔ وہ کچھ اور نہیں بولا۔ جب وہ اپنے گھر کے سامنے اترنے لگی تو کہنے لگا

"تم سے پھر کبھی ملاقات ہوگی"

"کیوں؟"

اور وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے بعد کہنے لگا۔

"یونہی تم سے ملتے رہنے کو جی چاہتا ہے ——"

"اگر فوزیہ نے پھر بلایا تو آؤں گی"

"تم ہسپتال تو جاتی ہو"

وہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھ کر اپنے گھر میں چلی گئی اور وہ اس کے گھر کے سامنے سے موٹر ہٹا کر اور کچھ دور آگے جا کر موٹر روک کر بیٹھا رہا اور سگرٹ پیتا رہا۔ پھر اسے اپنی ہی حرکتوں پر ہنسی آنے لگی اور وہ اپنے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔ فوزیہ اپنے شب خوابی لباس میں اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی وہ مسکراتی ہوئی قریب آئی اور اس کے گلے سے لگ گئی۔ اور اس کے بالوں کی بھینی بھینی خوشبو ماہتاب کی تمام یادوں کو بھلانے میں کامیاب ہوگئی۔ اس نے اپنی ہی آواز سنی۔

"فوزیہ ـــــ اگر تم مجھے نہ ملتیں تو میں زندہ نہ رہ پاتا"

اور پھولوں کی طرح مہکتے ہوئے ہونٹوں نے کہا

"کیا سچ؟"

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی فوزیہ"

"کیا؟"

"تم نے مجھ سے شادی کیوں کی؟"

"بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ آپ اتنے اچھے ہیں کہ آپ سے ہر لڑکی شادی کر سکتی ہے ـــــ"

اور پھر وہ ان مہکتے ہوئے پھولوں میں کھو گیا ـــــ اور اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ اس کو تو نیند آ رہی تھی اور فوزیہ باتیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ اسے گدگدا گدگدا کر جگا رہی تھی۔ اور جب اس کا جاگنا نا ممکن ہو گیا تو وہ فوزیہ کے شانوں سے سر لگا کر سو گیا۔

* * * * * *

۵

چوٹ

اگلا ایک مہینہ ایسا گذرا جیسے وہ پھولوں سے بھرے ہوئے باغ میں جا بیٹھا ہو۔ اور پھولوں کی الگ الگ مہک میں کھو گیا ہو۔ فوزیہ روزانہ کوئی نہ کوئی بات ایسی کرتی کہ اُسے ایسا معلوم ہوتا کہ وہ پہلی بار اس لڑکی سے ملا ہے۔ بالوں کے سنوارنے کے تو اسے اتنے انداز آتے تھے کہ وہ حیران رہ جاتا تھا۔ کپڑے بھی ایک خاص ڈھنگ سے پہنتی تھی۔ جیسے ہی وہ کالج سے آتا وہ مسکرا کر اس کے گلے میں باہیں

ڈال دیتی، ایک دو منٹ تک یونہی کھڑی رہتی - پھر اس کے کپڑے بدلوا کر کھانا کھلاتی اور کھانے کے دوران میں کالج کی باتیں پوچھتی جاتی - وہ بھی مزے لے لے کر باتیں کرتا رہتا - پھر تھوڑی دیر کے لیے اسے سلا دیتی - سوتے وقت بھی وہ اسے دیکھتا اور جاگتے وقت بھی اس کی نظریں اسی پر پڑتیں - شام کو وہ اس کے ساتھ اس کے گھر اور اپنے گھر جاتی اور پھر کلب میں جاتی - جہاں اسے سب ہی جان گئے تھے - وہ پرویز کو باتوں میں پیش پیش رہنے دیتی

ایک دن جب وہ اس کے ساتھ اس کے گھر گئی تو اس کی امی نے کہا

"تم آصفہ سے ملنے نہیں گئے ——— دلھن کو لے جاؤ - بیچاری دیکھنا چاہتی ہے ———"

پرویز نے فوزیہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا -

"ہسپتال چلو گی ؟"

"آج آپ ہو آیئے ——— کل میں بھی چلوں گی، مجھے ایک ضروری کام ہے -"

اور وہ تھوڑی دیر کے بعد اپنی موٹر پرویز کے استعمال کے لیے چھوڑ کر رکشا پر چلی گئی - پرویز اپنی امی کو ساتھ لے کر ہسپتال گیا - آصفہ اتنی دبلی ہو جائیں گی اس کا اسے گمان بھی نہ تھا - بیچاری سے بیٹھا بھی نہیں جاتا تھا - ماہتاب نے تکیہ پیٹھ سے لگا کر بٹھا دیا - اسے فوزیہ کے متعلق بتانے کی ضرورت نہیں پڑی کیونکہ اس کی امی نے کہہ دیا کہ وہ کل آئے گی -

ہسپتال کے وقت تک وہ وہیں بیٹھا رہا - پھر اپنی امی کے ساتھ واپس آنے لگا کہ آصفہ نے کہا کہ ماہتاب کو بھی لیتا جائیے ——— ماہتاب بھی اس کی

امی کے ساتھ ہی بیٹھ گئی ——— اپنی امی کو گھر پہنچا کر جب وہ ماہتاب کو اس کے گھر پہنچانے لگا تو اس پر پھر وہی کیفیت طاری تھی۔

اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ جب اسے فوزیہ ہر طرح سے پسند ہے تو وہ اس لڑکی کی موجودگی سے اتنا گھبرا کیوں جاتا ہے۔ اب کی ماہتاب خود ہی آگے بیٹھی تھی۔ کہنے لگی

"فوزیہ کو کہاں چھوڑ آئے"

"اسے کہیں اور جانا تھا"

"وہ آپ سے شادی کر کے بہت خوش ہے ———"

اس کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا

"آپ بھی خوش ہیں"

"مجھے معلوم نہیں ———"

اور ماہتاب ہنسنے لگی ——— وہ اس کی ہنسی سے اور زیادہ گھبرا گیا کہنے لگا

"اچھا، اب تو بتا دو کہ تم نے مجھ سے شادی کیوں نہیں کی؟"

"اب ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں؟"

"جب تک تم جواب نہیں دو گی، مجھے چین نہیں آئے گا"

"مجھے معلوم تھا کہ آپ کی شادی فوزیہ سے ہونے والی ہے ——— اور فوزیہ ہر لحاظ میں مجھ سے اچھی تھی۔"

اس نے موٹر روک لی، اس کی طرف دیکھا، کچھ کہنا چاہا اور پھر موٹر اسٹارٹ کر کے چلانے لگا ——— ماہتاب بھی باہر ہی کی طرف دیکھتی رہی اور جب گھر آ گیا تو خاموشی سے اتر کر چلی گئی

دوسرے دن فوزیہ کو لے کر وہ ہسپتال گیا۔ آصفہ اس سے پہلے بھی مل چکی تھی۔ پھر بھی بہت خوش ہوئیں۔ اس دن واپسی میں پھر ماہتاب ساتھ ہو گئی اور فوزیہ کے کہنے پر وہ کلفٹن گیا ——— شام ہو چکی تھی۔ وہ ان دونوں کے درمیان ریت پر ٹہل رہا تھا ——— فوزیہ سمندر کی مسلسل لہروں میں کھوئی ہوئی تھی ——— پھر وہ اپنی سینڈلیں اتار کر پانی میں کھڑی رہی۔ ماہتاب بھی اس کے ساتھ تھی۔ صرف وہ کنارے پر کھڑا تھا کہ پیچھے سے آکر کسی نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیا ——— دیکھا تو حمید کھڑا ہے ——— ان دونوں کی پشت اس کی طرف تھی، وہ سوچنے لگا کہ کیا حمید نے ماہتاب کو دیکھ لیا ہے۔ کہنے لگا

"آیئے ——— سی بریز چلیں۔ چائے پیئیں گے، بہت دیر سے مجھے کسی کی تلاش تھی ———"

حمید نے ماہتاب کو دیکھا نہیں تھا۔ مسکرا کر کہنے لگا

"چلو ———" اٹھ کھڑا

اور وہ حمید کے ساتھ سی بریز میں آگیا۔ حمید ادھر ادھر کی باتیں

اس نے فوزیہ کو بھی نہیں دیکھا تھا کیونکہ وہ اس سے دو بار پوچھ چکا ہوں گا، تم اپنے

اکیلے ہی ایکیلے وہ کلفٹن کیسے آگیا ——— پرویز باتیں اس سے

اس کا دل فوزیہ اور ماہتاب میں لگا تھا۔ کہ اس نے فوزیہ اور ماہتا ——— وہ صدمیں

کی طرف آتے دیکھا۔ جیسے ہی ماہتاب کی نظریں حمید پر پڑیں وہ تو رک گئی ــــــ اور فوزیہ سے کچھ کہنے لگی لیکن اس عرصے میں حمید نے بھی ان دونوں کو دیکھ لیا تھا ــــــ بڑی معنی خیز نظروں سے پرویز کی طرف دیکھتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ فوزیہ نے جب یہ دیکھا کہ وہ دیکھ ہی چکا ہے تو مسکراتی ہوئی قریب آگئی ــــــ مجبوراً ماہتاب کو بھی آنا پڑا ــــــ بیرے نے دو کرسیاں لاکر اور رکھ دیں۔ فوزیہ نے دو آئس کریم منگائیں۔ حمید نے دو ایک باتیں کیں۔ جس کا اس نے بہت مختصراً جواب دیا اور پھر کہنے لگی۔

"اچھا، میں ماہتاب کو لے کر جاتی ہوں ــــــ آپ آجایئے گا"

حمید نے کہا

"میں ماہتاب کو پہنچا دوں گا"

"جی نہیں، مجھے ماہتاب کو اپنے ساتھ لے جانا ہے ــــــ"

اور وہ ماہتاب کا ہاتھ پکڑ کر چلی گئی ــــــ پرویز کی جان میں جان آئی ــــــ حمید جز بز بہت ہوا لیکن کہتا کیا۔ اب کی اس نے کافی منگائی اور جب پرویز ایک گھونٹ پی چکا تو کہنے لگا۔

"آصفہ کا کیا حال ہے؟"

"آپ دیکھنے نہیں گئے ــــــ"

"ہٗ" "اس نے مجھے کبھی بلایا ہی نہیں۔ میرے بچوں کو اپنی بہن کے ساتھ بھیج دیا فوزیہ ہر لحاظ ہسپتال میں مرنے کے لیے چلی گئی ــــــ"

اس نے مو نے سنا ہے کہ آپ دوسری شادی کر رہے ہیں"

کر کے چلانے لگا ادی نہیں کروں گا"

جب گھر آگیا تو خاموش غلط تھی"

"یہ میں نے آج ہی فیصلہ کیا ہے کہ میں ابھی شادی نہیں کروں گا ——— کروں گا ضرور ——— لیکن آصفہ کے مرنے کے بعد کیونکہ وہ میری شادی نہیں ہونے دے گی ———"

"اگر آپ ان کا طریقے سے علاج کرائیں تو وہ بچ سکتی ہیں"

"مجھے آصفہ کی موت و زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے ———"

پرویز کو غصہ تو آیا لیکن یہ وہ پہلے ہی طے کر چکا تھا کہ حمید سے کسی بات پر الجھے گا نہیں۔ ہنس کر کہنے لگا۔

"مجھے تو ان پر بہت ترس آتا ہے۔ اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو خواہ ساتھ نہ دیتا لیکن علاج ضرور کرا دیتا ———"

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے کافی پیتا رہا۔ پھر کہنے لگا۔

"تمہیں کیا معلوم کہ میں کیا چاہتا ہوں"

"مجھے معلوم ہے"

حمید اس کی طرف دیکھ کر بڑے زور سے ہنسا۔ کہنے لگا

"نہیں، تم نہیں جانتے "

"آپ آصفہ بہن کو اپنے راستہ سے ہٹانا چاہتے ہیں"

حمید نے پھر کوئی جواب نہیں دیا اور پھر بل کی قیمت ادا کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔ کہنے لگا

"چلو، رکشا کیے لیتے ہیں ——— میں صدر میں اتر جاؤں گا، تم اپنے گھر چلے جانا "

رکشا کیا گیا ——— رکشے میں بھی کوئی بات نہیں ہوئی ——— وہ صدر میں

اتر گیا اور پرویز اپنے گھر چلا گیا

ماہتاب بھی اس کے گھر ہی پر موجود تھی اور اسی وقت فوزیہ کے ساتھ کھانا کھا کر اٹھی تھی ——— فوزیہ نے کہا

"آپ کھانا کھا لیجئے تو ماہتاب کو پہنچا دیجئے گا ———"

وہ کھانا کھانے بیٹھ گیا ——— وہ دونوں بھی بیٹھی رہیں۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد پرویز نے کہا

"آؤ نا، تم بھی ساتھ چلی چلو ———"

"آپ ہی پہنچا دیجئے ——— میں تھک گئی ہوں ——— اور لیٹنا چاہتی ہوں ———"

ماہتاب نے بھی کہا لیکن فوزیہ معذرت ہی کرتی رہی ——— ماہتاب اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی ——— وہ موٹر چلانے لگا ——— کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہنے لگا

"حمید صاحب سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے ———"

"کیوں، وہ کچھ کہتے تھے ———"

"میرا خیال ہے ———"

اور اس نے اپنا جملہ پورا نہیں کیا۔ ماہتاب کچھ دیر تک اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر کہنے لگی۔

"آپ نے پوچھا تھا کہ وہ دوسری شادی کیوں کر رہے ہیں ———؟"

"ان کا فی الحال ارادہ نہیں ہے ———"

"وہ جھوٹے ہیں ——— میں جانتی ہوں کہ وہ نسیمہ کے ساتھ شادی کر رہے ہیں جو انہی کی پھوپھی زاد بہن ہے اور ابھی دو چار مہینے ہوئے ہندوستان

سے آئی ہے۔"

"وہ کسی اور سے شادی کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے ۔۔۔۔۔۔"

"پھر ۔۔۔۔۔۔"

"اسی لیے تو میں نے کہا کہ ان سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ ان کی نظریں تم پر لگی ہوئی ہیں ۔۔۔۔۔۔"

"کیا وہ سمجھتے ہیں کہ میں ان سے شادی کر لوں گی"

"تم کرو یا نہ کرو لیکن وہ چاہتے یہی ہیں ۔۔۔۔۔۔"

وہ بہت دیر تک کچھ بولی نہیں۔ جب اس کا گھر قریب آ گیا تو کہنے لگی۔

"حمید بھائی اتنے برے نہیں ہیں۔ جتنا انھوں نے اپنے کو مشہور کر رکھا ہے ۔۔۔۔۔۔"

"میں سمجھا نہیں ۔۔۔۔۔۔"

"اور ان میں جتنی بھی کمزوریاں ہیں۔ وہ سب آپا کی وجہ سے پیدا ہوئی تھیں ۔۔۔۔۔۔"

"تو تم ان سے شادی کر لو گی؟"

"میرا یہ مطلب نہیں ہے ۔۔۔۔۔۔ میرا تو صرف اتنا مطلب تھا کہ آپا بالکل گھریلو قسم کی لڑکی رہی ہیں۔ پڑھنے لکھنے سے ان کو کوئی لگاؤ نہیں رہا ۔۔۔۔۔۔ خود پیچھے پڑ کر حمید بھائی سے شادی کی اور ویسی نہیں بنی جیسی حمید بھائی چاہتے تھے ۔۔۔۔۔۔"

اسے ماہتاب کی باتوں پر تعجب ہو رہا تھا۔ اس کے منہ سے نکل گیا۔

"اور انھوں نے تمہارا ہاتھ ــــــــ"

"آپ اس واقعہ کو بھولے نہیں ہیں"

"اور نہ کبھی بھول سکتا ہوں"

"بھولی تو میں بھی نہیں ہوں لیکن بھول جانا چاہتی ہوں ــــــــ"

اور پھر گھر آنے تک اس نے مزید کوئی بات نہیں کی۔ پرویز سوچتا رہا کہ وہ ماہتاب سے کس قدر کم واقف ہے۔ وہ اسے چھوڑ کر اپنے گھر آگیا اور فوزیہ کی باتوں میں ماہتاب کی باتیں بھی بھول گیا

اوپر کے مکان میں جاپانی کرایہ دار آگئے تھے۔ صرف میاں بیوی تھے۔ میاں کی عمر چالیس سے کم نہ ہوگی۔ وہ کپڑا بننے کی مشینوں کا انجینئر تھا اور یہاں کے ایک کارخانہ نے اسے خاص طور سے بلایا تھا۔ بیوی کم عمر تھی یا شاید جاپانی عورتوں کی عمر کا پتہ نہیں چلتا ــــــــ بہرحال وہ اپنے شوہر کے مقابلہ میں بہت کم عمر تھی۔ انگریزی جانتی تھی۔ فوزیہ اس سے بہت جلد گھل مل گئی ــــــــ شوہر تو صبح ہوتے ہی کارخانے چلا جاتا اور شام کو واپس آتا۔ بیوی کا زیادہ تر وقت نیچے ہی صرف ہوتا۔ شام کو اکثر وہ میاں بیوی سینما چلے جاتے۔ شوہر تو شراب پی کر آتا اور رات۔ گئے تک جاپانی گانوں کے ریکارڈ سنا کرتا۔ بیوی کی ہنسی کی آوازیں آتی رہتیں۔ پھر شاید وہ سو جاتی اور ریکارڈوں کی آواز رات گئے تک آتی رہتی۔ فوزیہ اس کے شوہر سے بڑی دلچسپی سے

باتیں کرتی رہتی۔

ایک رات جب پرویز سونے کی تیاری کر رہا تھا۔ کہنے لگی

"میرا تو دل چاہتا ہے کہ دو چار مشینیں منگا لوں اور ایک چھوٹا سا کارخانہ کھول دوں ــــــ"

"خیال تو اچھا ہے لیکن ذمہ داریاں بہت بڑھ جائیں گی"

"آپ کالج کی ملازمت چھوڑ دیجئے گا اور کارخانہ کی نگرانی کیجئے گا"

"میں بھلا کارخانہ سنبھال لوں گا؟"

"کیوں نہیں ــــــ"

"لیکن کالج کی ملازمت چھوڑی نہیں جائے گی، مجھے تو یہ پیشہ بہت پسند ہے کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ اگر تم مجھے کالج کی ملازمت نہ کرنے دیتیں تو شاید میں اتنا خوش نہ رہتا ــــــ"

"ذرا یہ بھی تو سوچئے کہ تنخواہ ہی کتنی ملتی ہے ــــــ اس سے زیادہ تو مکان کا کرایہ ملتا ہے ــــــ"

"اچھا، پھر سوچوں گا۔ اس وقت تو بہت رات ہو گئی ہے۔ نیند آ رہی ہے ــــــ"

فوزیہ خاموش ہو رہی۔ لیکن جب وہ سونے کے لیے لیٹی تو اس کی خاموشی کچھ اتنی محسوس ہونے والی تھی کہ پرویز سے نظر انداز نہ کی جا سکی۔ اس نے پوچھا

"کیا سو گئیں"

"نہیں تو ــــــ"

"کیا سوچ رہی ہو ــــــ"

"آپ کا رجحان روپیہ کمانے کی طرف نہیں ہے ——"

"تمھارے پاس روپیہ تو ہے ——"

"وہ روپیہ بھی کوئی روپیہ ہے۔ ابھی ہم دو ہیں۔ پھر جب دو سے تین اور تین سے چار ہو جائیں گے تو اس آمدنی میں کیسے گذر ہو گی۔ آپ کی تنخواہ تو آپ کے والدین اور موٹروں کے پٹرول میں صرف ہو جاتی ہے۔ کرایہ کے چار سو میں گذارہ مشکل ہو رہا ہے۔ جو پینسٹھ ستر ہزار روپے بابا کے پاس ہیں۔ اگر ان کو جلد سے جلد کسی مصرف میں نہ لیا گیا تو وہ روپیہ ختم ہو جائے گا۔ ناصر لندن سے آنے والے ہیں۔ اور انھیں روپیہ کا ذرا بھی درد نہیں ہے ——"

"تو تم کیا چاہتی ہو ——؟"

"ایک کارخانہ کھول لیجئے ——"

"تو کھول لو —— تم بھی نگرانی کرنا میں بھی حتی المقدور تمہاری مدد کروں گا ——"

پھر وہ بہت دیر تک بولی نہیں، پرویز سمجھا سو گئی ہے۔

"تم سو گئی ہو نا؟"

"نہیں ——"

"کارخانہ کے متعلق سوچ رہی ہو ——"

"اس کے متعلق تو فیصلہ کر چکی —— یہ سوچ رہی ہوں کہ کارخانے کے لیے زمین تو آسانی سے مل جائے گی۔ مشینوں کے لیے لائسنس بھی مل جائے گا لیکن اگر آپ نے تعاون نہیں کیا تو روپیہ برباد جائے گا۔"

"میں نے کہہ تو دیا کہ میں حتی المقدور مدد کروں گا۔"

"لیکن کالج کی ملازمت نہیں چھوڑیں گے"

"اچھا ملازمت بھی چھوڑ دوں گا ـــــــ"

یہ جملہ سن کر وہ اپنے بستر پر بیٹھ گئی اور پھر اس کے قریب آکر کہنے لگی۔

"آپ کتنے اچھے ہیں، کتنی جلدی میرا کہنا مان لیتے ہیں ـــــــ"

اور وہ آہستہ آہستہ اس کی پیشانی پر پیار کرنے لگی۔ اس کی سانسوں کی گرمی سے اسے نیند آئی جا رہی تھی۔ وہ بہت جلد سو گیا۔ پھر فوزیہ اپنے بستر پر جاکر لیٹ گئی۔

صبح ہوتے پرویز کی آنکھ کھلی۔ دیکھا، وہ میز پر بیٹھی ہوئی کچھ لکھ رہی ہے

"کیا لکھ رہی ہو ـــــــ"

"ذرا حساب لگا رہی تھی"

"کیا سوئی نہیں"

"تھوڑی دیر سوئی تھی ـــــــ"

"تم بھی کتنی پاگل ہو ـــــــ"

اور وہ ہنستی ہوئی اس سے لپٹ کر بیٹھ گئی اور اپنا سر اس کے سینہ سے لگا کر آنکھیں بند کر کے لیٹی رہی۔ جب تھوڑی دیر گذر گئی تو پرویز کو معلوم ہوا کہ وہ سو گئی ہے ـــــــ آہستہ سے اُسے لٹا کر وہ اٹھا اور ناشتہ کر کے کالج چلا گیا۔ اس کے آتے آتے فوزیہ نے کپڑا بننے والی مشینوں کے تمام پمفلٹ حاصل کر لیے تھے وہ کھانا کھاتا رہا اور وہ مشینوں کی باتیں کرتی رہی۔ پھر کہنے لگی

"آپ تھوڑی دیر آرام کر لیجئے پھر پاپا کے پاس چلیں گے اور ان سے مشورہ لیں گے ـــــــ آخر روپیہ تو انہی سے لینا ہے

وہ کھانے کے بعد آرام کیا کرتا جبکہ وہ مشینوں کی تصویر دکھا رہی تھی اور اس سے متعلقہ معلومات پڑھ رہی تھی ——— چار بجے وہ اس کے ساتھ بندر روڈ گیا۔ جہاں اس کے پاپا بھی بڑی دلچسپی سے اس کی باتیں سنتے رہے۔ پھر ہنس کر کہنے لگے۔

"ستر پچھتر ہزار میں کہیں کارخانہ کھلتا ہے ——— ایسا ہی کاروبار کا شوق تو اچھے قسم کا ہوٹل کھول لو ——— پچیس، تیس ہزار میں جگہ مل جائے گی اتنا ہی روپیہ اس کی آرائش میں صرف ہوگا۔ دو چار سال میں اس روپیہ سے دگنا کما لو گی ———"

"تو آپ جگہ دلا دیجئے ———"

"جگہ تو سمجھو ہاتھ میں ہے ——— اگلے ماہ روپیہ کا انتظام ہو جائے گا ہوٹل کھول لینا۔"

اور فوزیہ مان گئی اور کارخانہ کو ایسا بھولی کہ وہاں سے سیدھی الفنسٹن اسٹریٹ گئی اور کراکری کی بڑی بڑی دوکانوں میں سامان دیکھنے لگی ——— پرویز کو اس کی جلدبازی پر ہنسی آ رہی تھی۔ بڑے بڑے دوکاندار اس سے واقف تھے۔ وہ اسے سامان دکھا رہے تھے۔ خاطرداری کر رہے تھے ——— پھر فرنیچر والوں کے یہاں گئی ——— اور اسے ساتھ لیے لیے بڑے بڑے ہوٹلوں میں گھومتی رہی۔ اور وہاں کا سامان دیکھتی رہی۔ اسی میں رات ہو گئی۔

کھانا تو گرینڈ ہی میں کھایا تھا۔ اس لیے گھر پہ کھانے کا جھگڑا نہیں ہوا ——— پرویز تو آتے کے ساتھ ہی آرام کرسی پر دراز ہو گیا۔ فوزیہ ایک نیچی سی کرسی پر بیٹھ کر کہنے لگی۔

"کپڑے کی فیکٹری سے ہوٹل اچھا رہے گا، اچھے اچھے لوگوں سے ملاقات ہوگی۔ ہر وقت تفریح کے سامان موجود ہوں گے۔ پھر آپ کو تین سو روپوں کے لیے اپنا پورا دن برباد نہیں کرنا پڑے گا"

پرویز نے اس کے پیارے پیارے ہونٹوں کو چھوتے ہوئے کہا۔

"بیچارے ہونٹ تھک گئے ہوں گے"

"بولیے ـــــ آپ بھی ہوٹل کو پسند کرتے ہیں نا؟"

"جس کو تم پسند کرو، وہی مجھے بھی پسند ہے ـــــ"

اور وہ اس کے شانوں سے سر لگا کر چپکے چپکے ہنسنے لگی۔

اوپر سے ریکارڈوں کی ہلکی ہلکی آواز آرہی تھی۔ کمرے میں پنکھا چل رہا تھا۔ جس سے فوزیہ کے بال بار بار اڑ کر اس کی پیشانی پر آجاتے تھے، پرویز انھیں پھونک کر پیشانی سے ہٹاتا تھا اور فوزیہ اس گدگدی سے مسکرا دیتی تھی۔ پھر دونوں نے کپڑے بدلے اور سونے کے لیے لیٹ گئے۔ کہنے لگی

"یہاں ویسے ہوٹل کیوں نہیں ہوتے جیسے مصر وغیرہ میں ہیں، رقاصیں ناچ رہی ہیں، گانا ہو رہا ہے۔ ساز بج رہے ہیں"

"ہمارے معاشرہ میں اور ان کے معاشرہ میں فرق ہے ـــــ"

"کوئی فرق نہیں ـــــ آخر یہاں بھی بڑی بڑی محفلوں میں ناچ گانا ہوتا ہے مرد اور عورتیں مل کر ناچتی ہیں۔"

"لیکن ان کو عام لوگ اچھا نہیں سمجھتے ـــــ"

"مجھے عام لوگوں کی پرواہ نہیں ہے ـــــ میں چاہتی بھی نہیں کہ عام لوگ ہمارے یہاں آئیں ـــــ"

پرویز خاموش ہو رہا۔ اور بہت دیر تک خاموش لیٹا رہا۔

"کیا آپ سو رہے ہیں ــــــ"

"نہیں تو ــــــ"

"پھر خاموش کیوں ہو گئے۔"

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ یہ ہوٹل ہمارے درمیان ایک دیوار کی طرح نہ آجائے"

"ایسا کیوں سوچ رہے ہو؟"

"ابھی ہوٹل کا وجود بھی نہیں ہے اور تم مجھے بھول کر ہوٹل کی باتیں کر رہی ہو ــــــ"

وہ ہنسنے لگی اور پھر اس کے بستر پر آکر اپنا سر اس کے سینہ پر رکھتے ہوئے بولی۔

"اب تو آپ خوش ہیں ــــــ"

"ہاں ــــــ تم یونہی لیٹی رہو ــــــ"

"اور آپ کے دل کی دھڑکنیں سنتی رہوں ــــــ"

"ہاں ــــــ یہ تم ہی کو بلا رہی ہیں ــــــ"

"میں قریب تو آگئی ہوں ــــــ"

"تم ہوٹل اور فیکٹری کو بھول کر آؤ ــــــ"

وہ اپنی انگلیوں سے اس کی گردن چھونے لگی۔ وہ اس کے بالوں میں اپنی انگلیوں سے کنگھی کرتا رہا اور اسی طرح اسے نیند آگئی۔ اسے یہ بھی پتہ نہیں چلا کہ کب وہ اپنے بستر پر واپس گئی۔

فوزیہ جس قسم کا ہوٹل چاہتی تھی اس کے لیے تو لاکھوں روپے کی ضرورت تھی پچیس تیس ہزار روپے پگڑی پر ایسی کوئی جگہ نہیں ملی۔ اس کے پاپا بھی ہوٹل میں دلچسپی لے رہے تھے ــــــــ آخر یہ طے پایا کہ وہ بھی ایک لاکھ روپے سے شریک ہو جائیں گے۔ کسی ایسی جگہ زمین حاصل کی جائے گی۔ اس پر مناسب قسم کی عمارت تعمیر ہو گی۔ وہ رفتہ رفتہ موٹر کے پرزوں کا کاروبار بند کر دیں گے۔ اور اپنی بیٹی کے ساتھ برابر کے حصہ پر کاروبار کریں گے۔

پرویز کو تو یہ سب خواب کی باتیں معلوم ہوتی تھیں ــــــــ وہ ان باتوں میں ہوں ہاں ہی کرتا رہتا تھا ــــــــ اس کے تو تصور میں بھی اتنا روپیہ نہیں تھا ــــــــ یہ تک طے پا گیا کہ اگر مزید روپے کی ضرورت پڑی تو ناظم آباد کا مکان بھی فروخت کر دیا جائے گا اور وہ دونوں ہوٹل ہی میں رہنے لگیں گے۔ وہ یہ باتیں سنتا رہتا، کالج جاتا رہتا۔ فوزیہ کے ساتھ گھومتا رہتا۔ جو اب زیادہ تر ہوٹل کے سلسلہ میں ہی لوگوں کے پاس جاتی رہتی۔

ایک دن جب فوزیہ کے پاپا فوزیہ کو ہوٹل کی عمارت کا نقشہ دکھا رہے تھے۔ اور وہ ایک گھنٹے سے بیٹھا بیٹھا تھک گیا تھا۔ تو وہ اٹھا اور فوزیہ سے یہ کہہ کر چلا آیا کہ وہ اپنے دو چار دوستوں کے پاس جا رہا ہے۔ شام کو آجائے گا ــــــــ فوزیہ نقشے میں اتنی مشغول تھی کہ اس نے کوئی مخالفت نہیں کی۔ پرویز نے موٹر نہیں لی۔ بس پر بیٹھ کر صدر آیا۔ کیفٹریا کے سامنے

کھڑا رہا۔ پانچ بجے تھے۔ دس پندرہ منٹ تک اپنے ایک دوست سے باتیں کرتا رہا۔ پھر ایک لڑکی کو دیکھ کر اسے ماہتاب یاد آگئی ــــــــ وہ رکشا پہ بیٹھ کر ہسپتال گیا اور باہر ہی کھڑا رہا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ ماہتاب اندر ہے یا نہیں۔ وقت ختم ہوا۔ ملاقاتی باہر نکلنے لگے۔ لیکن ماہتاب نظر نہیں آئی وہ مایوس ہو گیا تھا کہ اس نے ماہتاب کو باہر کی طرف آتے دیکھا جب وہ قریب آگئی تو دونوں کی نظریں ملیں۔ ماہتاب کی نظروں میں استعجاب تھا۔ قریب آکر کہنے لگی۔

"آپ کب سے یہاں کھڑے ہیں"

"ابھی آیا ہوں ــــــــ"

"اندر کیوں نہیں آگئے"

"میں صرف تم سے ملنا چاہتا تھا"

"فوزیہ کہاں ہے ــــــــ؟"

"گھر پہ ــــــــ"

اور وہ اس کے ساتھ پیدل ہی چلنے لگی۔ کہنے لگی

"تو کوئی ہوٹل کھل رہا ہے ــــــــ"

"ہوٹل کی باتیں نہ کرو ــــــــ"

"کیوں، کیا آپ کو یہ کاروبار پسند نہیں ہے ــــــــ"

"میں جو کچھ کر رہا ہوں۔ مجھے وہی پسند ہے"

"لیکن اس آمدنی میں فوزیہ جیسی لڑکی کہاں رہ سکتی ہے ــــــــ"

"میں یہاں فوزیہ کی باتیں کرنے نہیں آیا ہوں"

"پھر اور کیا باتیں کریں گے ــــــــ"

"کیا تم سے بھی کسی خاص موضوع پر ہی باتیں ہو سکتی ہیں ——"

"اچھا، تو میں خاموش ہوئی جاتی ہوں —— جو باتیں کرنا چاہیں۔ کیجئے ——"

اور جب اس نے کوئی ایسی بات کرنا چاہی جس کا تعلق کسی خاص موضوع سے نہ ہو تو وہ کسی ایسی بات کو نہیں سوچ سکا۔ اسے اپنے آپ پر غصہ آگیا۔ ماہتاب ہنسنے لگی

"میں کہتی نہ تھی کہ ہر بات کا کوئی نہ کوئی موضوع ہوتا ہے ——"

"اچھا، تو تم اپنے متعلق باتیں کرو ——"

"میں اپنی کیا باتیں کروں ——"

"تم کیسی رہتی ہو —— امتحان کی تیاری کا کیا حال ہے۔ امتحان کے بعد کیا کروگی"

"میں اچھی ہوں۔ امتحان کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتی ——"

"اور ——"

"اور کیا جاننا چاہتے ہیں ——"

"تم ہی کچھ بتاؤ ——"

"جب آپ یہاں آئے تھے تو کیا فوزیہ سے کہہ کر آئے تھے"

"نہیں ——"

"اسے معلوم ہوگا تو برا مانے گی"

"اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے ——"

"میں بھی اس کی جگہ ہوتی اور آپ مجھ سے کہے بغیر میری کسی سہیلی سے ملنے جاتے تو میں برا مانتی ——"

"میں تم کو فوزیہ کی سہیلی کی حیثیت کے علاوہ بھی کسی اور حیثیت سے جانتا ہوں ——"

"اب آپ کے لیے ایسی باتیں مناسب نہیں ہیں ——"

"میں نہیں جانتا کہ میرے لیے کون سی باتیں مناسب ہیں اور کون سی مناسب نہیں ہیں۔"

"اب رکشا کر لیجئے۔ میں تھک گئی ہوں ——"

وہ دونوں سڑک کے کنارے رکشا کا انتظار کرنے لگے۔ صرف ایک رکشا آیا۔ ماہتاب تو بیٹھ گئی لیکن اس نے بیٹھنا مناسب نہیں سمجھا۔

"تو تم کسی دن ہمارے یہاں آؤ نا ——"

"اگر وقت ملا۔ تو ضرور آؤں گی ——"

"میں بھی کسی دن آؤں گا"

"فوزیہ کو بھی لائیے گا"

اور پھر رکشا روانہ ہو گیا —— وہ صدر تک پیدل گیا۔ اور بہت دیر تک اِدھر اُدھر گھومتا رہا۔ اس کے کئی دوست ملے لیکن یا تو وہ خود ہی بدل گیا تھا یا اس کے دوست بدل گئے تھے۔ ہوٹل کے متعلق نہ جانے ان لوگوں کو کیسے معلوم ہو گیا تھا۔ وہ بہت جلد ان دوستوں سے بھی اکتا گیا۔ جی چاہا کہ ٹکٹ لے کر سنیما میں بیٹھ جائے اور دو گھنٹے گذار دے۔ لیکن جو واقعات اس کی جیتی جاگتی زندگی میں ہو رہے تھے۔ وہ فلموں سے کیا کم بے معنی تھے —— اور وہ اس لیے بھی نہیں گیا کہ فوزیہ کی ایک سہیلی شبنم سنیما میں داخل ہوتی ہوئی نظر آئی —— دوسرا سنیما بھی پاس ہی تھا لیکن وہاں تک پہنچتے پہنچتے اس کا ارادہ بدل گیا اور وہ امپریس مارکٹ

سے کچھ پھل خرید کر اور رکشا پر بیٹھ کر گھر چلا گیا ـــــــ فوزیہ اب تک اپنے پاپا کے یہاں سے نہیں آئی تھی ـــــــ وہ کپڑے بدل کر اور گارڈنر کی ایک جاسوسی ناول لے کر بیٹھ گیا اور پڑھنے لگا۔ کوئی دس بجے فوزیہ واپس آئی۔ آتے ہی گلے لگ گئی کہنے لگی۔

"مجھے بہت دیر ہو گئی ہے نا ـــــــ"

"نہیں تو ساڑھے آٹھ ہی تو بجے ہیں ـــــــ"

"نہیں دس بجے ہیں ـــــــ"

"تو دس ہی بجے ہوں گے ـــــــ میں اس کتاب میں ایسا کھو گیا کہ وقت کا احساس نہیں ہوا ـــــــ"

"اگلے ہفتے سنگ بنیاد رکھی جائے گی"

"کاہے کی ـــــــ"

"ہوٹل کے عمارت کی ـــــــ کل پرسوں اخباروں میں بڑے بڑے اشتہارات آئیں گے ـــــــ اور جانتے ہیں پاپا نے ہوٹل کا نام بھی فوزیہ ہی رکھا ہے ـــــــ"

"چلو، یہ اور بھی اچھا ہوا ـــــــ"

"آپ خوش تو ہیں نا ـــــــ"

"بہت ـــــــ"

"کنٹریکٹر کہتا ہے کہ چھ مہینے میں عمارت تیار ہو جائے گی ـــــــ"

"اتنے عرصے میں ـــــــ"

"آپ نے نقشہ دیکھا ہی نہیں۔ چھ مہینے میں بھی بن جائے تو غنیمت سمجھنا چاہیئے ـــــــ"

"اچھا اب کپڑے بدلو اور سونے کے لیے لیٹو ——"

"ہاں، میں بہت تھک گئی ہوں —— آپ نے کھانا کھالیا ہے"

"نہیں تو ——"

"میں تو کھاکر آئی ہوں —— اٹھیے —— آپ کھانا کھا لیجئے ——"

اور وہ ملازمہ کو بلا کر اسے کھانا نکالنے کے احکامات دیتی ہوئی کپڑے بدلنے چلی گئی —— پرویز نے تھوڑا بہت کھایا، فوزیہ پاس بیٹھی رہی۔ پھر جب سونے کے لیے لیٹی تو کہنے لگی۔

"ہوٹل تیار ہو جائے گا تو ہم لوگ وہیں رہیں گے —— بہترین کھانا کھانے کو ملے گا۔ بہترین لوگوں سے ملاقات رہا کرے گی۔ اب تو پاپا نے سارا انتظام اپنے ذمہ لے لیا ہے —— آپ کو کچھ نہیں کرنا پڑے گا۔"

پرویز نے کہا

"تم اس وقت کہاں ہو؟"

اور فوزیہ بڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر وہ سمجھ گئی کہ اس سوال کا مطلب کیا ہے مسکرا کر کہنے لگی

"میں بھی کیا کروں —— چاہتی ہوں کہ ہوٹل کی باتیں نہ کروں لیکن پھر سوچتی ہوں کہ اس سے زیادہ دلچسپ باتیں کیا ہوں گی —— آپ کو ابھی دلچسپی نہیں ہے۔ لیکن جب عمارت بننا شروع ہو جائے گی تو آپ بھی ہر وقت فوزیہ ہی کی باتیں کریں گے۔"

اور پھر ہوٹل کے نام پر ہنسنے لگی۔ اور اس کی ہنسی پر پرویز کو بھی ہنسی

آگئی۔

اگلے ہفتہ عمارت کی سنگ بنیاد رکھی گئی۔

شہر کے بڑے بڑے لوگوں نے اس تقریب میں شرکت کی ــــــ اس ہفتہ ملک کے ایک ایک اخبار میں اس ہوٹل کے اشتہارات شایع ہوئے تھے۔ پرویز کے دوستوں کو مذاق کا ایک پہلو مل گیا تھا۔ کالج کے لڑکوں تک کی زبان پر فوزیہ کا نام تھا ــــــ پرویز کبھی کبھی تو فخر سے گردن اونچی کر لیتا اور کبھی کبھی اسے بڑی سبکی ہوتی ــــــ بہرحال اس تقریب میں شہر کے تمام معززین نے شرکت کی۔ فوزیہ ایک رنگین تتلی کی طرح ادھر سے ادھر اڑتی پھر رہی تھی۔ پرویز بھی پیش پیش رہنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اسے وہ کیا کرتا کہ دو چار خواتین کے علاوہ اور کسی نے اس سے بات ہی نہیں کی۔ جب وہ یہ سمجھ چکا کہ ان بڑے بڑے لوگوں میں اس کا گذر نہیں ہے تو وہ جہاں اور مہمان بیٹھے تھے۔ وہیں بیٹھ گیا ــــــ فوزیہ کے پاپا کی چھوٹی سی تقریر کے بعد جب کھانا ــــــ شروع ہوا تو جہاں اور مہمانوں نے خالی پلیٹیں لے کر میزوں پر چنے ہوئے کھانے میں سے اپنی پلیٹوں میں کھانا نکال کر کھانا شروع کیا تو اس نے بھی ایک پلیٹ اٹھالی اور اپنے دو چار دوستوں کی ٹکڑی میں جا کھڑا ہوا۔ جن کو اس نے مدعو کیا تھا ــــــ ابھی اس نے دو ہی چار لقمے کھائے تھے کہ ماہتاب پر اس کی نظریں پڑیں جو اپنی سہیلیوں

کی ٹولی میں موجود تھی اور اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جب دونوں کی نگاہیں چار ہوئیں تو ماہتاب مسکرا دی اور اس کی مسکراہٹ سے اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ وہ ان تمام لڑکیوں کو جانتا تھا۔ وہ ٹہلتا ہوا ان کے پاس چلا گیا۔ ماہتاب کو جب کچھ کہنے کا موقع ملا تو کہنے لگی۔

"آپ مہمان نہیں، میزبان ہیں ———"

"تو کیا مجھے نہیں کھانا چاہیئے ———؟"

"ضرور کھائیے لیکن جو لوگ کھانا ختم کر چکے ہیں۔ ان سے کچھ اور کھانے کو کہیے ——— یہ آپ کو ہو کیا گیا ہے ———"

وہ باتیں کر ہی رہا تھا کہ فوزیہ ہزار فتنے جگاتی ہوئی اس کے قریب آگئی۔ کہنے لگی۔

"چلیے، آپ کو کچھ اور لوگوں سے ملاؤں ———"

اور وہ اشاروں پر ناچنے والے بندر کی طرح اس کے ساتھ چلا گیا۔ ——— فوزیہ جن کو بڑا آدمی سمجھتی تھی۔ ان سے وہ اس کا تعارف کراتی رہی ——— وہ لوگ کون تھے۔ اس کا تو اسے پتہ نہیں چلا ——— فوزیہ جب اس کا نام لیتی تو وہ کچھ ایسا محسوس کرتا جیسے وہ اپنے پالتو جانوروں کو دکھاتی پھر رہی ہے ——— اس سے جہاں تک ہو سکا۔ مسکراتا رہا۔ اور جو دو چار باتیں پوچھی جاتیں۔ ان کے جواب دیتا رہا۔ پھر اسے چھوڑ کر فوزیہ اپنے پاپا کے پاس چلی گئی ——— اور اس کے جاتے ہی ان لوگوں کی نگاہوں میں اس کی وقعت بھی نہیں رہی۔ یہ پیسے والے لوگ تھے۔ وہ تو اس کی عزت کرتے تھے۔ جس کے بینک میں دو چار لاکھ روپیہ پڑا رہتا تھا۔ اگر ایک پیسہ والی لڑکی نے اس سے شادی کر لی تھی تو اسے وہ

اس لڑکی کی حماقت سمجھتے تھے اور کچھ نہیں۔ پرویز پھر ماہتاب کے پاس آ گیا جس نے ایک نظر سے اس کی طرف دیکھا اور مسکرا کر اپنی سہیلیوں سے باتیں کرتی رہی۔ تقریب ختم ہوئی۔ وہ فوزیہ کے ساتھ کھڑا رہا اور مہمانوں کو رخصت کرتا رہا۔ جب سب مہمان چلے گئے تو وہ فوزیہ اور اس کے پاپا کے ساتھ اپنے گھر آ گیا۔

فوزیہ اور اس کے پاپا میں بہت رات تک باتیں ہوتی رہیں۔ پھر وہ چلے گئے اور فوزیہ سونے کی تیاری کرنے لگی۔ وہ بھی کپڑے بدلنے لگا۔ جب وہ اس کے قریب آ کر بیٹھی تو کہنے لگی۔

"میں ہوٹل کی باتیں نہیں کروں گی"

"نہیں، کرو،"

"آپ پھر بگڑیں گے"

"نہیں ———"

"تو اب آپ کو بھی فوزیہ کی باتیں پسند آنے لگیں"

"مجھے اپنی فوزیہ کی باتیں پسند ہیں ———"

اور وہ شرما گئی۔ جب وہ شرماتی تھی تو پرویز کو پیار آ جاتا تھا۔ اس پیار میں ہی ساری رات گزر گئی۔

دوسرے دن صبح سے شام تک وہ فوزیہ کے ساتھ زمین پر رہا۔ نیو کھودی

جارہی تھی۔ پچاسوں مزدور لگے ہوئے تھے۔ ایک خیمہ ڈال دیا گیا تھا جس میں یہ لوگ بیٹھے رہے۔ فوزیہ دھوپ کی عینک لگائے، چٹائی کا ہیٹ پہنے مزدوروں کو زمین کھودتے دیکھتی رہی ــــــ ایسی جامہ زیب تھی کہ اگر کوئی اور لڑکی شلوار قمیض پر اتنی بڑی ہیٹ پہنے ہوتی تو تماشہ بن جاتی۔ لیکن اس پر یہ ہیٹ بھی اچھی معلوم ہو رہی تھی۔ دھوپ اتنی تیز تھی کہ اس کی پیشانی پر پسینہ کے مہین مہین قطرے ابھر آئے تھے ــــــ وہیں کھانا آیا۔ وہیں لیمونڈ کی بوتلیں اور چائے آتی رہی ــــــ پرویز بھی گھنٹہ آدھ گھنٹہ اس کے ساتھ کھڑا رہا۔ پھر صدر کے دو ایک چکر لگا آیا۔ پھر خیمہ میں بیٹھا رہا۔ غرضیکہ اسی طرح دن گذر گیا ــــــ شام کو اس تھکاوٹ کے باوجود فوزیہ کلفٹن جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ اور وہاں ساڑھے گیارہ بجے تک ریت پر لیٹی رہی اور باتیں کرتی رہی ــــــ جب بہت نیند آنے لگی تو پرویز تو موٹر چلاتا رہا۔ اور وہ اس کے شانے پر سر رکھے سوتی ہوئی گھر آئی۔ پرویز کو اسے گود میں اٹھا کر بستر پر لٹانا پڑا

اس دن سے اس کا یہ معمول ہو گیا کہ صبح سے شام تک بنیادیں کھُدتے، لوہا کٹتے، بنیادیں بھرتے دیکھتی رہتی ــــــ پرویز صبح کالج چلا جاتا ــــــ دوپہر کو واپس آتا۔ گھر پر کھانا کھاتا۔ تھوڑی دیر آرام کرتا۔ پھر فوزیہ کے پاس چلا جاتا ــــــ شام کی چائے کیفیٹریا یا گرینڈ میں پی جاتی۔ پھر دونوں یا تو سنیما چلے جاتے یا فرئیر ہال یا کلفٹن۔ نو دس بجے گھر پہنچتے اور باتیں کرتے کرتے سو جاتے۔

دو ایک بار ایسا بھی ہوا کہ پرویز کالج سے آنے کے بعد شام تک سوتا رہا۔ پھر فوزیہ کے پاس گیا ــــــ اگر اس نے خود ہی کہہ دیا کہ اسے کیوں

دیر ہو گئی ہے تو فوزیہ کو معلوم ہو جاتا ورنہ وہ اس سے پوچھتی بھی نہیں
اور پھر یہ ہونے لگا کہ پرویز دیدہ دانستہ گھر پر رہنے لگا ـــــ اب
اندھیرا ہونے کے بعد فوزیہ خود ہی گھر پر آجاتی ـــــ نہاتی، دھوتی کپڑے
بدلتی ـــــ کھانا کھاتی ـــــ اگر کوئی ملنے والا آجاتا تو اس سے باتیں کرتی
ورنہ تھوڑی دیر باتیں کر کے سو جاتی۔

اس طرح دو مہینے گذر گئے۔

ایک دن، جب وہ کئی دن کے بعد اپنی امی کے پاس گیا تو کہنے لگی۔

"تم نے آصفہ کی میت میں بھی شرکت نہیں کی ـــــ"

اور وہ ہکا بکا رہ گیا

"کیا وہ مر گئیں ـــــ"

"ہاں بے چاری مر گئی ـــــ آج تیسرا دن ہے۔ تم کو خبر نہیں ملی ـــــ"

"مجھے معلوم نہیں ہو سکا ـــــ"

"تم کب دیکھنے گئے تھے ـــــ"

"بہت دن ہوئے ـــــ"

"بے چاری کا بڑی مشکل سے دم نکلا ـــــ وہ دن تک تو سانس
حلق میں اٹکی رہی۔ اپنے بچوں کو نظروں سے اوجھل نہیں کرنا چاہتی تھی"

"حمید گئے تھے؟"

"اسی پر تو مجھے بھی تعجب ہے۔ وہ نہ صرف میت میں شریک تھا بلکہ چیخیں
مار مار کر رو رہا تھا۔ سب سے کہتا تھا کہ اسے کیا معلوم تھا کہ وہ مر جائے گی۔ تم بھی
دیکھتے تو یہی کہتے کہ اسے واقعی بہت صدمہ ہے ـــــ آج ہی تو سیوم تھا بہیں
اور پر اس نے سیوم کیا تھا۔ آج بھی بہت رو رہا تھا ـــــ"

پرویز کو ان باتوں پر یقین نہ آتا تھا۔ اس کی امی بولیں

"حمید اوپر ہوں گے۔ تم جا کر پرسا دے آؤ ——"

اسے اوپر جاتے ہوئے تکلف ہو رہا تھا۔ لیکن وہ حمید سے ملنا بھی چاہتا تھا، اس شخص سے ملنا چاہتا تھا۔ جسے قتل کے بعد اپنے کیے پر پشیمانی تھی —— آصفہ کو ایک طرح سے قتل ہی کیا گیا تھا۔

اس نے حمید کے دروازے پر دستک دی۔ تھوڑی دیر کے بعد دروازہ کھلا۔ حمید کہیں باہر جانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ کہنے لگا

"آؤ پرویز بھائی ——"

وہ اندر جا کر بیٹھ گیا۔ اور حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ کم از کم اس وقت تو اس کے چہرے پر کسی صدمہ کے نشان نہیں تھے۔ ابھی ابھی شیو کیا تھا گالوں پر ہلکا ہلکا پوڈر لگا تھا۔ لیکن آنکھیں اداس ضرور تھیں۔ وہ یہ کہہ نہیں سکتا تھا کہ یہ اداسی آصفہ کی موت پر تھی یا اسے اپنی آنکھوں پر اتنا قابو تھا۔

حمید نے کہا

"تم پرسا دینے آئے ہو گے، ہاں پرویز بھائی، وہ واقعی مر گئی۔ میں سمجھتا تھا ——"

"میں نے تو آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ طریقے سے علاج کرایئے ——"

"ہاں، اس وقت میں نے تمہاری بات نہیں مانی —— اب پچھتاتا ہوں۔ دو بچے ہیں۔ ان کو کون پالے گا۔ اس وقت وہیں جا رہا ہوں۔ یہاں سے آؤں گا"

اور پرویز معاملہ کی تہہ تک پہنچ گیا۔ تو یہ سب ماہتاب پر ڈورے ڈالنے کی تیاریاں تھیں اور پھر اس سے ایک لمحہ بھی نہیں بیٹھا گیا۔ اور وہ نیچے آ گیا

حمید بھی سمجھ گیا کہ پرویز اس کے دل میں جھانکنے میں کامیاب ہو گیا ہے

پیچھے پہنچا تو اس کی امی نے کہا ——

"تم حمید سے مل آئے ——"

"جی ہاں"

"کیا کہتے تھے ——"

"اب تک رو رہے ہیں ——"

"مجھے تو کبھی ان پر ترس آتا ہے کبھی غصہ آتا ہے۔"

اس نے اپنی امی سے کچھ اور نہیں کہا اور وہاں سے چلا آیا —— فوزیہ گھر ہی پر ملی۔ وہ اس روز جلدی ہی آ گئی تھی۔ اس نے آصفہ کے مرنے کی اطلاع دی۔ وہ سن کر خاموش ہو رہی۔ تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگی۔

"تو ہمیں ماہتاب کے پاس چلنا چاہیئے ——"

"ہاں ——"

"اس وقت چلیئے گا"

"چلو ——"

وہ تیار ہونے لگی حالانکہ وہ اس وقت بھی ایسے کپڑے پہنے تھی کہ کسی بھی محفل میں شریک ہو سکتی تھی۔ لیکن نہ جانے اسے کپڑے بدلنے کا خبط کیوں تھا —— پرویز کو آصفہ کی موت سے زیادہ ماہتاب کی بربادی کا غم تھا۔ نہ جانے کیوں اسے یہ یقین ہو گیا تھا کہ حمید ماہتاب سے شادی کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

وہ فوزیہ کو لے کر ماہتاب کے گھر گیا۔ اس کا یہ بھی خیال صحیح نکلا کہ حمید بھی وہاں موجود ہو گا —— باہر کے چھوٹے کمرے میں وہ اپنے دونوں

بچوں سے باتیں کر رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی اس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ فوزیہ تو اندر چلی گئی ——— وہ حمید کے پاس بیٹھ گیا۔ حمید نے کہا۔

"میں تو بچوں کو لینے کے خیال سے آیا تھا لیکن بچے اپنی خالہ کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں ———"

"تو ان کی خالہ کو بھی لے جایئے ———"

حمید اس کے لہجے کے طنز کو نہ سمجھ سکا۔ لیکن گھبرایا بہت ——— کچھ جواب نہ دے پایا تھا کہ فوزیہ کے ساتھ ماہتاب بھی باہر ہی آ گئی ——— یہ دونوں دو چار منٹ ٹھہرے۔ پھر واپس آ گئے۔

ماہتاب سے دو ہفتہ تک ملاقات نہ ہو سکی۔ اب تو ہسپتال کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا تھا اور وہ اس کے گھر جانا نہیں چاہتا تھا اور ماہتاب اس تمام عرصہ اس کے یہاں آئی نہیں۔

فوزیہ پر اپنے ہوٹل کی دھن سوار تھی۔ صبح سے شام تک وہ اپنے پاپا کے ساتھ رہتی۔ اگر پرویز ساتھ رہنا چاہتا تو اسے اور زیادہ خوشی ہوتی ورنہ کوئی شکایت نہ کرتی۔

ایک دن جب وہ فوزیہ کے ساتھ گرینڈ میں چائے پی رہا تھا اس نے حمید کو دیکھا۔ دونوں بچے ساتھ تھے اور وہ کونے والی میز پر بیٹھا ہوا بچوں کو پیسٹریز

کھا رہا تھا ـــــــ اس کی پشت پرویز کی طرف تھی ـــــــ پرویز نے فوزیہ کو اشارے سے بتایا اور خود اٹھ کر حمید کے پاس چلا گیا۔

"آؤ پرویز بھائی ـــــ چائے منگاؤں"

"فوزیہ میرے ساتھ ہیں۔ چائے آ رہی ہے۔ میں تو یونہی خیریت معلوم کرنے آگیا تھا"

"ان بچوں کو دیکھ رہے ہو ـــــــ صبح لے آتا ہوں۔ شام کو چھوڑ آتا ہوں۔ دفتر سے دو مہینے کی چھٹی لے لی ہے۔"

"ان کی خالہ کو کیوں نہیں بلا لیتے ـــــــ"

"وہ بیچاری یہاں آکر کیا رہے گی ـــــــ جوان لڑکی ہے۔ لوگوں کی انگلیاں اٹھتے دیر نہیں لگتی ـــــ"

اس وقت حمید بہت سنجیدہ معلوم ہو رہا تھا۔ پرویز کو اس کی سنجیدگی پر تعجب بھی ہوا اور یقین بھی نہیں آیا ـــــــ وہ دو چار منٹ باتیں کر کے فوزیہ کے پاس آبیٹھا ـــــــ وہ چائے پی ہی رہا تھا کہ حمید چائے سے فارغ ہو کر دونوں بچوں کی انگلیاں پکڑ کر اس کی میز کے پاس سے گذرا ـــــــ فوزیہ سے علیک سلیک ہوئی ـــــــ کچھ ہوٹل کی باتیں ہوئیں۔ پھر وہ چلا گیا۔ پرویز نے کہا

"تمہارا اس شخص کے متعلق کیا خیال ہے؟"

"حمید صاحب کی متعلق"

"ہاں ـــــــ"

"میں نے کبھی سوچا ہی نہیں ـــــــ اچھے آدمی معلوم ہوتے ہیں"

"اپنی بیوی کو دق میں مبتلا کر کے مار ڈالا ہے اس شخص نے ـــــــ"

"سب تو اچھے آدمی نہیں ہیں ——"

"کیا تم نے کبھی نہیں سنا ——"

"نہیں تو —— ماہتاب نے کبھی ذکر نہیں کیا ——"

اس نے باتوں کا رخ بدل دیا —— فوزیہ سے حمید یا ماہتاب کے متعلق باتیں کرنا بے کار تھا —— وہ پھر اس کے ساتھ سنیما چلا گیا۔

اگلے ایک مہینہ میں حمید سے کئی بار ملاقات ہوئی۔ وہ جب بھی اپنی امی کے پاس جاتا۔ حمید کے دونوں بچے وہیں موجود ہوتے۔ ہونے یہ لگا تھا کہ حمید صبح بچوں کو لے آتا تھا اور جب کہیں باہر جاتا تھا تو بچوں کو اس کی امی کے پاس چھوڑ جاتا تھا —— اس سلسلے میں حمید سے ملاقات ہوتی رہی۔

پھر ایک دن اسے معلوم ہوا کہ آج صبح ماہتاب بھی آئی تھی —— دن بھر وہیں رہی اور اس کے آنے سے تھوڑی دیر پہلے دونوں بچوں کو لے کر چلی گئی تھی۔ اس نے چاہا کہ اپنی امی سے یہ سوال نہ کرے لیکن اس کا دل مانا نہیں۔ کہنے لگا۔

"ان دونوں کی شادی کب ہو رہی ہے؟"

"کن دونوں کی؟"

"حمیدہ اور ماہتاب کی ـــــ"

"مجھے معلوم نہیں ـــــ یہ تو مجھے تم ہی سے معلوم ہوا کہ ان کا آپس میں شادی کا بھی ارادہ ہے۔"

پرویز کو اپنے اس سوال پر پچھتانا پڑا ـــــ اس کی امی اسے غور سے دیکھتی رہیں۔ پھر کہنے لگیں۔

"اگر حمید کو شادی کرنا ہے تو ماہتاب ہی سے کرنا چاہیئے ـــــ"

"کیوں ـــــ"

"بچوں کی بربادی نہیں ہوگی"

وہ خاموش رہا لیکن اس کی امی کا دماغ کام کرتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگیں

"میں حمید سے کہوں گی"

"کیا"

"ماہتاب کے متعلق ـــــ"

"آپ نہ کہئے گا"

"کوئی ہرج ہے؟"

"حمید اچھے آدمی نہیں ہیں۔ ایک بہن کو قبر میں سلا چکے ہیں۔ دوسری کو پاگل خانے بھجوا دیں گے ـــــ"

"اب تو بیچارا بہت سنبھل گیا ہے۔ پہلے شراب پی کر جو ہنگامے کرتا تھا۔ اب نہیں کرتا۔ شاید اس نے توبہ کر لی ہے ـــــ"

"پھر بھی آپ نہ کہئے گا"

"میں تو سمجھتی ہوں کہ دونوں کی شادی ہونا ہی چاہیئے ـــــ"

"ٹھیک ہے لیکن آپ پہل کیوں کریں۔ ماہتاب کی موعانی ہیں۔ جب وہ بہتر سمجھیں گی، کریں گی"

" وہ کیا کریں گی، ان کی اپنی لڑکیاں جوان ہو گئی ہیں۔ ابھی ایک کی بھی شادی نہیں کی ——"

وہ اور زیادہ اپنی امی کو نہ سمجھا سکا۔ اور پھر الجھ کر چلا آیا۔

اتفاق سے دوسرے دن ماہتاب سے بھی ملاقات ہو گئی۔

ماہتاب سہ پہر کو اسی کے گھر آ گئی تھی —— وہ اسی وقت سو کر اٹھا تھا اور فوزیہ کے پاس جانے کی تیاری کر رہا تھا۔

"کیا فوزیہ نہیں ہیں ——؟"

"چلو، میں بھی فوزیہ ہی کے پاس جا رہا ہوں، بس، چائے پی کر چلتا ہوں ——"

ماہتاب اطمینان سے بیٹھ گئی —— اس نے ملازمہ کو بلا کر چائے بنانے کے لیے کہا اور خود کپڑے بدل کر اس سے کچھ دور ہٹ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ کہنے لگا

"میں کب سے تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا تھا"

ماہتاب کچھ گھبرا گئی —— کہنے لگی

"اگر وہ باتیں نامناسب نہیں ہیں تو ضرور کہیے ——"

"یہ میں نہیں جانتا کہ مناسب ہیں یا نہیں —— لیکن میں باتیں کرنا ضرور چاہتا ہوں ——"

"جب آپ یہ فیصلہ کر چکے ہیں تو میری مخالفت سے کیا ہو گا"

"اگر حمید تم سے شادی کرنے کے لیے کہیں تو کیا تم راضی ہو جاؤ گی"

"انھوں نے اس قسم کی کوئی خواہش نہیں کی ہے ——"

"لیکن وہ ایسا چاہیں گے ضرور ——"

ماہتاب خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر کہنے لگی

"پرویز بھائی —— آپ کو واقعی اس سوال کا حق نہیں ہے ——"

"مجھے حق تو نہیں ہے۔ لیکن ——"

"میں آپ کے اس سوال کا جواب نہیں دوں گی اور نہ آئندہ اس قسم کی باتوں کی اجازت دوں گی —— میں آپ کی بیوی کی سہیلی ہوں —— اس سے زیادہ نہ پہلے تھی، نہ اب ہوں اور نہ آئندہ ہونے کا امکان ہے ——"

وہ اس کی اس صاف گوئی پر حیران رہ گیا۔ چائے بھی آگئی تھی۔ ماہتاب بڑے اطمینان سے چائے پیتی رہی۔ پھر اس کے ساتھ موٹر میں بیٹھ کر فوزیہ کے پاس آئی —— راستہ میں کوئی بات نہیں ہوئی —— ماہتاب کے چہرے پر پھر وہ مسکراہٹ تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان میں کوئی بات ہوئی ہی نہیں تھی۔

فوزیہ اسے سب کچھ دکھاتی رہی۔ وہ ڈھائی گھنٹہ تک ماہتاب ساتھ ہی رہی۔ لیکن اس نے ان باتوں کا کوئی حوالہ نہیں دیا —— پھر فوزیہ تو اپنے پاپا کے ساتھ اپنی امی کے پاس چلی گئی اور وہ ماہتاب کو اس کے گھر چھوڑتا ہوا اپنے گھر آگیا۔ اُترتے وقت ماہتاب نے یہ ضرور کہا تھا

"میری باتوں سے آپ کو تکلیف ہوئی ہوگی لیکن آپ کی باتوں سے مجھے بھی تکلیف ہوئی تھی ——"

اس سے زیادہ اس کے پاس کہنے کا موقع ہی نہیں تھا۔ اگر راستہ میں یہ بات ہوئی ہوتی تو وہ کچھ اور باتیں کرنے کی کوشش کرتا —— بہرحال وہ اسے چھوڑ کر گھر آگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد فوزیہ بھی آگئی۔ رات بھی آگئی۔ محبت بھی آگئی۔ قرار بھی آگیا۔

۶

شعلے

ہوٹل اپنی تکمیل کی آخری منزل میں تھا۔ بجلی کی فٹنگ ہو رہی تھی۔ پردے پڑ رہے تھے۔ الماریاں بن رہی تھیں، فرنیچر پر پالش ہو رہی تھی۔ شیشے لگ رہے تھے۔ بیروں کی وردیاں سل رہی تھیں۔ ایک ہنگامہ تھا، ایک طوفان آیا ہوا تھا اور فوزیہ اس میں کھوئی ہوئی تھی۔ رات کے دو دو تین تین بجے تک کام ہوتا تھا۔ چوتھی منزل میں اس کی رہائش

کے لیے تین کمرے بھی بن گئے تھے، ناظم آباد کے مکان کا سودا کیا جا رہا تھا۔ اور پرویز خاموشی سے سب کچھ دیکھ رہا تھا، سب کچھ سن رہا تھا۔ زندگی ایک دم سے بدلنے والی تھی اور وہ سوچتا تھا کہ اس نئے نظام میں وہ اپنے کو کیوں کر ڈھال پائے گا۔

جب ہوٹل کیل کانٹوں سے درست ہو گیا۔ اور اس کے کھلنے میں دو دن رہ گئے تو اسے ناظم آباد کے مکان سے ہوٹل میں بنے ہوئے کمروں میں جا کر رہنا پڑا ——— تیسری منزل میں بیس کمرے تھے، دوسری منزل میں اٹھائیس کمرے تھے ——— نیچے کھانے کا ہال تھا، ڈانس ہال تھا ——— سامنے کی طرف ایک خوبصورت سے حوض میں فوارے لگے تھے اور حوض کے لیے خاص طور سے رنگین مچھلیاں منگائی گئی تھیں۔ یہ سب کچھ تھا لیکن پرویز کو محسوس ہوا کہ یہاں دو چار دن، ایک دو مہینے تو خوشی سے رہا جا سکتا ہے اس کے بعد نہیں۔ ہوٹل میں کہیں عمر گذاری جا سکتی ہے۔

فوزیہ کی خوشی کی کوئی حد ہی نہیں تھی۔ اب تو ہوٹل ہی میں تھی۔ اس لیے اٹھتے بیٹھتے اسی کا ذکر رہتا تھا۔ اس کے صحن میں بڑے بڑے کھمبوں سے لگے ہوئے حروف میں "فوزیہ ہوٹل" کے الفاظ لگے تھے۔ جن میں رات میں بڑی پیاری سی نیلی روشنی ہوتی تھی ——— ان دونوں کے سونے کے لیے مسہریاں جہاں بچھی تھیں۔ اس کی کھڑکی سے "فوزیہ" کے الفاظ نظر آتے تھے۔ اس لیے سوتے جاگتے اپنا ہی نام پڑھ کر وہ خوشی سے پھولی نہ سماتی تھی۔

یہ دو دن بھی گذر گئے ———۔

شام کو ہوٹل کھلنے کی تقریب ہوئی کچھ لوگ تو مدعو کیے گئے اور کچھ لوگوں

نے اس شاندار ہوٹل میں سب سے پہلے کھانا کھانے سب سے پہلے چائے اور کافی پینے کے لیے اپنی جگہیں محفوظ کرالی تھیں۔ رہائشی کمروں کی بکنگ پہلے ہی ہو گئی تھی۔ اس لیے ہوٹل کا پہلا دن تو ایسا گذرا جیسے کوئی نمائش لگتی ہے اور سب لوگ بڑے ذوق وشوق سے نمائش کو دیکھنے آتے ہیں۔ بیرے نئی نئی وردیاں پہنے، مجسم مسکراہٹ بنے آہستہ آہستہ ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔ اس دن فوزیہ اپنے پاپا کے ساتھ ایک ایک میز پر گئی اور لوگوں سے ہنس ہنس کر باتیں کرتی رہی۔ پرویز بھی ساتھ ہی ساتھ رہا۔ گیارہ بجے تک کھانا ہوتا رہا ناچ ہوتا رہا۔ مسخروں کا تماشہ ہوتا رہا —— پھر رفتہ رفتہ لوگ جانے لگے —— بارہ ساڑھے بارہ بجے مہمانوں سے فرصت ہوئی۔ پھر وہ بڑے پیار سے اس کا ہاتھ تھامے تھامے اوپر آئی۔ اور کپڑے بدل کر سونے کے لیے لیٹ گئی۔ لیکن اس دن نیند کیا آتی —— باتیں کرتی رہی پرویز لیٹا رہا اور اس کی باتیں سنتا رہا اور اس کے نام کو پڑھتا رہا۔ پھر اس کی باتیں سنتے سنتے ہی سو گیا۔

صبح تیسری منزل کے باورچی خانے سے برتنوں کی کھنکھناہٹ سے اس کی آنکھ کھلی۔ فوزیہ جاگ کر پہلے ہی کپڑے پہن چکی تھی —— اس نے بھی جلدی جلدی کپڑے پہنے —— اور اس کے ساتھ نیچے اترا۔ سب سے پہلے بیروں نے سلام کیا۔ اس کے بعد وہ کھانے کے کمرے میں خود گئی —— ہر چیز کو دیکھتی رہی۔ جو لوگ کمروں میں مقیم تھے۔ ان کو علی الصبح چائے تو بھیجی جا چکی تھی —— اور ان سے درخواست بھی کی جا چکی تھی کہ ناشتہ ڈائننگ ہال ہی میں کریں۔

سات بجے ڈائننگ ہال کی ایک ایک میز بھری ہوئی تھی۔ ہر چار میزوں پر

ایک بیرا مقرر تھا۔ بہت ہلکے سروں میں ریکارڈنگ ہو رہی تھی۔ باہر موٹروں کی قطاریں کھڑی تھیں۔ رئیس زادیاں، بڑے بڑے افسروں کی بیویاں اور اور بیٹیاں آ گئی تھیں۔ فوزیہ مسکراتی پھر رہی تھی۔ اس کی بہت سی سہیلیاں آ گئی تھیں۔ ان سے باتیں کر رہی تھی۔ اس کی ایک ذات پوری فضا میں زندگی پیدا کرنے کے لیے کافی تھی۔

پرویز ناشتہ کر کے جب کالج جانے لگا تو فوزیہ نے کہا

"آج آپ استعفا دے کر آئیے گا"

وہ کچھ بولا نہیں۔ کالج چلا گیا۔ فوزیہ کے الفاظ کانوں میں گونج رہے تھے اس نے استعفیٰ لکھا اور پرنسپل کے پاس گیا۔ انھوں نے مسکرا کر اس کا خیر مقدم کیا۔ استعفیٰ پڑھ کر کہنے لگے۔

"مجھے اس استعفے کی پہلے ہی سے توقع تھی۔ ظاہر ہے کہ تین سو روپے آپ کے لیے ناکافی ہیں۔ لیکن یہ پیشہ بہت اچھا ہے۔ آپ ایک اچھے لکچرار بن سکتے ہیں۔"

"مجھے یہ پیشہ خود بھی بہت پسند تھا لیکن فوزیہ ــــــــ"

"جی ہاں، فوزیہ کو بھی آپ کی ضرورت ہے ــــــــ"

پرویز نے اپنی بیوی کی طرف اشارہ کیا تھا، پرنسپل ہوٹل کا حوالہ دے رہے تھے۔

"تو ایک مہینہ تو آپ کو آنا ہی ہوگا، جب تک دوسرے لکچرر کا انتظام بھی ہو جائے گا"

"میں ضرور آؤں گا"

اور ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر کالج کے لڑکوں لڑکیوں میں اس کے

استعفٰے کی خبر مشہور ہو گئی۔ وہ بس کلاس میں جاتا۔ یہی چرچے ہوتے۔ ہر طرف سے فوزیہ، فوزیہ کی سرگوشیاں سنائی دیتیں۔ جب کالج کا وقت ختم ہوا تو وہ اپنی امی کے پاس سے ہوتا ہوا ہوٹل پہنچا۔

صبح لوگ ناشتہ کر رہے تھے۔ اس وقت کھانا کھا رہے تھے۔ کچھ تو وہی شکلیں تھیں جو صبح نظر آئی تھیں۔ کچھ نئی شکلیں تھیں۔ فوزیہ اپنے پاپا کے کمرے میں تھی۔ جب وہ گیا۔ تو وہ مسکرا کر کہنے لگی۔

"استعفٰے دے آئے؟"

"ایک مہینہ تک تو جانا ہی ہو گا"

فوزیہ کے پاپا نے کہا

"تم کالج کو ایک مہینے کی تنخواہ دے دو، اور کل سے نہ جاؤ"

وہ ہر چیز کو روپے کے ترازو میں تولنے کے عادی تھے۔ روپیہ دیدو۔ کالج کو نقصان نہیں ہوگا، لڑکوں کو پڑھانے والا مل جائے گا۔ وہ خاموش ہو رہا اور وہ دونوں باتوں میں مصروف ہو گئے ——— وہ کمرے سے نکلا۔ اس کے کچھ دوست ایک میز پر بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ وہ ان سے باتیں کرتا رہا۔ پھر اس نے حمید کو اندر داخل ہوتے اور ایک میز پر بیٹھتے ہوئے دیکھا۔ وہ حمید کے پاس گیا۔

"پرویز بھائی، تمھارا ہوٹل تو اچھا ہے۔ بس، ہم غریبوں کے بس کا نہیں ہے۔"

"آج آپ میری طرف سے کھانا کھائیے ———"

"لیکن تم بھی روز روز کہاں کھلاؤ گے ———"

پرویز بھی اسی میز پر بیٹھ گیا۔ بیرے نے جوں ہی بیٹھے ہوئے دیکھا تو ادب

سے آکر پوچھنے لگا

"کیا آپ بھی کچھ کھایئے گا؟"

"ہاں ——— تم تین آدمیوں کا کھانا لے آؤ ———"

اور وہ حمید سے معذرت کر کے فوزیہ کے پاس گیا۔

"چلو، کھانا کھا لو ———"

"چلیئے ———"

اور وہ بھی حمید کے پاس آ بیٹھی ——— کہنے لگی

"میں ایسی مصروف رہی کہ ماہتاب کے پاس نہیں جا سکی۔ اس سے آپ کی ملاقات ہوتی ہے ———"

"میں روز جاتا ہوں ———"

"اس سے کہہ دیجئے گا کہ کسی دن یہاں بھی آئے"

"میں آج ہی کہہ دوں گا ———"

حمید کھانے کی تعریفیں کرتا جا رہا تھا۔ اور کھاتا جا رہا تھا۔ پھر فوزیہ اٹھ کر چلی گئی اور وہ حمید کے ساتھ بیٹھا ہوا چائے پی رہا تھا۔ پھر حمید بھی چلا گیا۔ ——— دو بجے سے پانچ بجے تک وہ اوپر اپنے کمرے میں رہا۔ فوزیہ بھی آرام کرنے آ گئی ——— وہ اس سے پیار کی باتیں کر رہی تھی لیکن اب اس کے پیار سے بھی دولت کی بو آنے لگی تھی ——— وہ اس شاندار ہوٹل میں برابر کے حصہ کی مالک تھی۔

پرویز نے کہا

"تم نے تو میری زندگی میں انقلاب ہی پیدا کر دیا ہے فوزیہ ———"

"میری زندگی میں بھی تو انقلاب آ گیا ہے ———"

"لیکن پھر بھی ہم میں ایک بہت بڑا فرق ہے ـــــــ"

"آپ یہی کہنا چاہتے ہیں نا کہ میرے پاس چند ہزار روپے تھے۔ آپ کے پاس نہیں تھے"

"چند ہزار کی بات ہوتی تو مجھے محسوس بھی نہ ہوتا"

"چند ہزار ہوں یا ستر اسی ہزار ـــــــ یہ میری بدقسمتی ہے کہ اب تک آپ میرے روپے کو اپنا روپیہ نہیں سمجھ سکے ـــــــ"

اور پھر اس کے گلے میں باہیں ڈال کر کہنے لگی۔

"میں آپ کی بیوی ہوں، میری ہر چیز آپ کی ہے۔ آپ یہ غیریت چھوڑ دیئے۔ میں سارا حساب کتاب آپ کے ہاتھ میں دینے والی ہوں بنک سے بھی روپیہ آپ کی دستخطوں سے نکلا کرے گا۔ آپ جس طرح خرچ کرنا چاہیں۔ کیجئے گا، آپ سے نہ میں پوچھوں گی اور نہ پاپا پوچھیں گے"

وہ پھیکی ہنسی کے ساتھ کہنے لگا۔

"نہیں، حساب کتاب تو تم اپنے ہاتھ ہی میں رکھو، یا اپنے پاپا کے ہاتھ میں رکھو ـــــــ مجھے روپیہ کی پروا نہیں ہے ـــــــ"

"پھر آپ کیا چاہتے ہیں ـــــــ؟"

"مجھے تو صرف تمہاری محبت کی ضرورت ہے ـــــــ"

اور وہ ہنس کر کہنے لگی۔

"مجھے اگر آپ سے محبت نہ ہوتی تو میں شادی ہی کیوں کرتی ـــــــ لیکن آپ کو میری محبت کے علاوہ روپے کی بھی ضرورت ہوگی۔ دو ڈھائی سو روپے مہینہ آپ اپنی امی کو دیتے رہئے گا۔ یہاں آپ کی ذمہ داریاں زیادہ نہ ہوں گی۔ نوکر سب کام کرتے رہتے ہیں۔ بس ان کی نگرانی کی ضرورت ہے ـــــــ

پاپا تو بوڑھے ہو گئے ہیں۔ وہ اتنی محنت نہ کر سکیں گے ــــــــ"

وہ خاموش ہو رہا۔ فوزیہ آنکھیں بند کر کے پانچ بجے تک لیٹی رہی۔ پھر نہائی دھوئی۔ کپڑے بدل کر اس کے ساتھ نیچے اتری۔ اس کا حلقہ ملاقات پہلے ہی بہت وسیع تھا اور روز بروز وسیع ہوتا جاتا تھا۔ اس ہوٹل نے اسے شیطان کی طرح مشہور کر دیا تھا۔ متعارف ہونے کے لیے ذرا سا بہانہ کافی تھا۔ پرویز بھی اپنے کو بامصرف بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔

ایک مہینہ تک اس کا دل اکتایا سا رہا۔ لیکن پھر اسے بھی دلچسپی محسوس ہونے لگی۔ یہاں ہی اس کے تمام دوست آجاتے تھے۔ نئے دوست بن رہے تھے۔ بڑے بڑے لوگوں سے ملاقات ہو رہی تھی۔ اور سب سے زیادہ فوزیہ نے اس کا دل لگانے میں پوری کوشش کی تھی۔ وہ خود تو زیادہ تر اوپر ہی رہتی۔ پرویز کھانا اوپر ہی کھاتا۔ صبح اور شام کی چائے بھی اوپر پیتا۔ اس طرح اس کو یہ محسوس ہونے لگا کہ اس ہوٹل کے علاوہ اس کا ایک گھر بھی ہے۔

زندگی آرام سے گذرنے لگی تھی کہ ایک دن حمید کے ساتھ ماہتاب کو دیکھ کر اس کو ایک عجیب سی بے قراری ہونے لگی ــــــــ حمید کئی دن کے بعد آیا تھا۔ ماہتاب پہلی بار آئی تھی۔ وہ ان دونوں کو فوزیہ کے پاس لے گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ تو حمید کے ساتھ نیچے آگیا۔ ماہتاب فوزیہ کے پاس ہی رہ گئی۔

حمید نے کہا

"پرویز بھائی، میں نے شادی کا ارادہ کر لیا ہے ــــــــــ"

"ماہتاب کے ساتھ"

"ہاں ــــــــــ بچوں کو دور رکھا نہیں جاتا اور بچے ماہتاب کو چھوڑتے نہیں اور خوشی تو یہ ہے کہ یہ بات تمہاری والدہ نے مجھ سے کہی اور میری طرف سے ماہتاب کے ماموں کے پاس گئیں۔ وہ راضی ہو گئے ــــــــــ ابھی کسی اور کو نہیں معلوم ہے۔ سب سے پہلے تم ہی کو یہ خوشخبری سنا رہا ہوں ــــــــــ"

پرویز اس کی باتیں سنتا جاتا تھا اور دل ہی دل میں کھولتا جاتا تھا ــــــــــ اسے اپنے آپ پر بھی تعجب ہو رہا تھا کہ جب اسے فوزیہ سے محبت ہے تو ماہتاب کی اتنی فکر کیوں ہے۔ دنیا میں ہزاروں لڑکیوں کی شادی ہوتی رہتی ہے ــــ اس کو خاموش دیکھ کر حمید نے کہا

"شاید تم یہ سوچ رہے ہو کہ ماہتاب خوش نہ رہ سکے گی"

"نہیں، میں نہ جانے کیا سوچنے لگا تھا ــــــــــ معاف کیجئے گا"

"مجھے تم سے خاص طور پر ذکر کرنا تھا"

ہنس کر پوچھنے لگا

"کیوں ــــــــــ"

"مجھے ایک زمانے میں یہ غلط فہمی ہو گئی تھی کہ تم ماہتاب سے شادی کرنا چاہتے ہو ــــــــــ"

"تو اب تو یہ غلط فہمی دور ہو گئی"

"ظاہر ہے ــــــــــ"

اسس میں حمید سے زیادہ دیر بات کرنے کی قوت نہیں تھی۔ وہ ایک بہانے سے اسے ایک میز پہ بیٹھا چھوڑ کر کاؤنٹر پہ چلا گیا۔ اور پھر دوسرے غیر ضروری کاموں میں مشغول رہا۔ پھر اسس نے فوزیہ کے ساتھ ماہتاب کو اترتے ہوئے دیکھا۔ وہ دونوں اس کے قریب آئیں

فوزیہ نے مسکرا کر کہا

"ماہتاب کو مبارک باد دیجئے ـــــــ اگلے ہفتے شادی کر رہی ہے ـــــــ"

اس نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا

"تمھاری سہیلی ہیں۔ تم مبارکباد دو ـــــ"

اور اپنی کھوکھلی ہنسی سے اس نے بات ٹال دی ـــــــ پھر وہ دونوں حمید کی طرف چلی گئیں۔ حمید نے جاتے جاتے دور ہی سے ہاتھ اٹھا کر سلام کیا۔ اس نے مسکرا کر جواب دیا اور وہ دونوں چلے گئے۔

اسی رات کو فوزیہ نے کہا

"آپ نے ماہتاب کو مبارکباد کیوں نہیں دی"

"تم نے تو دے دی"

"ہاں، منھ سے دو کلمے نکالنے میں کیا لگتا ہے ـــــ"

"جیسے تم نے دی، میں نے دی"

"پھر بھی اس نے محسوس کیا ہوگا"

"خیر، معذرت کر لوں گا"

فوزیہ دوسری باتوں میں لگ گئی ـــــ اور جلد ہی سو گئی ـــــ لیکن پرویز نہ سو سکا۔

دوسرے دن شام کو وہ اپنی امی کے پاس گیا۔ کئی دن کے بعد گیا تھا۔ اس لیے وہ ہوٹل کی تفصیل، اس کی آمدنی، اس کی ذمہ داریاں اور اس کے اختیارات کے متعلق پوچھتی رہیں۔ اور بیٹھی ہوئی ایک بھاری جوڑے میں لچکا ٹانکتی رہیں۔ پھر کہنے لگیں

"یہ حمیدہ نے ماہتاب کے لیے سلوایا ہے ——"

"آپ نے یہ پیشہ کب سے اختیار کر لیا ہے امی"

وہ ہنسنے لگیں۔ کہنے لگیں

"بے چارے کا اور ہے کون —— بات میں نے ٹھہرائی تھی۔ مجھ سے کہنے لگا کہ جملہ انتظامات بھی کر دوں —— حمیدہ وہاجر ہے تو کیا ہوا —— ماہتاب کی تو پہلی شادی ہے۔ اگر شادی میں لڑکیاں بھاری بھرکم کپڑے نہیں پہنتیں تو دلھن نہیں معلوم ہوتیں۔ اگر فوزیہ میرے پاس رہتی تو میں اسے سال چھ مہینے ایسے ہی کپڑے پہناتی ——"

"لیکن امی میں نے تو آپ کو منع کر دیا تھا کہ آپ اس معاملے میں نہ پڑیے گا"

"کیوں، میں نے کیا برا کیا؟"

وہ اٹھ کر ٹہلنے لگا —— اور ایسا الجھا کہ زیادہ دیر بیٹھا بھی نہیں اور گھر سے چلا آیا —— ہوٹل کے سامنے سے گزر گیا۔ رکا نہیں —— سیدھا

فرئیر ہال پہنچا اور وہاں موٹر ایک کنارے کھڑی کر کے ایک بنچ پر بیٹھ گیا۔ وہ اس وقت کسی سے بات کرنا نہیں چاہتا تھا ——— لیکن وہ بات ہوتی ہی کہاں تھی جو وہ چاہتا تھا ——— سیٹھ ابراہیم اپنی بڑی سی توند اور نازک اندام بیوی کے ساتھ ٹہلتے ہوئے ادھر آ نکلے۔ ان سے ہوٹل میں یا کسی تقریب میں ملاقات ہوئی تھی۔ بہت بڑے سیٹھ تھے۔ شہر کے مختلف مقامات پر کئی دوکانیں تھیں۔ خود کچھ کرتے دھرتے نہیں تھے۔ نوکروں سے حساب لیا کرتے تھے ——— زہرہ ان کی تیسری بیوی تھی۔ اگر ان کی پہلی بیوی سے اولاد ہو گئی ہوتی تو شاید زہرہ کے برابر ان کی لڑکی ہوتی لیکن نہ پہلی بیوی نے اولاد سے سرشار کیا۔ دوسری بیوی بھی بانجھ ہی مر گئی ——— زہرہ بھی اب تک ان کی دلی مراد نہ پوری کر پائی تھی۔ کہنے لگے

"سیٹھ، تم یہاں اکیلا کیا بیٹھا ہے ———"

"اور کیا کروں سیٹھ ———"

"ہم ابھی تمہارے ہوٹل گیا تھا، تمہارا بیوی لوگ ملا تھا ———"

اور ابراہیم سیٹھ کھسک کر اسی بنچ پر بیٹھ گئے ——— ان کی بیوی مونگ پھلی والے کو بلا کر تین پڑیاں خریدنے لگی۔ ایک پڑیا پرویز کی طرف بھی بڑھا دی۔ پرویز نے تکلفاً لے لی۔ سیٹھ نے مونگ پھلی کھانے سے انکار کر دیا۔ اور تھری کیسل سگرٹ نکال کر پیتے ہوئے بولا۔

"ہمارا کاروبار آج کل مندا ہے۔ کمائی تو جنگ کے زمانے میں ہوئی تھی ایک کے دس ہو جاتے تھے۔ اب کیا ہے۔ جس کے پاس لاکھ دو لاکھ ہوئے وہ بیوپاری بن بیٹھا ہے۔ تمہارا کاروبار اچھا ہے"

"کہاں اچھا ہے ———"

"بہت اچھا ہے سیٹھ ——— آج کل دنیا شو پر مرتی ہے۔ ہوٹل میں کھانا کھانا پھیشن (فیشن) میں داخل ہے۔ ہم کو دیکھو ——— گھر میں دونوں وقت کھانا پکتا ہے۔ لیکن مہینہ میں ایک، دو مرتبہ ہی گھر پر کھانا ہوتا ہے ———"

پرویز کو زہرہ کی نگاہوں کی چبھن محسوس ہو رہی تھی ——— سیٹھ ابراہیم نے کہا

"یہ ہمارا بی بی ہے ——— دونوں وقت ہوٹلوں میں کھانا کھاتی ہے۔ گھر پر دو نوکر ہیں۔ جو پکاتے ہیں خود کھاتے ہیں ———"

زہرہ اب دھیرے دھیرے مسکرا رہی تھی

سیٹھ ابراہیم نے کہا

"بی بی پر بہت خرچ آتا ہے سیٹھ ——— دو ڈھائی سو روپے سے کم کی تو ساری نہیں پہنتی۔"

زہرہ اب اس سے آنکھیں لڑا رہی تھی۔

سیٹھ کو بس باتیں کرنے سے غرض تھی۔ وہ زہرہ کی طرف دیکھ بھی نہیں رہے تھے جو بنچ کے ایک کونے میں بیٹھی تھی۔ اور ایک دم سے سیٹھ اٹھ بیٹھے اور قاسم بھائی، قاسم بھائی او قاسم بھائی پکارتے ہوئے ایک بھیچر سے آدمی کی طرف لپکے جو گھاس کے دوسرے قطعے پر ایک دو بچوں کی انگلیاں پکڑے ہوئے جا رہا تھا۔

وہ زہرہ کے ساتھ اکیلا رہ گیا۔

زہرہ نے کہا

"میں کب سے آپ سے باتیں کرنا چاہتی تھی"

"کہئے ———"

"اس وقت نہیں، میں کل ہوٹل میں آؤں گی ـــــ"

"اس وقت کیوں نہیں ـــــ"

"اتنا بھی نہیں سمجھتے ـــــ"

اور وہ شرما گئی ـــــ پرویز سر سے پیر تک کانپ کر رہ گیا۔ کہنے لگا

"ہوٹل میں ضرور آیئے گا ـــــ"

"آپ دوپہر میں ملیں گے"

"دو بجے سے پہلے ـــــ"

"نہیں، دو بجے کے بعد ـــــ"

"وہ تو میرے سونے کا وقت ہے ـــــ"

"ایک دن میری خاطر نہ سویئے گا"

"تو آپ اوپر آ جایئے گا ـــــ میں اپنی بیوی سے بھی ملاقات کرا دوں گا"

زہرہ ابھی کچھ کہہ نہیں پائی تھی کہ سیٹھ ابراہیم ہانپتے کانپتے ہوئے آ گئے۔ کہنے لگے

"آج کل کسی پر بھروسا کرنا گناہ ہے ـــــ ایک سال ہو گیا ہے۔ دوکان سے سو روپیہ لے گیا تھا۔ صبح شام کرتے کرتے اتنے دن ہو گیا۔"

پرویز نے ہنس کر کہا

"جانے دو سیٹھ، سو روپے کی تو بات ہی ہے ـــــ"

"سو روپیہ بہت ہوتا ہے سیٹھ ـــــ"

"آپ کے لیے سو روپے کی کیا حقیقت ہے۔"

"سوریرے بہت ہوتا ہے سیٹھ ——"

زہرہ کی آنکھیں اب مسکرا رہی تھیں۔ پرویز ایسا گھبرایا کہ وہ ان دونوں سے رخصت ہوکر موٹر میں آ بیٹھا اور کلفٹن چلا گیا۔ وہاں دو ڈھائی گھنٹے تک ریت پر لیٹا رہا —— پھر ہوٹل واپس آیا۔ فوزیہ نے مسکرا کر اس کا خیر مقدم کیا، ہنس کر اس کے کپڑوں کی طرف اشارہ کیا —— وہ کپڑے بدلنے اوپر چلا گیا اور پھر نیچے نہیں آیا۔

فوزیہ تھوڑی دیر میں خود ہی آگئی —— کہنے لگی

"آپ کہاں چلے گئے تھے"

"امی کے پاس بھی گیا تھا، کلفٹن بھی گیا تھا ——"

"اور یہاں میں آپ کا انتظار کرتی رہی۔ ماہتاب نہ آتی تو میں تلاش میں نکلتی ——"

"ان کی شادی کب ہے ——؟"

"شادی ہی میں تو بلانے آئی تھی —— کارڈ دے گئی ہے نیچے کہیں رکھے ہیں ——"

"حمید بھی آئے تھے ——"

"نہیں، وہ اکیلی ہی تھی —— آپ کے آنے سے تھوڑی دیر پہلے تو گئی ہے ——"

اور پھر اس کے گلے لگ کر کہنے لگی

"آپ کچھ پریشان سے نظر آرہے ہیں ——"

"نہیں تو ——"

"بتا دیجئے —— کیا بات ہے —— روپوں کی ضرورت ہے ——"

"نہیں"

"پھر ــــــ"

"جب کوئی پریشانی ہی نہیں ہے تو کیا بتاؤں ـــــــ"

"کیا آپ کو میری بھی ضرورت نہیں ہے ـــــــ"

اور اس نے یہ جملہ کچھ ایسے پیار سے کہا کہ وہ اس کے بالوں کو بے اختیار چومنے لگا۔ پھر کہنے لگا۔

"فوزیہ ـــــــ چلو، ہم لوگ کہیں بھاگ چلیں ـــــــ"

"کہاں ـــــــ"

"کشمیر چلے چلیں ـــــــ"

"وہاں کیا ملے گا ـــــــ ہمارے حصہ میں جو کشمیر آیا ہے۔ اس میں رکھا ہی کیا ہے ـــــــ"

"اندرون سندھ چلی چلو ـــــــ"

"لیکن کیوں ـــــــ"

"فوزیہ ـــــــ مجھے یہ زندگی پسند نہیں ہے ـــــــ"

فوزیہ اس کے سینے پر سر رکھے رہی اور بہت دیر تک کچھ نہیں بولی ـــــــ اس کے نام کے بڑے بڑے حروف کبھی جلتے تھے، کبھی بجھتے تھے پھر کہنے لگی۔

"ہوٹل سے اتنے جلدی بد دل نہ ہوئیے ـــــــ لوگوں سے ملیے جلیے، اپنا دل لگائیے ـــــــ پاپا نے ہماری ذمہ داری پر تو ہوٹل میں اپنا سارا روپیہ لگا دیا ہے ـــــــ"

"ہمارے جانے سے ہوٹل پر کیا اثر پڑے گا"

"پھر پاپا بھی بددل ہو جائیں گے۔ اسے علیحدہ کر دیں گے اور پھر یہ ہوٹل اس نام سے نہ رہے گا ——"

پرویز کی تھوڑی دیر کی خاموشی نے فوزیہ کو ڈرا دیا۔ کہنے لگی۔

"اگر کراچی سے اکتا گئے ہیں تو چلیے کچھ دن لاہور، راولپنڈی، پشاور، کوئٹہ رہ آئیں —— دو دو چار چار دن ہر جگہ قیام کریں گے۔ ایک مہینہ کے بعد چلے آئیں گے ——"

"تو لاہور ہی چلو ——"

"چلیے —— کل ہی چلیے —— میں صبح ہی پاپا سے اجازت لے لوں گی۔"

اور وہ بہت دیر تک بڑی خوش آئند باتیں کرتی رہی۔ پھر اس کے سینے پر سر رکھے رکھے سو گئی۔

پرویز کوئی آٹھ بجے نیچے اترا —— فوزیہ صبح ہی صبح نیچے چلی گئی تھی —— وہ اپنے پاپا کے ساتھ ایک میز پر بیٹھی ہوئی نظر آئی —— اس کے پاپا مینجر سے کچھ باتیں کر رہے تھے —— فوزیہ کے ساتھ ہی ساتھ اس کی نظریں زہرہ پر بھی پڑیں جو ایک کونے میں بیٹھی ہوئی پیسٹری کھا رہی تھی۔ اور اسے زہرہ کی باتیں یاد آ گئیں۔ وہ فوزیہ کے پاس بیٹھ گیا۔ بیرے نے اس کے سامنے چائے رکھ دی۔ جب وہ پیالی میں چائے بنا چکا تو فوزیہ کے پاپا

نے کہا

"تو تم دونوں ایک مہینہ کے لیے کہیں جانا چاہتے ہو ــــــ"

فوزیہ نے کہا

"میں جانا چاہتی ہوں پاپا ــــــ اودھر میری صحت اچھی نہیں رہتی ــــــ"

"تو آٹھ دس دن رک جاؤ ــــــ مجھے ایک ہفتہ کے لیے ڈھاکہ جانا ہے وہاں سے آجاؤں گا تو چلی جانا ــــــ"

فوزیہ پرویز کی طرف دیکھنے لگی ــــــ پرویز تو ماہتاب کی شادی میں شرکت کرنے سے بچنا چاہتا تھا ــــــ اسی لیے اس نے کراچی چھوڑنے کا ارادہ کیا تھا ــــــ لیکن اب تو کوئی صورت ہی نہیں تھی ــــــ فوزیہ کہنے لگی

"تو ایک ہفتے کے بعد سہی، ماہتاب کی شادی میں شرکت بھی ہو جائے گی ورنہ عمر بھر شکایت کرے گی"

پرویز فوزیہ سے نظریں نہ ملا سکا۔ اس کی خاموشی ہی نیم رضامندی تھی سگرٹ سلگاتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور پھر اس کی نظریں زہرہ سے ٹکرا گئیں۔ اس کے جی میں آیا کہ فوزیہ سے زہرہ کے متعلق بتا دے۔ لیکن پوری طرح سمجھے بغیر کسی باعزت عورت کے متعلق کسی شبہ کا اظہار کرنا اچھا نہیں تھا ــــــ فوزیہ اپنے پاپا کے ساتھ موٹر پر بیٹھ کر کہیں چلی گئی ــــــ وہ منیجر سے باتیں کرتا ہوا دفتر تک گیا۔ پھر وہ بیروں سے باتیں کرنے لگا جن کو وہاں بیروں سے شکایت تھی۔ وہ جہاں جہاں بھی جاتا تھا۔ زہرہ کی نظریں اس کا تعاقب کرتی تھیں۔ آخر وہ تنگ آکر وہ اس کی میز کے پاس گیا۔

"آپ کو مجھ سے کچھ کہنا تھا ——"

"بیٹھ جائیے نا"

وہ سامنے کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ زہرہ تھوڑی دیر خاموش رہی۔ پھر ہنس کر کہنے لگی۔

"میں نہ جانے کیا کہنا چاہتی تھی، آپ کو دیکھ کر بھول گئی"

"سیٹھ صاحب کیسے ہیں"

زہرہ نے منہ بنا کر کہا

"کیا خبر ——!"

اور پھر بڑے بے معنی انداز میں ہنسنے لگی۔ کہنے لگی۔

"آپ کے یہاں ٹیلیفون تو ہے نا"

"جی ہاں ——"

"کیا نمبر ہے ——"

اس نے نمبر بتا دیا۔ جسے اس نے اپنا بٹوہ کھول کر ایک چھوٹے سے رومال کے کونہ پر لکھ لیا اور پھر بل ادا کر کے جانے لگی۔ پرویز کے لیے جس طرح ماہتاب معمہ تھی، فوزیہ معمہ تھی، یہ عورت بھی معمہ بننے لگی تھی۔

گیارہ بجے فوزیہ واپس آئی۔ کہنے لگی

"میں امی کے پاس بھی گئی تھی۔ آپ کی طرف سے تین سو روپے دے آئی ہوں —— اس کے بعد ماہتاب کے پاس بھی گئی تھی"

اس کے ہاتھ میں کپڑوں کے کچھ بنڈل بھی تھے۔ کہنے لگی

"میں نے آپ کے سوٹ کے لیے کپڑا خرید لیا ہے ——"

اور وہ کپڑا دیکھنے لگا۔ اس کے ذہن پر زہرہ کی باتوں کا اثر تھا۔ کپڑے کی

تعریف کرکے وہ مینجر کے پاس چلا گیا۔ جس نے بیرے سے اسے بلوایا تھا۔

"آپ کا فون آیا تھا"

"کون تھا؟"

"کوئی خاتون تھیں ——— میں نے جب کہا کہ آپ بیگم صاحبہ سے باتیں کر رہے ہیں تو انھوں نے فون رکھ دیا ———"

وہ پھر فوزیہ کے پاس آگیا۔ اس کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی چوری کر رہا ہے۔ فوزیہ اپنی ایک سہیلی سے باتیں کرتی ہوئی اوپر چلی گئی ——— اور وہ کاؤنٹر کلرک سے کچھ باتیں کرتا رہا۔ ہال میں اس وقت بھی لوگ تھے۔ ایک گھنٹہ اور گذر گیا۔ وہ اوپر جا ہی رہا تھا کہ بیرے نے آکر کہا

"آپ کا فون آیا ہے ———"

وہ مینجر کے کمرے میں گیا۔ کہنے لگا

"پھر وہی خاتون ہیں کیا؟"

مینجر مسکرا دیا

"نہیں ——— اب تو کسی مرد کی آواز ہے ———"

اس نے ریسیور ہاتھ میں لیا۔ حمید تھا

"پرویز بھائی ——— تم کو شادی کا کارڈ مل گیا ہے نا"

"جی ہاں ———"

"آپ کا ہوٹل پارٹیوں کا بھی انتظام کرتا ہے ———؟"

"جی ہاں ———"

"سوچتا ہوں کہ ولیمہ کے کھانے کا انتظام آپ لوگوں کو ہی سونپ دیا

جائے ــــــــ"

"میں منیجر صاحب کو فون دیئے دیتا ہوں ــــــــ آپ ان سے تفصیلات بتا دیجیے ــــــــ"

"میرے ساتھ کچھ رعایت ہو جائے گی نا؟"

"ضرور ــــــــ"

اس نے منیجر کو رسیور دے دیا اور خود باہر آ گیا ــــــــ اس کا دل اور بھاری ہو گیا تھا ــــــــ اوپر گیا۔ فوزیہ کی سہیلی موجود تھی۔ دونوں میں بالوں کے اسٹائل پر باتیں ہو رہی تھیں۔ دو چار منٹ تو وہ بھی ان کی باتیں سنتا رہا۔ پھر ایک کتاب اٹھا کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ کتاب پڑھنے میں جی نہیں لگا تو تیسری منزل میں چکر کاٹتا ہوا دوسری منزل میں آ گیا۔ کمرہ نمبر گیارہ کے لوگوں کو کچھ شکایت تھی جو دور کر دی گئی تھی ــــــــ وہ ان لوگوں سے باتیں کرتا رہا۔ پھر نیچے آ گیا ــــــــ دیکھا حمید منیجر کے کمرے میں موجود ہے اور ولیمہ کی تفصیلات بتا رہا ہے۔ اُس نے صرف اتنا کہا

"جب بل بننے لگے گا تو میں مناسب کمی کرا دوں گا"

اور باہر آ کر ایک خالی میز پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں لوگ کھانے کے لیے آنے لگے۔ حمید بھی منیجر سے سب کچھ طے کر کے اس کے پاس آ بیٹھا۔ اور کھانا کھا کر جاتے ہوئے کہنے لگا۔

"پرویز بھائی جب بل بننے لگے تو خیال رکھنا، میں غریب آدمی ہوں۔ اگر یہ ہوٹل تمہارا نہ ہوتا تو میں کبھی ہمت بھی نہ کرتا ــــــــ"

وہ صرف مسکرا کر رہ گیا۔ وہ ہال میں ایک چکر لگا کر ابھی منیجر کے کمرے ہی میں تھا کہ پھر فون آیا ــــــــ منیجر نے ہوٹل کا نام لیا۔ پھر رسیور اس کی

طرف بڑھا دیا۔

"میں پرویز بول رہا ہوں ———"

"آپ پرویز صاحب ہی ہیں نا؟"

وہ زہرہ کی آواز کو پہچان گیا۔ کہنے لگا

"جی ہاں۔ میں ہی ہوں ——"

"میں نے صبح بھی فون کیا تھا ———"

"جی ہاں، مجھے معلوم ہوا تھا ———"

"آپ کو دو چار منٹ کی فرصت ہے نا"

"مجھے فرصت ہی فرصت ہے ———"

اور پھر ادھر سے زہرہ کے ہنسنے کی آواز آنے لگی۔ اور پھر فون رکھ دیا گیا ——— پرویز کچھ لمحوں تک فون کو کانوں سے لگائے رہا۔ اور پھر رسیور رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"عجیب لوگ ہیں ———"

وہ سمجھا تھا کہ منیجر موجود ہوگا لیکن وہ تو پہلے ہی جا چکا تھا ——— وہ باہر نکل ہی رہا تھا کہ پھر گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے رسیور اٹھایا۔ زہرہ کی آواز آئی

"آپ ابھی موجود ہیں نا"

"جی ہاں ———"

"فون پر آپ کی آواز بڑی پیاری ہو جاتی ہے ———"

"آپ کہتی کیوں نہیں کہ مجھ سے آپ کیا چاہتی ہیں؟"

"ابھی جلدی کیا ہے ———"

وہ جھنجھلا کر رسیور رکھنے ہی والا تھا کہ آواز آئی

"کیا ناراض ہو گئے ——"

"آپ ہیں کون، مجھ سے کیا چاہتی ہیں؟"

"میں آپ سے کیا چاہتی ہوں —— (پھر ہنسی کی آواز) —— واقعی بڑا عجیب سوال ہے (پھر ہنسی کی آواز)"

اور یہ ہنسی کی آواز آ ہی رہی تھی کہ اس نے رسیور رکھ دیا اور باہر آگیا اس کی پیشانی پر پسینہ کے ہلکے ہلکے قطرے تھے۔ ہونٹوں میں ہلکی ہلکی کپکپی تھی —— اسی وقت ایک بہت بے تکلف دوست نے اسے پکار لیا۔ جو اپنی بیوی کے ساتھ کھانا کھانے آیا تھا۔ ان دونوں سے باتیں کرنے سے اس کی دلی حالت کچھ سنبھلی اور اس نے ارادہ کر لیا کہ اگر زہرہ کا پھر فون آئے گا تو وہ فوزیہ سے ضرور ذکر کر دے گا۔

دو بجے وہ اوپر آیا۔ فوزیہ سے باتیں کرتے ہوئے اسے پشیمانی ہو رہی تھی۔ لیکن فوزیہ سمجھی کہ وہ آٹھ دن تک باہر جانے کا پروگرام ملتوی ہونے پر ناراض ہے۔ کہنے لگی

"آٹھ ہی دن کی تو بات ہے۔ پاپا کو ایک بہت ضروری کام سے ڈھاکہ جانا ہے ——"

"ہاں، آٹھ ہی دن کی تو بات ہے ——"

"اگر پاپا رک سکتے تو میں ضرور نہ رہتی"

"مجھے معلوم ہے ——"

"تو آپ کو ناگوار تو نہیں گذرا"

"نہیں ——"

اور وہ کروٹ لے کر لیٹ گیا —— فوزیہ کچھ دیر تک اس کے قریب بیٹھی رہی۔ اس کی آنکھ لگنے ہی والی تھی کہ نیچے سے بیرا آیا اور پرویز سے کہنے لگا۔

"آپ کا فون آیا ہے"

"کون ہے —— ؟"

"کوئی خاتون ہیں ——"

"کہہ دو، میں موجود نہیں ہوں ——"

بیرا تو چلا گیا۔ لیکن نیند بھی اچاٹ ہو گئی۔ وہ پھر کروٹ بدل کر فوزیہ کی طرف دیکھنے لگا جو بڑی دلچسپی سے ایک انگریزی رسالہ میں کپڑوں کے ڈیزائن دیکھنے میں مصروف تھی۔ اس نے زہرہ کے متعلق کہنا چاہا لیکن اسے مشغول دیکھ کر خاموش ہو رہا۔ پانچ بجے تک کروٹیں بدلتا رہا پھر کپڑے بدل کر کہنے لگا۔

"چلو سینما چلیں گے ——"

فوزیہ بھی تیار ہو گئی —— دونوں نیچے اترے۔ سینما میں ابھی کافی وقت تھا۔ اس لیے وہ دونوں منیجر سے ہوٹل کے متعلق باتیں کرتے رہے۔ جب وہ سینما کے لیے باہر آنے لگے تو اس وقت ماہتاب اندر داخل ہوتی ہوئی نظر آئی۔ فوزیہ نے کہا

"اچھے وقت پر آ گئیں —— چلو، سینما چل رہے ہیں ——"

"نہیں، میں ایک ضروری کام سے نکلی ہوں —— تمہارے یہاں تو چائے پینے آ گئی تھی"

فوزیہ نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

"ابھی اتنا وقت ہے کہ تم چائے پی لو ——"

جب تینوں میز پر بیٹھ گئے تو ماہتاب نے پرویز سے کہا

"میں نے آپ کو فون کیا تھا آپ کہاں گئے ہوئے تھے؟"

"کس وقت ——"

"دو ڈھائی بجے ——"

فوزیہ نے ہنس کر کہا

"گئے کہاں تھے، اوپر میرے پاس تھے ——"

"لیکن بیرے نے تو کہا ——"

"یہ جب اوپر جاتے ہیں تو گویا ہوٹل سے باہر چلے جاتے ہیں ——"

اور پھر کچھ وقت کی تنگی اور کچھ ہنسی میں یہ بات کچھ ایسی ٹلی کہ پرویز نے یہ نہیں پوچھا کہ اس نے کیوں فون کیا تھا اور نہ ماہتاب ہی نے بتایا۔ تینوں ساتھ نکلے۔ ماہتاب تو رکشے پر بیٹھ کر چلی گئی —— وہ دونوں سینما آ گئے لیکن تماشے بھر پرویز کے کانوں میں ماہتاب کی آواز گونجتی رہی —— میں نے آپ کو فون کیا تھا —— میں نے آپ کو فون کیا تھا —— میں نے آپ کو فون کیا تھا

دوسرے دن اسے خود فوزیہ کا انتظار تھا۔ کل ماہتاب نے فون کیا تھا۔ آج بھی ضرور کرے گی۔ نہ جانے کل کیا کہنا چاہتی تھی۔ کیا وہ حمید سے شادی کرنے کا ارادہ ترک کر چکی تھی۔ اسے اپنے ہی خیالات پر ہنسی آ رہی تھی۔ آخر وہ

کیوں چاہتا تھا کہ ماہتاب حمید سے شادی نہ کرے۔ وہ حمید سے شادی نہیں کرے گی تو کسی اور سے شادی کرے گی۔ اس کے لیے وہ پہلے بھی اجنبی تھی۔ شادی کے بعد بھی اجنبی رہے گی۔ پھر بھی ——— وہ اس سے کچھ کہنا تو چاہتی ہی تھی

وہ مینجر کے کمرے ہی میں رہا۔ اُسے کسی بہانے کی ضرورت نہیں تھی لیکن پھر بھی اس نے بہانہ تراشا۔ کچھ کہہ دیا۔ مینجر سے اگر کچھ بھی نہ کہتا تو کیا تھا۔ اگر وہ نہیں تو اس کی بیوی اس ہوٹل کی مالک تھی۔ مینجر پھر بھی ملازم تھا گیارہ بجے تک فون نہیں آیا ——— یوں تو کئی فون آئے۔ ہوٹل میں فون آیا ہی کرتے ہیں۔ لیکن ماہتاب کا فون نہیں آیا۔ ساڑھے گیارہ بجے جب وہ فون کی طرف سے بے پرواہ ہو گیا تھا۔ مینجر نے کہا

"آپ کا فون ہے ———"

اس نے ریسیور لیتے ہی کہا

"کل تم کیا کہنا چاہتی تھیں ———"

"تو آپ کو میری فکر پیدا ہو گئی نا؟"

اس نے جلدی سے کانوں سے فون ہٹایا۔ ماہتاب نہیں تھی۔ زہرہ تھی۔ اس نے فون رکھ دیا اور مینجر سے کہا

"آپ اس آواز کو پہچانتے ہیں۔"

"اسی خاتون کی آواز ہے ———"

"یہ ایک پاگل عورت ہے۔ جب اس کا فون آئے تو مجھے بتانے کی ضرورت نہیں ——— کہہ دیا کیجئے۔ میں نہیں ہوں۔"

مینجر مسکرا دیا۔ لیکن پرویز نے اپنے کو کسی چیز میں مشغول کر لیا۔ تھوڑی دیر

کے بعد پھر گھنٹی بجی ——— منیجر نے کہہ دیا ——— کہ وہ موجود نہیں ہے
پھر پرویز سے کہنے لگا
"یہ عورت پاگل نہیں ہو سکتی ——— اب کی آواز بدل کر بول
رہی تھی ———"
اور پرویز کو ایک دم سے خیال آیا کہ یہ فون ماہتاب کا تھا لیکن اب کیا
ہو سکتا تھا ——— اس کی اپنی غلطی تھی۔ وہ اتنا جلد کیوں اکتا گیا تھا۔
ایک بجے سیٹھ ابراہیم کے ساتھ زہرہ ہوٹل میں آ گئی ——— اس نے
لاکھ چاہا کہ نظریں بچا کر نکل جائے لیکن سیٹھ نے اسے اشارے سے اپنے
پاس بلا لیا۔
"کاروبار کا کیا حال ہے سیٹھ ———"
"ٹھیک ہی ہے"
"اپنا کاروبار تو مندا ہے سیٹھ ———"
وہ ڈرا کہ سیٹھ ابراہیم اپنے کاروبار کا رونا نہ رونے لگیں۔ وہ ایک اور
میز کی طرف چلا گیا۔ اور اسی وقت فوزیہ آ گئی۔ فوزیہ کو دیکھ کر اس کی جان میں
جان آئی ——— سیٹھ ابراہیم فوزیہ سے اچھی طرح واقف تھے۔ اور
فوزیہ بھی ان سے بہت مذاق کر سکتی تھی ——— وہ سیٹھ کی طرف چلی گئی
اور بڑی بے تکلفی سے زہرہ سے باتیں کرنے لگی ——— زہرہ نے
اسے بھی کھانے میں شریک کر لیا اور مجبوراً پرویز کو شریک ہونا پڑا ———
زہرہ نے کہا
"فوزیہ ——— میرا تو یہاں سے جانے کو دل ہی نہیں چاہتا۔"
"تو نہ جائیے ———"

سیٹھ نے کہا

"یہ یہاں آنے کے لیے روز دنگا کرتی ہے لیکن اپنا کاروبار مندا ہے ——"

فوزیہ نے زہرہ سے کہا

"آپ میرے پاس آجایا کیجئے۔"

زہرہ کسی خیال سے مسکرادی۔ جب بل آیا تو فوزیہ نے اس پر دستخط کردیئے اور سیٹھ رقم کی ادائیگی سے بچ گئے —— پرویز تو اپنے ایک دوست کی میز پر چلا گیا۔ فوزیہ زہرہ سے باتیں کرتی رہی۔ پھر اس نے سیٹھ کو اکیلے ہی جاتے دیکھا اور زہرہ فوزیہ کے ساتھ اوپر چلی گئی

وہ دو بجے اوپر جایا کرتا تھا۔ اس نے تین بجے تک اپنے کو کاموں میں الجھائے رکھا۔ اور جب اسے یہ یقین ہوگیا کہ زہرہ چلی گئی ہوگی تو اوپر گیا —— زہرہ بڑی بے تکلفی سے بیٹھی ہوئی باتیں کررہی تھی۔ فوزیہ اس کی باتوں پر ہنس رہی تھی۔ پرویز کی موجودگی میں بھی زہرہ باتیں کرتی رہی اور اسے مجبوراً دوسرے کمرے میں جاکر لیٹ رہنا پڑا۔

زہرہ شام کی چائے پی کر گئی —— وہ سمجھا تھا کہ یہ آفت ٹل گئی ہے۔ لیکن ساڑھے پانچ بجے جب وہ نیچے گیا تو منیجر نے کہا

"آپ کا ابھی ابھی فون آیا تھا"

"کون تھا؟"

"وہی لیگی ——"

اور منیجر مسکراتا ہوا باہر چلا گیا —— یہ فون زہرہ کا بھی ہوسکتا تھا اور ماہتاب کا بھی۔ ماہتاب کے ہونے کا زیادہ امکان تھا —— وہ منیجر کے

کمرے ہی میں رہا۔ پھر فون آیا۔

" فوزیہ ہوٹل"

زہرہ کی آواز آئی

"آپ تو مجھ سے ناراض معلوم ہوتے ہیں ——"

"اس سے پہلے بھی آپ نے فون کیا تھا؟"

"اور کون کرے گا"

"اچھا، اس وقت بتا دیجئے۔ آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں ——"

"میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکی کہ فون پر آپ کی آواز بڑی پیاری لگتی ہے ——"

"محض اپنی آواز سنانے کے لیے تو میں وقت ضایع نہیں کر سکتا۔"

"یہی تو میں بھی چاہتی ہوں ——"

"سیٹھ جی کہاں ہیں"

"اپنی مرچوں کی دوکان پر ——"

"میں بھی اپنی مرچوں کی دوکان پر ہوں ——"

"آپ تو مذاق کر رہے ہیں ——"

"دیکھئے —— میرا وقت ضایع نہ کیجئے —— اور بتا دیجئے۔ آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں ——"

"آٹھ بجے آپ قرٹیبر ہال میں مل سکیں گے؟"

"جی نہیں"

"دوسرے شو میں آئیں گے"

"جی نہیں"

"کیا آپ کو اپنی بیوی سے بہت محبت ہے ——"

"یہ فوزیہ سے پوچھیے گا"

"میں آپ سے پوچھنا چاہتی ہوں ——"

اس نے فون رکھ دیا اور اپنے آپ ہی ہنسنے لگا —— یہ عورت اسے ضرور پاگل بنا دے گی۔ وہ فوزیہ سے ضرور کہہ دے گا —— ابھی جا کر کہہ دے گا، اسے ضرور کہہ دینا چاہیئے۔

وہ اسی وقت اوپر گیا۔ فوزیہ بڑے آرام سے کرسی پر بیٹھی ہوئی شام کا اخبار پڑھ رہی تھی۔ کہنے لگا

"تم سیٹھ ابراہیم کی بیوی زہرہ کو کب سے جانتی ہو؟"

"کئی سال سے —— اور ہاں، میں اس کے متعلق ایک بات بتانا بھول گئی —— وہ ذرا سنکی سی ہے۔ خصوصاً لوگوں کو فون کرنے کا اسے خبط ہے۔ بھائی جان کو فون کیا کرتی تھی ——"

"اس نے ابھی فون کیا تھا"

"مجھے معلوم ہے"

"تمھیں کیسے معلوم"

"اس نے صبح بھی فون کیا تھا، کل بھی فون کیا تھا، مجھ سے بتاتی تھی"

"اپنے اس پاگل پن کے لیے اس نے مجھے کیوں منتخب کیا ہے"

"اسے آپ کی کوئی ادا بھا گئی ہو گی"

"ادائیں تو لڑکیوں کی ہوتی ہیں ——"

وہ ہنسنے لگی۔ کہنے لگی۔

"زہرہ فون کرتی ہے تو کرنے دیجئے۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں وہ

بڑے اچھے کردار کی عورت ہے۔"

اور فوزیہ نے ایک دم سے موضوع بدل دیا اور ہوٹل کی باتیں کرنے لگی —— وہ رات کی ڈنر کے ساتھ ہی ساتھ ہوٹل میں ڈانس کا انتظام بھی کرنا چاہتی تھی —— اور بڑے بڑے ہوٹلوں کی طرح مصر اور یورپ سے ناچنے والیوں کو بلانا چاہتی تھی —— وہ اس کی باتوں میں دلچسپی لینے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر نیچے آنے لگا تو کہنے لگی

"آپ کا سوٹ تو سل گیا ہوگا۔"

"معلوم نہیں"

"ذرا فون کر کے پوچھئے —— پرسوں شادی میں جانا ہے ——"

وہ نیچے آگیا لیکن اس نے ٹیلرز کو فون نہیں کیا —— اندھیرا ہونے کے بعد فوزیہ نیچے آگئی۔ اس کی اتنی سہیلیاں تھیں کہ روز دو چار آجاتی تھیں۔ اس کے علاوہ بڑے بڑے افسروں اور تاجروں سے اس کے تعلقات تھے جن سے ہنس کر بات کرنا اب تو تجارتی اصولوں میں داخل ہو گیا تھا۔ بہرحال نو ساڑھے نو بجے تک، جب تک چہل پہل رہی۔ فوزیہ نیچے رہی۔ پھر اوپر چلی گئی —— پرویز ساڑھے دس بجے تک رہتا تھا، منیجر سے دن بھر کی رپورٹ لیتا تھا، جن چیزوں کی ضرورت ہوتی تھی۔ ان کے لیے متعلقہ لوگوں کو روپے دیتا تھا۔ اور پھر اوپر آجاتا تھا —— ساڑھے دس بجے پھر ایک فون آیا۔ زہرہ تھی۔

"اب آپ فوزیہ کے پاس جانے کی تیاریاں کر رہے ہوں گے۔"

"جی ہاں ——"

"اور جانتے ہیں میرے سیٹھ جی کیا کر رہے ہیں ——"

"یہ آپ ہی جانیے ——"

"گیارہ بجے وہ بیٹھیں گے اور پھر پانچوں دوکانوں کے نوکروں سے پیسہ پیسہ کا حساب لیں گے۔ ساڑھے بارہ بجے وہ لوگ جائیں گے۔ اگر آج کاروبار مندا ہوا تو گھنٹہ دو گھنٹہ بیٹھ کر یہ سوچیں گے کہ اس طرح کب تک نقصان ہوتا رہے گا، اگر کاروبار اچھا ہوا ہو گا تو خوشی سے ان کو نیند نہ آئے گی۔

کیا آپ سن رہے ہیں ——"

"میں کام بھی کرتا جا رہا ہوں"

"تو کل ملیں گے"

"ضرور ——"

"کیا سچ ——"

"ہاں، کہہ تو رہا ہوں ——"

اور زہرہ کی گہری سانس لینے کی آواز آئی۔

"آپ میرا مذاق تو نہیں اڑا رہے ہیں ——"

"جی نہیں ——"

"تو کل میں شام کو آپ کا فریبر ہال میں انتظار کروں گی"

"میں آجاؤں گا"

"فوزیہ کو نہ لائیے گا"

"جی نہیں، فوزیہ کو نہیں لاؤں گا"

"اور کوئی بہانہ کر کے آیئے گا"

"اور کوئی بہانہ کر کے آؤں گا"

"مجھے یقین نہیں آرہا ہے ——"

"مجھے بھی یقین نہیں آ رہا ہے ——"

"کیا ؟"

"یہی کہ کل آپ ملیں گی"

"سیٹھ جی آ رہے ہیں، جا رہی ہوں ——"

اور فون رکھ دیا گیا —— اگر وہ یہ آخری جملہ نہ کہتی تو پرویز یہی سمجھتا کہ اسے فون کرنے کا خبط ہے۔ اسی لیے وہ وہی باتیں کہہ رہا تھا، جو وہ چاہتی تھی —— لیکن اس آخری جملے نے اس کی گھبراہٹ بڑھا دی —— چنانچہ جب وہ فوزیہ کے پاس گیا تو کہنے لگا

"ابھی تمہاری زہرہ کا فون آیا تھا"

"کیا کہتی تھی ؟"

"مجھے کل فرئیبر ہال میں بلایا ہے —— اکیلے —— خاص طور سے یہ کہا ہے کہ تم کو نہ لاؤں ——"

"وہ یونہی سب سے کہا کرتی ہے۔"

وہ اپنی ہنسی میں گھبراہٹ چھپاتا ہوا اپنے کپڑے بدلنے لگا۔ پھر جب آکر لیٹ رہا تو فوزیہ نے کہا

"وہ بڑی بامذاق عورت ہے —— ایسے ایسے اونچے اونچے مذاق کرتی ہے کہ جو لوگ یقین کر لیتے ہیں۔ ان کو ایسی پشیمانی ہوتی ہے کہ وہ اس سے نظریں نہیں ملا سکتے ——"

"لیکن میں نے جانے کا ارادہ کر لیا ہے ——"

"آپ جا کر دیکھ لیجیے گا، وہ آئے گی نہیں ——"

"تم بھی ساتھ چلنا —— اور دور سے مجھے دیکھتی رہنا ——"

"چلوں گی"

اور پھر وہ اپنے ہی نام کو جلتا اور بجھتا ہوا دیکھتی رہی۔ پھر اس کی انگلیوں کو اپنے دانتوں سے ہلکے ہلکے کاٹتی رہی اور پھر سو گئی۔

دوسرے دن زہرہ کا دو مرتبہ فون آیا۔ پہلا دو بجنے میں پانچ منٹ پر اور دوسرا پانچ بج کر بیس منٹ پر۔ جیسے اسے اس کے اوقات معلوم تھے کہ وہ دو بجے اوپر جاتا ہے اور سوا پانچ بجے نیچے آتا ہے ——— دو مرتبہ ویسی ہی اونٹ پٹانگ باتیں ہوئیں۔ دوسری مرتبہ تو زہرہ نے فون رکھتے رکھتے کہا کہ وہ آٹھ بجے اس کا انتظار کرے گی لیکن آٹھ بجے نہ وہ خود ہی گیا اور نہ فوزیہ ہی نے یاد دلایا ——— نو بجے فوزیہ تو اوپر چلی گئی۔ ساڑھے دس بجے زہرہ کا پھر فون آیا

"آپ نے مجھے دو گھنٹہ تک خوب سکھایا"

"کیا آپ واقعی میرا انتظار کر رہی تھیں"

"تو کیا آپ مذاق سمجھ رہے تھے"

"میں تو اب بھی مذاق ہی سمجھتا ہوں ———"

"آپ کو نہیں معلوم کہ آپ میری کتنی مدد کر سکتے ہیں ———"

"آپ کو کیا پریشانی ہے؟"

"لیکن میں اب نہیں بتاؤں گی ———"

اور اس وقت وہ ہنسی بھی نہیں۔ پھر فون رکھ دیا گیا ——— اوپر آیا تو فوزیہ سونے کے لیے لیٹ چکی تھی۔ کہنے لگی۔

"مجھے آج نیند آ رہی ہے"

ہنس کر کہنے لگا

"تو تم کو نیند کب نہیں آتی تھی"

"آج تو میری آنکھیں بند ہوئی جا رہی ہیں ———"

اور جب وہ کپڑے بدل کر آیا تو وہ واقعی سو چکی تھی ——— اس کا نیا سوٹ سامنے ٹنگا ہوا تھا جسے فوزیہ نے ٹیلرز کے یہاں سے منگوا لیا تھا۔ سوٹ کو دیکھ کر اسے ماہتاب یاد آ گئی۔ اور وہ اسی کے متعلق سوچتا ہوا سو گیا۔

* * * * * *

دوسرے دن وہ شام کو پانچ بجے فوزیہ کے ساتھ ماہتاب کے گھر گیا۔ گھر میں خوب چہل پہل تھی۔ فوزیہ تو ماہتاب کے پاس اندر چلی گئی ——— پرویز باہر مردوں میں بیٹھا رہا۔ چھ بجے بارات آئی، سوا چھ بجے نکاح ہو گیا۔ حمید کی گود میں اس کے دونوں بچے بیٹھے تھے اور سہرے سے کھیل رہے تھے ——— جو نکاح کے بعد اس نے اتار کر ان دونوں کے سروں پر باندھ دیا تھا ——— پرویز کے احساسات جیسے سوئے پڑے تھے۔ نہ اُسے خوشی ہو رہی تھی اور نہ غم ——— وہ ایک نمائش بین کی حیثیت سے اس کھیل کو دیکھ رہا تھا ——— حمید نے اشارے سے اسے اپنے قریب بلایا ——— وہ جا کر بیٹھ گیا ——— بچوں نے اسے چھوارے بھی دیئے ——— اس نے ایک چھوارا بھی کھایا۔ حمید سے باتیں بھی کیں۔ پھر گھڑی کی طرف دیکھ کر

کہنے لگا۔

"اچھا، اب میں تو چلتا ہوں، رخصتی تو گیارہ بارہ بجے ہو گی"

"دعوت ولیمہ کا خیال رکھنا پرویز بھائی"

"ٹھیک وقت پر سب انتظامات ہو جائیں گے، آپ اطمینان رکھئے ——"

اس نے اندر ایک بچے کو بھیج کر فوزیہ سے پوچھوایا کہ کیا وہ چلے گی، بچے نے اندر سے آکر کہہ دیا کہ وہ جائے، وہ رخصتی کے بعد آجائے گی —— وہ حمید سے ہاتھ ملا کر اور اپنے ابا جان کو سلام کر کے چلا آیا جو انتظامات میں پیش پیش تھے —— جب وہ جمشید روڈ کی موڑ پر پہنچا تو ایک دم سے اس کی موٹر کے سامنے ایک رکشا آگیا۔ وہ بڑی مشکل سے بچا پایا اور پھر اسے ہوش آیا کہ وہ ماہتاب کے نکاح سے آرہا تھا۔ اور اب اس کا دل ڈوبنے لگا۔ وہ کتنی ہی دیر تک سڑک کے کنارے موٹر روکے بیٹھا بیٹھا سگریٹ پیتا رہا۔ پھر ہوٹل پہنچا اور اسے آئے ہوئے مشکل سے تین چار منٹ ہوئے تھے کہ زہرہ کا فون آیا۔ پہلے تو اس کا دل چاہا کہ رسیور رکھ دے لیکن پھر یہ سوچ کر کہ شاید اسے اپنے دل پر قابو ہو سکے۔ وہ زہرہ سے باتیں کرنے لگا۔

"آپ نے دیکھ لیا کہ میں خفا بھی ہو سکتی ہوں"

"جی ہاں دیکھ لیا"

"میں دن بھر آپ کو فون کرنے کے لیے تڑپتی رہی تھی"

"اس وقت کیا کر رہی ہیں ——؟"

"کچھ نہیں"

"مجھے بھی کچھ نہیں کرنا ہے۔ میں تو کلفٹن جا رہا ہوں ــــــ"

اور یہ کہہ کر اس نے فون رکھ دیا ــــــ اسے اس وقت اپنی باتوں پر ہنسی نہیں آ رہی تھی ــــــ اس نے کلفٹن کا یونہی نام لے لیا تھا ــــــ لیکن اب اسے کلفٹن کی یاد ستانے لگی ــــــ سوچنے لگا کہ وہ ریت پر آرام سے بیٹھ کر لہروں کے شور میں اپنے تمام غم بھلا دے گا۔ مینجر سے دو چار باتیں کیں اور موٹر پر بیٹھ کر کلفٹن چلا گیا۔ سمندر کے کنارے بدمزہ چائے پی، دو لڑکیاں بے تحاشہ ہنس رہی تھیں، کچھ دور تک ان کا پیچھا کیا۔ پھر گھٹنوں گھٹنوں پانی میں کھڑا رہا۔ اس وقت چاند نکل رہا تھا۔ اس کی ہلکی ہلکی روشنی پوری فضا کو خوابناک بنائے ہوئے تھی ــــــ پھر وہ گھٹنوں کے گرد اپنے دونوں ہاتھ ڈال کر بیٹھ گیا۔ حمید کو مبارکباد دینے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ خود اس نے اپنی آواز بھی پہچانی۔ پھر بچوں کے ہنسنے کی آوازیں سنیں۔ حمید اس سے کچھ کہہ رہا تھا۔ وہ حمید سے کچھ کہہ رہا تھا، رخصتی گیارہ بارہ بجے ہو گی، فوزیہ رخصتی کے بعد آئے گی، وہ گھر جائے، وہ آجائے گی ــــــ وہ آجائے گی ــــــ

انہی خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ کسی نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ وہ چونکا۔ دیکھا۔ زہرہ کھڑی ہے۔ زہرہ ہنس نہیں رہی تھی۔ اس ہلکی ہلکی روشنی میں اس کی آنکھوں میں چمک تھی ــــــ اس خاموشی میں ہزار داستانیں تھیں۔ اس کے کپڑوں میں خوشبو تھی۔ اس کی چوڑیوں کی جھنکار میں ایک عجیب دعوت تھی۔ کہنے لگی

"مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ یہ تم ہی ہو ــــــ"

"تم زہرہ ہی ہو نا؟"

"ہاں، میں زہرہ ہوں"

"جس کے شوہر کو اپنی مرچوں کی دوکان سے فرصت نہیں ملتی ——"

"میں اس کے متعلق سوچنا نہیں چاہتی"

"میں بھی نہیں سوچنا چاہتا کہ تم کون ہو اور میں کون ہوں - آؤ ہم دونوں یہ بھول جائیں کہ ہم کون ہیں - تم زہرہ بھی نہ رہو - میں —— لو، میں تو بھول گیا کہ میں کون ہوں ——"

"مجھے کب سے تمھاری تلاش تھی"

"تو تم نے مجھے پالیا ہے - آؤ، بیٹھ جاؤ —— سمندر کے شور کو سنو"

"نہیں، یہاں سے چلو ——"

"کہاں چلو گی"

"میرا ایک اور گھر ہے جہاں کوئی نہیں رہتا - وہاں یہ ضرر نہیں ہے چاروں طرف پھیلی ہوئی یہ نظریں نہیں ہیں - مرچوں کی دھانس آنے کا خدشہ نہیں ہے"

"تم تو شاعرہ ہو"

"میں بھکارن ہوں اور تم سے محبت کی بھیک مانگ رہی ہوں"

"میں محبت لٹا کر آیا ہوں"

"یہاں وقت ضایع نہ کرو —— چلو، ہمیں بہت دور جانا ہے"

"چلو ——"

زہرہ خود موٹر چلا رہی تھی اور وہ اس کے کپڑوں سے اٹھتی ہوئی خوشبو کی لپٹوں میں کھویا ہوا تھا - شہر کی جگمگاتی سڑکیں آئیں اور پیچھے رہ گئیں - موٹر فراٹے بھرتی ملیر کی طرف جانے لگی

"تم آہستہ کیوں چلا رہی ہو"

"چالیس کی رفتار ہے"

"پچاس کی کر دو ـــــ ساٹھ کی کر دو ـــــ سو کی کر دو ـــــ"

"ساٹھ سے زیادہ تیز چلاتے ہوئے میں ڈرتی ہوں"

"ڈرو نہیں ـــــ تیز کرو ـــــ اور تیز ـــــ اور تیز ـــــ"

موٹر چلتے چلتے رک گئی ـــــ پوچھنے لگا

"کیا ہوا ـــــ کیا پٹرول ختم ہو گیا ـــــ"

"نہیں گھر آ گیا ہے ـــــ"

"یہی گھر ہے؟"

"اندر روشنی کا پورا انتظام ہے ـــــ"

"یہاں کون رہتا ہے ـــــ"

"اب ہم دونوں رہتے ہیں ـــــ"

اور ہنستی ہوئی نیچے اترنے لگی ـــــ جب اس نے موٹر کا دروازہ بند کر دیا اور گھوم کر اس کی طرف آ گئی تو کہنے لگا۔

"رخصتی تو گیارہ بارہ بجے ہو گی نا"

"تم جب چاہو ـــــ"

"سب لوگ کیا کہتے ہیں ـــــ"

"یہاں ہمارے علاوہ کوئی نہیں ہے ـــــ"

"تب تو واپس چلی چلو ـــــ جہاں کوئی نہیں ہوتا وہاں سب آ جاتے ہیں ـــــ"

اور وہ اس کی بے معنی باتوں پر ہنسنے لگی ـــــ اس کی ہنسی کی آواز سے اسے نیند آئی جا رہی تھی۔ حمید کو سب لوگ مبارکباد دے رہے

تھے۔ ان آوازوں میں اس نے اپنی آواز بھی سنی۔ پھر بچے ہنسنے لگے۔
رخصتی تو گیارہ بارہ بجے ہو گی ـــــ فوزیہ رخصتی کے بعد خود ہی
آجائے گی ـــــ وہ گھر جائے ـــــ وہ گھر جائے ـــــ لیکن وہ
فوراً ہی گھر نہ آسکا۔ اس عورت کی ہنسی نے اس کے پیروں میں
زنجیریں ڈال دیں۔ اس کے کپڑوں کی خوشبو نے اس کے احساسات کو
بالکل ہی سلا دیا ـــــ اگر وہ سگرٹ سے جل نہ جاتا تو اسے وقت کا
احساس نہ ہوتا ـــــ گھڑی کی طرف دیکھا، گیارہ بجے تھے اور زہرہ
ہنسے جا رہی تھی ـــــ وہ تو اسے اپنے ساتھ موٹر میں بٹھانا بھی نہیں
چاہتا تھا۔ وہ خود ہی بیٹھ گئی ـــــ پھر ایک جگہ اتر گئی ـــــ وہ ہوٹل
آیا ـــــ اوپر گیا ـــــ کمروں میں تاریکی تھی۔ فوزیہ واپس نہیں آئی تھی
ـــــ سوچنے لگا کہ کیا وہ اس زخم کو چھپا سکے گا۔ جب وہ کپڑے بدل کر
سونے کے لیے لیٹا تو سامنے فوزیہ ہوٹل کے قدآدم حروف روشن تھے ـــــ
یہ حروف کبھی جلتے تھے۔ کبھی بجھتے تھے۔ اور تیسری منزل کے کسی کمرے سے
انگریزی نغموں کے ریکارڈوں کی آواز آرہی تھی ـــــ نیچے سے موٹروں
کے گذرنے کی آوازیں آرہی تھیں ـــــ وہ آنکھیں بھینچ کر لیٹا رہا۔ اور پھر
اسی حالت میں سو گیا۔

صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو فوزیہ بے خبر سو رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پہ

ایسی دلفریب مسکراہٹ تھی کہ اسے یہ یقین ہو گیا کہ رات کو وہ کلفٹن ہی گیا تھا۔ لیکن زہرہ نہیں آئی تھی۔ وہ اس کے ساتھ کہیں نہیں گیا تھا۔ وہ اپنی بیوی سے بے وفائی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ بہت دیر تک یونہی لیٹا رہا۔ اور اپنے دل میں اٹھتے ہوئے شبہات کو دور کرتا رہا۔ پھر وہ فوزیہ کو سوتا ہوا چھوڑ کر نہانے دھونے چلا گیا۔ کپڑے بدل کر نیچے آیا۔ اور آتے ہی اسے یقین ہو گیا کہ وہ خواب نہیں تھا۔ سیٹھ ابراہیم اپنی نازک اندام بیوی کے ساتھ ناشتہ کرنے آئے تھے۔ اور ان کی نازک اندام بیوی کی آنکھوں میں رات کی بے شمار کہانیاں تڑپ رہی تھیں۔ وہ سیدھا مینجر کے کمرے میں چلا گیا اور وہاں سے اس وقت تک نہیں نکلا جب تک سیٹھ ابراہیم چلے نہیں گئے۔

ایک گھنٹہ بعد جب فوزیہ نیچے آئی تو وہ اس سے نظریں نہ ملا سکا۔ وہ شادی کے واقعات بیان کر رہی تھی۔ اور اس کے کانوں میں زہرہ کی قیامت خیز ہنسی گونج رہی تھی ——— وہ حمید کے دونوں بچوں کا ذکر کر رہی تھی اور اسے اپنے سارے جسم پر چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ جب اس نے یہ کہا کہ دعوت ولیمہ کے انتظامات مکمل ہو گئے ہیں یا نہیں تو اسے ہوش آیا۔ منیجر کو بلا کر پوچھا۔ جس کلب میں یہ دعوت تھی وہاں خیمے بھیج دیئے گئے تھے۔ فرنیچر بھیج دیا گیا تھا۔ بجلی استعمال کرنے کی اجازت لے لی گئی تھی۔ باقی ہی کیا رہ گیا تھا

دو بجے وہ فوزیہ کے ساتھ ماہتاب کے لیے تحفہ خریدنے گیا۔ اسے صبح سے ماہتاب میں کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی ——— کم از کم وہ سمجھ یہی رہا تھا کہ اسے اب ماہتاب یا کسی لڑکی سے دلچسپی نہیں ہے ——— وہ فوزیہ ہی کا بن کر اس دھبے کو دھونا چاہتا تھا۔ اس زخم پر مرہم رکھنا چاہتا تھا۔ فوزیہ نے جو تحفہ خریدنے کو کہا۔ اس نے اس کی قیمت ادا کر دی۔ پھر چار بجے وہ دعوت کے انتظامات کے سلسلے میں اس کلب گیا جہاں دعوت تھی۔

کھانے کی جو چیزیں ہوٹل میں تیار ہو سکتی تھیں، وہ وہیں سے تیار ہو کر آگئی تھیں۔ جو چیزیں وہاں تیار ہونا تھیں۔ ان کی دیگیں چڑھی تھیں۔ برف کی سلیں موجود تھیں۔ لیمونیڈ کی بوتلیں موجود تھیں۔ پھول دانوں میں پھول موجود تھے۔

ساڑھے پانچ بجے مہمان آنے لگے۔ وہ چونکہ مہمان کی حیثیت سے نہیں گیا تھا۔ ہوٹل کی طرف سے گیا تھا اس لیے اسے ان مہمانوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ حمید نے اسے بلایا۔ اس سے باتیں کیں۔ ماہتاب بھی نظر آئی۔ وہ بے حس ہی رہا۔ جہاں اور مہمان آئے تھے وہاں فوزیہ بھی تھی۔ اور یہ دیکھ کر اس کی کنپٹیاں دکھنے لگیں کہ فوزیہ کے ساتھ زہرہ بھی تھی۔ فوزیہ زہرہ کے پاس آگئی اور اس کے کہنے سے دعوت میں شریک ہونے پر راضی ہو گئی تھی۔ حمید کے دوست حمید کو اور ماہتاب کی سہیلیاں ماہتاب کو تحفے دے رہی تھیں۔ فوزیہ نے بھی اپنی اور اس کی طرف سے خوبصورت کاغذ میں لپٹے لپٹائے تحفے دے دیئے۔ اور پھر کھانے کا سلسلہ چلا ــــــــ حمید نے تین سو مہمانوں کو مدعو کیا تھا۔ دو سو تو ضرور آئے ہوں گے۔ ساڑھے آٹھ بجے کھانے سے فرصت ملی۔ پھر فوزیہ زہرہ کے ساتھ چلی گئی اور وہ رکا رہا۔ حالانکہ اس کے ٹھہرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ جب ہوٹل کا سب سامان واپس چلا گیا اور صرف فرنیچر اور خیمے رہ گئے تو وہ موٹر میں بیٹھ کر واپس آگیا۔

تیسرے دن فوزیہ کے پاپا ڈھاکہ سے واپس آ گئے —— لیکن جب فوزیہ نے اس سے لاہور اور پنڈی چلنے کو کہا تو اس نے کوئی خاص دلچسپی نہیں لی۔ کہنے لگا۔

" اب جانے دو —— وہاں جا کر بھی کیا ملے گا، روپیہ الگ صرف ہو گا۔"

" نہیں، اگر کراچی سے اکتا گئے ہوں تو ضرور چلیے ——"

" انسان کسی خارجی چیز سے نہیں اکتاتا ——"

" تو کیا آپ اپنے سے اکتا گئے ہیں ——"

" شاید ——"

" لیکن کیوں —— آپ کو کس چیز کی کمی ہے۔ آپ کے والدین خوش ہیں، آپ کی بیوی آپ سے خوش ہے۔ پھر آپ اپنے سے کیوں اکتا گئے ہیں ——"

" معلوم نہیں —— مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ میں اپنے سے اکتا بھی گیا ہوں ——"

فوزیہ اسے غور سے دیکھنے لگی۔

" آپ ایسے کیوں بن گئے ہیں ——؟"

اور اس کا دل چاہا کہ اپنی لغزش کا اعتراف کر لے۔ لیکن فوزیہ برداشت نہیں کر پائے گی۔ اس سے یہ بھی سکون چھن جائے گا۔ لیکن وہ یہ ضرور محسوس کر رہا تھا کہ اب وہ فوزیہ سے اتنی بھی محبت نہیں کر پائے گا۔ اسے اپنے گناہوں کا خود ہی کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔ اس دن وہ بہت رات تک فوزیہ سے دلجوئی کی باتیں کرتا رہا۔

* * * * * *

۷

ترغیب

یہ زخم ایسا تھا جو اور گہرا ہوتا جاتا تھا۔ وقت کے ساتھ ہی ساتھ یہ احساس بڑھتا جاتا تھا کہ محبت تھی، وہ ماہتاب کی نذر کر بیٹھا تھا۔ سچائی تھی۔ وہ زہرہ نے اپنی ہنسی سے بے وفائی میں بدل دی تھی۔ اس کے پاس اپنی بیوی کو دینے کے لیے کچھ نہیں رہ گیا تھا۔ محض ساتھ میں رہنے، ہنسنے بولنے سے گناہوں کا کفارہ ادا نہیں ہو سکتا۔

فوزیہ اس میں تبدیلی دیکھ رہی تھی اور اس کی بے زاری، اس کی خاموشی سمجھنے سے قاصر تھی۔

ایک دن کہنے لگی

"یہ آپ کو کیا ہوتا جا رہا ہے۔ آپ میرے پاس ہوتے ہیں لیکن آپ کا دل نہ جانے کہاں ہوتا ہے۔ آخر ہوا کیا ہے ——؟"

کہنے لگا

"فوزیہ —— تم نے میرے ساتھ شادی کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے ——"

"میں نے اگر غلطی کی ہے تو مجھے اپنی اس غلطی پر فخر ہے ——"

"تم جسے سونا سمجھ رہی تھیں، وہ تو پیتل کی چمک تھی ——"

"تو کیا آپ مجھ سے شادی کر کے خوش نہیں ہیں؟"

"اگر میں خوش رہنا بھی چاہوں تو نہیں رہ سکتا فوزیہ —— میرے پاس جو کچھ ہے وہ میں تم کو دے دینا چاہتا ہوں۔ لیکن جب دینے کے لیے اپنا دامن ٹٹولتا ہوں تو وہ خالی نظر آتا ہے ——"

فوزیہ اس کی باتوں کو سمجھ نہ سکی —— اور سمجھ بھی کیسے سکتی تھی جبکہ اس نے کبھی پرویز کے دل میں جھانک کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ جب اس نے پرویز سے شادی کی، اس وقت اسے پرویز سے محبت نہیں تھی۔ شادی تو اس نے اس لیے کی تھی کہ وہ اور تمام لڑکیوں سے ہٹ کر چلنا چاہتی تھی —— اس کی ماں ایک غریب خاندان کی لڑکی تھیں۔ اگر وہ اس کے پاپا سے شادی نہ کرتیں تو ان کو زندگی میں یہ آسائشیں نصیب نہ ہوتیں۔ وہ کسی غریب سے بیاہی جاتیں، اس کے بچوں کو پالتیں پوستیں اور

ایک دن گمنامی میں مرجاتیں ـــــ زیادہ تر عورتوں کی زندگی مرد سنوارتے ہیں ـــــ وہ چاہتی تھی کہ کسی ایسے شخص سے شادی کرے۔ جس کی زندگی وہ خود سنوار سکے ـــــ پرویز تعلیم یافتہ تھا۔ لیکن غریب تھا۔ اس کی زندگی کے تصورات مختلف تھے اور وہ جانتی تھی کہ اگر وہ ان تصورات کو پورا کرنے کی کوشش کرے گا تو بُری طرح سے ناکام ہوگا ـــــ اس لیے اس نے شروع ہی سے اہم معاملات میں اپنی بات منوائی ـــــ پرویز نے ملازمت کی اس نے استعفیٰ دلوا دیا ـــــ اسے ایک شاندار ہوٹل میں برابر کا شریک بنا دیا ـــــ وہ حیران تھی کہ پرویز آخر کیا چاہتا ہے ـــــ کہنے لگی۔

"میں نہ شاعر ہوں اور نہ فلسفی ـــــ میں تو سیدھی سادی زندگی گذارنا جانتی ہوں ـــــ میرا تو یہ خیال ہے کہ جو کچھ میرا ہے وہ آپ کا ہے۔ جو کچھ آپ کا ہے وہ میرا ہے ـــــ اگر آپ کے پاس کچھ نہیں ہے اور بقول آپ کے آپ کا دامن خالی ہے تو میں اسی خالی دامن ہی کو اپنا سمجھتی ہوں ـــــ"

پرویز نے کچھ اور کہنا مناسب نہیں سمجھا۔ اور سگرٹ پیتا ہوا نیچے چلا گیا۔

ایک مہینہ اسی طرح گذر گیا ـــــ اس ایک مہینے میں زہرہ سے کئی مرتبہ ملاقات بھی ہوئی اور فون پر بھی باتیں ہوئیں ـــــ زہرہ نے فوزیہ پر کچھ ایسا جال بچھا رکھا تھا کہ جہاں دو چار دن نہ آتی، فوزیہ خود ہی اسے فون کر کے بلا لیتی۔ دو دو تین تین گھنٹے اپنے پاس بٹھائے رکھتی۔ پرویز کہاں تک نظر انداز کرتا۔ کہاں تک دامن بچاتا۔ زہرہ سے اس کی ٹکر ہو ہی جاتی

ایک دن زہرہ کا فون آیا

"کیا آپ مجھے منجدھار میں چھوڑ دینا چاہتے ہیں"

"تم اب کیا چاہتی ہو؟"

"میں نے پہلے کبھی چاہا تھا جو اب کچھ چاہوں گی ——— میں دل لگی کر رہی تھی، آپ نے مجھے بھنور میں کھینچ لیا۔"

"تم اس دن آئی کیوں تھیں ———"

"اس دن کا ذکر کر کے میرا سینہ کیوں چھلنی کرتے ہیں ———"

"دیکھو زہرہ ——— تم ایک باعزت شخص کی بیوی ہو ———"

"یہ نہ بھولیے کہ آپ کی بھی بڑی عزت کی جاتی ہے ———"

"میں تو اس دن کو بھول جانا چاہتا ہوں لیکن تم بہانے بہانے سے سامنے آ کر اور فون کر کے زخموں کو ہرا کرتی رہتی ہو ——— ہم دونوں تباہ ہو جائیں گے زہرہ ——— اگر تباہی سے بچنا چاہتی ہو تو یہاں آنا چھوڑ دو ——— فون کرنا چھوڑ دو ———"

ادھر سے ہنسی کے ساتھ یہ جملہ کہا گیا

"مختصراً جینا نہ چھوڑ دوں ———!"

"تم مذاق میں ٹال دینا چاہتی ہو ———"

"آپ بھی تو ایسے مذاق کرتے ہیں ——— کلیوں سے کہہ رہے ہیں، کھلنا چھوڑ دو، ساز چھیڑ رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس میں سے آواز نہ پیدا ہو ———"

"کہیں تمہیں پچھتانا نہ پڑے زہرہ ———"

اور ادھر سے ہنسی کے ساتھ فون رکھنے کی آواز آئی ——— اور پرویز اور تلملا کر رہ گیا۔

اس عرصہ میں اس کی ماہتاب سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ ماہتاب کے متعلق

اُس نے سوچنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ لیکن جس طرح زہرہ اس کی تنبیہہ کے باوجود سیلاب کی طرح بڑھتی چلی آ رہی تھی ۔ ماہتاب بھی ایک دن اس کے سامنے آ گئی ۔ اور ستم یہ کہ حمید کے ساتھ آئی ۔

وہ دو بجے فوزیہ کے پاس جانے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ بیرے نے آ کر کہا ۔

" ایک صاحب بہت دیر سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں ——— "

" کہاں ——— "

" ادھر کونے کی میز پر بیٹھے ہیں ——— "

وہ منیجر کے کمرے سے باہر نکلا ——— دیکھا کہ حمید بیٹھا ہے اور ماہتاب بیٹھی ہے ۔ دونوں کھانا کھا چکے ہیں ۔ بل کی قیمت ادا کی جا چکی ہے وہ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ ان دونوں کے پاس گیا ۔ حمید نے کہا

" پرویز بھائی تم تو اتنا مصروف رہتے ہو کہ ہوٹل میں بھی نظر نہیں آتے ——— "

" کچھ کام کر رہا تھا ——— "

" ہم لوگ کل ہی پنڈی سے واپس آئے ہیں ——— ماہتاب فوزیہ کو فون کرنے لگیں ۔ میں نے کہا کہ چلی چلو ——— کھانا بھی کھائیں گے اور تم لوگوں سے بھی مل لیں گے ——— "

اس نے ڈرتے ڈرتے ماہتاب کی طرف دیکھا ۔ جس نے ہاتھ اٹھا کر سلام کیا ۔ اور پھر پوچھنے لگی

" فوزیہ اوپر ہے یا کہیں گئی ہوئی ہے ——— "

"اوپر ہی ہے ——— بیٹھیے ———"

اور وہ ان دونوں کے ساتھ اوپر آیا ——— فوزیہ اور ماہتاب آپس میں گلے لگ کر خوب ہنسیں۔ اور وہ ان بے معنی قہقہوں سے بے پروا بننے کی کوشش کرتا رہا۔ اور حمید سے ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا فوزیہ اور ماہتاب میں چپکے چپکے باتیں ہوتی رہیں۔ اور ان باتوں کے اس سلسلے نے اتنا طول کھینچا کہ حمید نے کہا۔

"اچھا، تم فوزیہ کے پاس بیٹھو ——— میں چند ضروری کام کر آؤں ——— پانچ بجے تک اگر واپس نہ آؤں تو چلی جانا ——— میں شام کو آٹھ بجے پہنچوں گا ———"

فوزیہ نے کہا

"ہاں، آپ چلے جائیے۔ میں شام کو پانچ بجے نہیں، آٹھ بجے ماہتاب کو بھیج دوں گی ———"

حمید چلا گیا اور پرویز نے چاہا کہ وہ اپنے کمرے میں جا کر لیٹ رہے اور ان دونوں کو باتیں کرنے دے لیکن فوزیہ بولی

"وہاں کہاں چلے ——— بیٹھیے تو ——— میں ماہتاب کے سامنے آپ کا مقدمہ پیش کرنا چاہتی ہوں ———"

ماہتاب نے مسکرا کر کہا

"کیسا مقدمہ ———"

"کچھ پوچھو نہیں ماہتاب ——— آج کل ہمارے پرویز صاحب کو یہ خبط ہے کہ اپنے کو میری نظروں سے گرائیں۔ کہتے ہیں کہ ان کا دامن خالی ہے۔ وہ مجھے نہ کچھ دے سکے ہیں اور نہ دے سکیں گے ———"

پرویز نے ماہتاب کی آنکھوں میں ایک لمحہ کے لیے بے چینی سی دیکھی۔ لیکن ان آنکھوں میں پھر وہی مسکراہٹ ابھر آئی

"ہمارے پرویز بھائی شاعرانہ مزاج رکھتے ہیں"

"مجھے ان کے شاعرانہ مزاج کی قدر ہے لیکن خواہ مخواہ ہی کے لیے ایک الجھن پیدا کرنا کہاں کی شاعرانہ اپج ہے۔ اپنے کو بہت احتیاط سے، گویا ڈبے میں بند کر کے رکھتے ہیں کہ میں چھو نہ لوں ——"

اور ماہتاب فوزیہ کی اس تشبیہہ پر ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئی۔ صرف پرویز ہی یہ محسوس کر پایا کہ اس ہنسی میں تصنع کا کتنا حصہ تھا

فوزیہ نے کہا

"اب آپ خاموش کیوں ہیں۔ اپنا مقدمہ پیش کیجئے نا!"

ماہتاب بولی

"لیکن تم نے مجھے جج کب سے سمجھ لیا ہے ——"

"میری سہیلیوں میں سب سے زیادہ فلسفہ تم ہی بگھارا کرتی تھیں یہ بھی تو فلسفہ کا ایک پہلو ہے۔"

پرویز سے جس حد تک برداشت ہوا۔ وہ برداشت کرتا رہا۔ پھر کہنے لگا۔

"فوزیہ، میری باتیں کر کے اپنی سہیلی کا وقت کیوں ضائع کر رہی ہو ——"

فوزیہ نے ہنس کر کہا

"دیکھ لیا تم نے —— ان حضرت کو یہ تک خیال ہے کہ ان کے متعلق باتیں کرنا گویا وقت ضائع کرنا ہے ——"

ماہتاب نے پرویز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

"فوزیہ مذاق تو نہیں کر رہی ہے ——"

اس نے سگرٹ سلگانے میں اس سوال کو ٹال دیا۔ اور پھر کہنے لگا۔

"مجھے نیند آ رہی ہے فوزیہ —— تم دونوں باتیں کرو —— میں سوتا ہوں"

اور فوزیہ کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ اپنے کمرے میں آگیا۔

ماہتاب کو دیکھ کر اسے اپنے سے اور زیادہ نفرت ہو گئی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ وہ ماہتاب کے بھی قابل نہیں تھا جب ہی اس نے ٹھکرا دیا ہے فوزیہ کے بھی قابل نہیں تھا۔ لیکن فوزیہ نے اسے زمین پر سے اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا تھا۔ اسے فوزیہ سے زیادہ پشیمانی ہونا چاہیئے تھی لیکن یہ عجیب بات تھی کہ وہ ماہتاب سے زیادہ گھبرا رہا تھا —— دوسرے کمرے سے اس کی آواز آ رہی تھی —— وہ فوزیہ کی کسی بات پر ہنس رہی تھی —— اسے اس آواز سے ڈر معلوم ہو رہا تھا —— جیسے —— جیسے —— اور وہ کوئی مثال نہ تلاش کر سکا۔ جب یہ آواز بھی برداشت نہ ہوئی تو وہ اٹھا اور نیچے آگیا —— اور زہرہ کو فون کرنے لگا۔

"زہے نصیب، آپ نے یاد تو کیا"

"مجھے میرا سکون واپس کر دو زہرہ ——"

"میں سمجھی نہیں ——"

"میں جب فوزیہ کے پاس ہوتا ہوں تو تم یاد آ جاتی ہو ——"

"یہ تو میری خوش قسمتی ہے ——"

"میں مذاق نہیں کر رہا ہوں —— مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا ہے میں فوزیہ سے سب کچھ بتانے والا ہوں ——"

"کہیں ایسی حماقت بھی نہ کیجئے گا"

"پھر کیا کروں ——"

"فوزیہ کیا کر رہی ہے ؟"

"وہ اپنی ایک سہیلی سے باتیں کر رہی ہے ——"

"کیا آپ آ سکتے ہیں —— ؟"

"کہاں —— ؟"

"میرے گھر —— مرچوں والے سیٹھ جی گھر پر موجود ہیں۔ آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں —— آئیے۔ تو میں کچھ بتاؤں ——"

اور وہ کچھ ایسا گھبرایا ہوا تھا کہ اسی وقت سیٹھ ابراہیم کے گھر پر چلا گیا۔ سیٹھ جی موجود تھے۔ اس کے آنے پر تعجب کرنے لگے لیکن اس کے ایک بہانہ پر مطمئن ہو گئے اور اپنے کاروبار کا رونا رونے لگے۔ زہرہ بڑی سنجیدگی سے بیٹھی رہی۔ سیٹھ نے کہا

"میں ابھی زہرہ سے کہہ رہا تھا کہ ایک لاکھ روپیہ مجھے قرض دیدو۔"

"کیا کیجئے گا سیٹھ جی ——"

"لکڑی کا کاروبار کروں گا، مرچوں کے کاروبار میں مزا نہیں رہا سیٹھ ——"

وہ ہنسنے لگا —— زہرہ خاموشی سے مسکراتی رہی اور وہ اس کی مسکراہٹ سے بھی گھبرا گیا اور واپس چلا آیا۔ وہ حیران تھا کہ زہرہ نے بلایا کیوں تھا —— دفتر میں بیٹھے ہوئے اسے بمشکل دو منٹ ہوئے تھے کہ زہرہ کا فون آیا

"تو آپ سمجھ گئے کہ آپ کو کیا کرنا چاہیئے ؟"

"میں سمجھا نہیں ——"

"سیٹھ جی نے شادی کے وقت دو لاکھ روپیہ میرے نام جمع کیا تھا۔"

"پھر ——"

"وہ یہ روپیہ کسی نہ کسی طرح مجھ سے وصول کر لینا چاہتے ہیں۔ اسی لیے کاروبار میں گھاٹے کا ڈھونگ رچائے ہوئے ہیں —— میں یہ روپیہ ان کو کسی قیمت پر نہیں دوں گی —— لیکن اگر آپ چاہیں تو میں یہ روپیہ آپ کے قدموں پر بکھیر دوں گی۔"

"میں روپیہ کیا کروں گا زہرہ ——"

"فوزیہ ہوٹل کے بجائے پرویز ہوٹل کے مالک بن جائیے۔"

"تم یہ کیا کہہ رہی ہو —— ؟"

"میں سچ کہہ رہی ہوں —— سیٹھ ابراہیم ابھی بہت دن تک زندہ رہیں گے۔ اس وقت تک میں خود ہی مر جاؤں گی۔ اور میں ابھی مرنا نہیں چاہتی ——"

"تم اپنے ہوش میں تو ہو زہرہ ——"

"میں اس وقت جتنا ہوش میں ہوں —— اس سے پہلے کبھی نہیں تھی —— یہ صورت آج ہی میرے ذہن میں آئی ہے —— میں ان سے طلاق لے لوں گی۔ آپ جہاں چاہیں گے۔ چلی چلوں گی ——"

وہ آگے نہ جانے اور کیا کیا کہتی کہ پرویز نے فون رکھ دیا۔ اور اپنی کنپٹیاں دبانے لگا۔ یہ عورت اسے ضرور پاگل کر دے گی۔ ماہتاب

پاگل نہیں کر سکی، فوزیہ بھی نہیں کر سکی۔ لیکن یہ عورت اسے ضرور پاگل کر دے گی۔

وہ پانچ بجنے سے چند منٹ پہلے کپڑے بدلنے کے لیے اوپر گیا۔ وہ دونوں چائے پی رہی تھیں ـــــ فوزیہ نے اسے بھی بٹھا لیا۔ وہ انکار کیا کرتا۔ چائے پی کر نیچے آگیا۔ اور اپنے کو فضول کاموں میں الجھانے کی کوشش کرتا رہا۔ ساڑھے سات بجے فوزیہ کے پاپا آگئے ـــــ ان کے ساتھ ناصر تھا۔ فوزیہ کا بڑا بھائی، اسی دن لندن سے آیا تھا اور پہلی بار ہوٹل آیا تھا اور پہلی بار ہی پرویز سے ملا تھا۔ وہ اس سے ہنس ہنس کر باتیں کرتا رہا۔ پھر اسے اپنے ساتھ فوزیہ کے پاس لے گیا۔ فوزیہ تو دیکھتے ہی اچھل پڑی۔ گلے لپٹ گئی۔ اور وہ بارہ اپنے شوہر کا تعارف کرانے لگی پھر اُسے ماہتاب کا خیال آیا۔ پرویز سے کہنے لگی

"حمید صاحب تو آئے نہیں، آپ جلدی سے ماہتاب کو چھوڑ آئیے ـــــ"

ماہتاب نے کہا۔

"میں رکشا پہ چلی جاؤں گی"

"نہیں، ان کے ساتھ چلی جاؤ ـــــ"

اور خود اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے رہائشی کمرے دکھانے لگی ـــــ ماہتاب چلنے کے لیے تیار ہو گئی ـــــ وہ اس کے ساتھ نیچے آیا۔ موٹر کی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر ماہتاب کو بٹھانے لگا لیکن ماہتاب نے وہ دروازہ بند کر دیا اور اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی ـــــ اس نے موٹر اسٹارٹ کی اور ایک دم سے رفتار تیز کر دی۔ وہ ماہتاب کی طرف دیکھ بھی

نہیں رہا تھا لیکن یہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ اپنے مخصوص انداز میں مسکرا رہی ہے۔ جب چند منٹ خاموشی میں گذر گئے تو ماہتاب نے کہا

"آپ فوزیہ سے ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں ——— اس بیچاری کا دل توڑنے سے کیا فائدہ "

" میں اسے دھوکا میں مبتلا رکھنا نہیں چاہتا"

"کیا دھوکا ——— "

وہ پھر اس سوال کو پی گیا - ایک منٹ کی خاموشی کے بعد پوچھنے لگا

"تم تو خوش ہو!"

"میں نے کسی خوشی کے لیے تو شادی کی نہیں ہے ——— "

"پھر ——— "

" مجھے چھوڑیئے ——— میرے سوال کا جواب دیجئے کہ آپ فوزیہ کو کیا دھوکا دے رہے ہیں"

"تم سمجھ نہیں سکو گی"

" ایسی بات کرنے سے کیا فائدہ جو کسی کی سمجھ میں نہ آئے ——— "

"میں اس سے محبت کرنا چاہتا ہوں لیکن ——— "

" اگر اس خواہش میں خلوص موجود ہے تو ایک دن محبت کرنے لگیں گے "

"خلوص بھی موجود ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ میری کوشش بےسود ہو گی ——— "

" ایسا نہ کہیے "

"میں اس حقیقت کو کب تک چھپا سکوں گا کہ مجھے تو تم سے ــــــ"

اور ماہتاب اس کی طرف دیکھنے لگی اور الفاظ اس کی زبان سے ادا نہ ہو سکے ـــــــ پھر جو اس نے خاموشی اختیار کی تو اس وقت تک خاموش رہا جب تک ماہتاب کا گھر نہیں آ گیا ۔ ماہتاب جب اترنے لگی تو وہ بھی اپنی امی سے دو دو باتیں کرنے کے بہانے اس کے ساتھ اوپر آنے لگا زینہ پر ماہتاب نے کہا

"اگر آپ نے فوزیہ سے میرے متعلق کچھ کہا تو مجھے بہت غم ہو گا"

"میں نہیں کہوں گا"

"نہ معلوم یہ آپ لوگوں کی کون سی فطرت ہے کہ جو آپ کے لیے تباہ ہوتا ہے ۔ اس کی پروا نہیں کرتے ۔"

اس نے فوزیہ کا نام نہیں لیا ۔ پرویز سمجھا کہ وہ حمید کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہنے لگا

"حمید صاحب کا تمہارے ساتھ سلوک اچھا ہے نا؟"

"میں نے ان سے توقعات ہی وابستہ نہیں کیں ـــــــ"

یہ جملہ کہتے کہتے پرویز کا دروازہ اور ماہتاب کا زینہ آ گیا تھا ۔ وہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی اوپر چلی گئی اور وہ اپنی امی کے پاس دو چار منٹ بیٹھ کر نیچے آ رہا تھا کہ حمید سے ملاقات ہو گئی ۔ وہ اسے دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ وہ شراب پی کر آیا ہے ۔ حمید نے اس کے گلے میں باہیں ڈال دیں ۔

"کہاں چلے پرویز بھائی؟"

"میں آپ کی بیوی کو پہنچانے آیا تھا"

"میری بیوی —— ہاں —— میری بیوی ——"

اور وہ ہنستا ہوا اوپر چلا گیا۔ پرویز کو بہت صدمہ ہوا۔ اس شخص نے اپنی پرانی حرکتیں دوبارہ شروع کر دی تھیں۔ اور کچھ اتنا زیادہ صدمہ ہوا کہ وہ نیچے موٹر میں بہت دیر تک بیٹھا رہا —— نہ جانے اسے کس واقعہ کی توقع تھی۔ لیکن کوئی واقعہ پیش نہیں آیا اور وہ ایک گہری سانس لے کر اپنے ہوٹل آگیا۔

فوزیہ اپنے بھائی کے ساتھ اپنے گھر گئی ہوئی تھی۔ ڈائننگ ہال میں کافی چہل پہل تھی۔ ایک ایک میز بھری ہوئی تھی۔ بیرے خاموشی سے آرڈر لیتے پھر رہے تھے۔ چھری کانٹوں کی خوش گوار آوازوں اور کھانے کی خوشبو سے پوری فضا اپنا ایک رنگ رکھتی تھی —— وہ دو چار دوستوں سے باتیں کر رہا تھا کہ ایک بیرا اسے بلا لے گیا۔ فون آیا تھا۔

"آپ نے اس وقت فون رکھ کیوں دیا تھا؟"

"تم ایسی باتیں کر رہی تھیں"

"آپ ہی نے تو مجھ سے پوچھا تھا کہ آپ کو کیا کرنا چاہیئے ——"

"میں تمہارے مشورے پر عمل نہیں کر سکتا زہرہ ——"

"ابھی آپ اچھی طرح سوچ لیجئے ——"

"میں سوچنا بھی نہیں چاہتا ——"

"اس وقت آپ کیا کر رہے ہیں؟"

"سنو زہرہ ——"

اور جب زہرہ کی ہنسی کی آواز آنے لگی تو اس کا دماغ چکرا گیا۔ اس نے ریسیور کانوں سے ہٹا لیا۔ کچھ لمحوں کے بعد کہنے لگا۔

"ہنس چکیں ——"

"اچھا، اب کل —— مرچوں کی دھانس آرہی ہے"

اور زہرہ کے ریسیور رکھنے کی آواز آئی —— وہ بھی چلا آیا۔ لیکن اس کی بے قراریاں کچھ بڑھ گئیں۔ کوئی گیارہ بجے فوزیہ واپس آئی —— اس وقت وہ سونے کی تیاری کر رہا تھا۔ وہ اپنے بھائی کے آنے سے بہت خوش تھی۔ خوش ہو ہو کر وہ چیزیں دکھانے لگی جو ناصر اس کے لیے لائے تھے ناصر نے اس کے لیے بھی ایک موونگ کیمرہ بھیجا تھا۔ وہ کیمرے کو دیکھتا رہا۔ اسے کیمرے سے بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن فوزیہ کی خاطر دلچسپی کا اظہار ضروری تھا۔

اس وقت بھی وہ اپنے بھائی کی باتیں کر رہی تھی۔ اور پرویز نے سونے کے لیے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

ایک ہفتے کے بعد ماہتاب سے دوبارہ ملاقات ہوئی۔

اس کی امی کی طبیعت اچھی نہیں تھی اور انھوں نے اسے بلوایا تھا —— فوزیہ بھی ساتھ ہی ساتھ گئی تھی۔ یہ دونوں اپنے ساتھ ڈاکٹر کو بھی لیتے گئے تھے۔ ڈاکٹر کے جانے کے بعد بھی فوزیہ ایک گھنٹے تک ٹھہری رہی پھر

جب اس کی امی کی حالت کچھ سنبھل گئی تو اوپر ماہتاب کے پاس گئی ——— ماہتاب صبح ہی سے کہیں گئی ہوئی تھی۔ فوزیہ واپس آگئی ——— اور پھر اسے چھوڑ کر اپنے گھر چلی گئی ——— پرویز اپنی امی سے دلجوئی کی باتیں کرنے کے لیے ٹھہر گیا ——— فوزیہ کے جانے کے کوئی آدھے گھنٹے کے بعد ماہتاب، واپس آئی ——— اوپر گئی تو اسے اپنی خادمہ سے پرویز کی امی کی بیماری کی اطلاع ملی ——— وہ نیچے آئی ——— اس وقت تک ان کی حالت سنبھل گئی تھی اور ڈاکٹر نے جو سونے کی دوا دی تھی۔ اس سے ان کو نیند آگئی تھی۔

پرویز کو اکیلے بیٹھے دیکھ کر وہ کچھ جھجکی۔ کہنے لگی

"خالہ جان کی طبیعت کیسی ہے؟"

"آج پھر دورہ پڑا تھا"

"اب تو اچھی ہیں ———"

"ابھی سوئی ہیں ———"

"فوزیہ بھی آئی تھی"

"ابھی تو گئی ہے ———"

ماہتاب دو چار منٹ کھڑی رہی۔ پرویز اسے دیکھ کر کچھ ایسا کھو جاتا تھا کہ اس نے اس سے بیٹھنے کو بھی نہیں کہا۔ پھر جب وہ جانے کے لیے مڑی تو اسے ہوش آیا۔ کہنے لگا۔

"تم یہاں ہو گھنٹے دو گھنٹے کے بعد خبر لے لیا کرنا"

"جی ہاں، میں دوا پلا دیا کروں گی"

"دوا تو ابا جان بھی پلا سکتے ہیں۔ لیکن امی سے دلجوئی کی باتیں کرنے والا کوئی

نہیں ہے ——"

"میں زیادہ تر یہیں رہوں گی"

"کیا حمید صاحب بھی آ گئے ہیں؟"

"ابھی تو نہیں آئے ——"

"بچے اوپر ہیں؟"

"آج بچوں کو مومانی کے پاس چھوڑ آئی ہوں ——"

"تو بیٹھو ——"

"ذرا اوپر ہو آؤں —— معلوم نہیں، ماما نے کھانا پکایا ہے یا نہیں ——"

اور جب وہ دو چار قدم دروازے کی طرف بڑھ گئی تو پرویز کے منہ سے نکل گیا

"تو حمید صاحب نے پھر شراب شروع کر دی ہے ——"

ماہتاب کے پیروں میں جیسے زنجیریں پڑ گئیں۔ مڑ کر دیکھنے لگی۔ کہنے لگی۔

"نہیں تو ——"

"وہ اس دن شراب پی کر نہیں آئے تھے"

"نہیں تو —— آپ کو دھوکا ہوا ہو گا"

اور وہ یہ کہتی ہوئی دروازے سے نکل گئی —— اور پرویز کسی سوچ میں پڑ گیا۔ کیا ماہتاب حمید کی کمزوریوں پر پردہ ڈال رہی تھی یا خود اسے دھوکہ دھوکا ہوا تھا۔ لیکن اسے اچھی طرح یاد تھا کہ حمید شراب پئے ہوئے تھا وہ بہکی بہکی باتیں —— وہ گلے میں باہیں ڈال دینا، وہ منہ سے بھبھکے

کا آنا ——— وہ یقیناً شراب پئے ہوئے تھا۔ پھر ماہتاب چھپا کیوں رہی تھی!

تھوڑی دیر میں جب اس کے ابا جان باہر سے آگئے تو وہ دواؤں کے متعلق ضروری ہدایات دے کر اور کل شام کو آنے کا وعدہ کر کے چلا آیا۔ اگر ماہتاب اس سے اعتراف کر لیتی تو غالباً اسے اتنی تکلیف نہ ہوتی اب تو اسے اس بات پر تکلیف ہو رہی تھی کہ آخر اس نے ماہتاب سے پوچھا ہی کیوں!

اپنی امی کے بیماری کے سلسلے میں اسے ایک ہفتے تک برابر اپنے گھر جانا پڑا ——— لیکن اس ایک ہفتے میں ایک بار بھی ماہتاب سے ملاقات نہیں ہوئی ——— وہ دن میں پانچ چھ بار آتی ——— شام کو جب اس کے جانے کا وقت ہوتا تو وہ اپنے گھر میں رہتی ——— اور پرویز میں اتنی ہمت تھی نہیں کہ وہ اس کے دروازے پر جاتا۔

آٹھویں دن جب اس کی امی بالکل اچھی ہو گئیں تو اس نے حمید کی ٹوہ لینا چاہی لیکن اسے اپنی امی سے بھی حمید کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ وہ یہی کہتی رہیں کہ حمید نے جب سے ماہتاب سے شادی کی ہے اس وقت سے اور بھی نیک ہو گیا ہے۔ کب آتا ہے۔ کب جاتا ہے۔ اس کی ہمسائیوں کو کبھی خبر نہیں ہونے پاتی ——— اب تو پرویز کو یقین ہو گیا کہ خود اسے دھوکا ہوا تھا۔ حمید واقعی سنبھل گیا تھا۔

پہلے اسے یہ دیکھ کر صدمہ ہوا تھا کہ حمید نے اپنی پرانی حرکتیں دوبارہ شروع کر دی تھیں۔ اور اب اسے اس بات کا صدمہ تھا کہ حمید سنبھل گیا تھا ایک ذرا سی آس بندھی تھی۔ وہ بھی ٹوٹ گئی تھی اور جب اس نے اپنے دل

سے یہ سوال کیا کہ آخر وہ کون سی آس تھی تو اسے اپنے ہی دل کی کھوٹ پر غصہ آگیا۔

وہ اپنی نظروں میں اور بھی گر گیا۔

فوزیہ اس کی اس ذہنی کش مکش سے بے خبر تو نہیں تھی لیکن اس کی ہی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ اس کی کشمکش کو کیسے ختم کر سکتی ہے۔ اپنے بھائی کے آجانے سے اس کی اپنی مصروفیات میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

اسی طرح چھ مہینے گذر گئے۔

ہوٹل دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا تھا۔ ہوٹل کی ترقی کے ساتھ ہی ساتھ فوزیہ کے تعلقات بھی وسیع ہو رہے تھے۔ اس کی اکثر شامیں پارٹیوں میں گذرتی تھیں۔ پرویز اپنی مصروفیات کے بہانے خود بہت کم کہیں جاتا تھا۔ فوزیہ اپنے بھائی کے ساتھ ان پارٹیوں میں شرکت کرتی تھی۔ اور وہاں سے واپسی پر کبھی کبھی پرویز کی مصروفیات کو برا بھلا کہتی تھی۔ کبھی کہتی تھی کہ وہ بھی پارٹیوں میں جانے سے گریز کرے گی۔ لیکن پرویز کے سمجھانے بجھانے سے خاموش ہو جاتی تھی۔

ان چھ مہینوں میں حمیدہ سے دو ایک بار ہی سرسری ملاقات ہوئی تھی۔ ماہتاب بھی دو چار بار ہوٹل میں آئی تھی۔ لیکن پرویز نے اس سے پھر کچھ نہیں کہا۔ ایک دن اس نے حمید کو ایک شراب خانے سے باہر آتے دیکھا۔ وہ ہوٹل کی گہما گہمی سے گھبرا کر پیدل ہی صدر کی طرف جا نکلا تھا اور یونہی گھوم رہا تھا کہ حمید شراب خانے کے زینے سے اترتا ہوا ملا —— حمید پر ایک خاص سرور کی کیفیت طاری تھی۔ پرویز کو دیکھتے ہی اس کے پاس آگیا۔

"کہاں گھوم رہے ہو پرویز بھائی!"

"آپ پی کر آرہے ہیں ——!"

"اب کہاں پیتا ہوں پرویز بھائی!"

اور وہ کھی کھی کر کے ہنسنے لگا پھر چپکے سے کہنے لگا

"تم نے کبھی پی کر دیکھی ہے"

"مجھے تو معاف ہی کیجئے ——"

"ظالم کبھی پی کر تو دیکھو ——"

"حمید صاحب ——"

"اچھا بابا —— نہ پیو ——"

اور جب پرویز سلگانے لگا تو حمید نے کہا

"آؤ، گھر چلتے ہو؟"

"آپ اس حالت میں گھر جائیں گے"

"اور کہاں جاؤں گا —— ماہتاب کچھ نہیں کہتی —— بڑی پیاری لڑکی ہے —— کچھ نہیں کہتی، خاموشی سے دیکھتی رہتی ہے —— بڑی پیاری لڑکی ہے —— میں سمجھتا تھا کہ وہ منع کرے گی، لیکن اس نے کبھی منع نہیں کیا —— بڑی پیاری لڑکی ہے ——"

اور جب وہ یہ جملہ کہہ رہا تھا ایک عیسائی لڑکی ایک بھڑک دار اسکرٹ پہنے ہوئے ان دونوں کے پاس سے گذری —— حمید ان باتوں کو بھول کر کہنے لگا۔

"بڑی پیاری لڑکی ہے ——"

اور پھر خود ہی کھی کھی ہنسنے لگا —— اور خود بھی اسی سمت جانے

لگا۔ پرویز سے برداشت نہیں ہوا۔ اس نے حمید کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور ایک رکشے پر بٹھا کر اس کے گھر جانے لگا ——— راستہ میں بھی حمید ویسی ہی بہکی بہکی باتیں کرتا رہا۔ گھر آیا۔ زینہ پر حمید نے کہا

"پرویز بھائی، ایک بات بتادو ———"

"میں باتیں کرنے نہیں آیا آپ کو پہنچانے آیا ہوں"

"ایک بات بتادو پرویز بھائی ——— میرے منہ سے بُو تو نہیں آتی ———"

اور یہ کہہ کر وہ اپنا منہ پرویز کے منہ کے قریب لے آیا اور حلق سے ہا کرنے لگا۔ پرویز نے اپنا منہ پھیر لیا۔ اور حمید ہنستے ہنستے اوپر چڑھنے لگا ——— پرویز نے اس کے دروازے پر آہستہ سے دستک دی ——— دروازہ کھلا۔ پہلے حمید اندر گیا ——— پھر ماہتاب نے پرویز کی جھلک دیکھی اور اس کے چہرے کی رنگت بدل گئی ——— پرویز اندر جانا چاہتا تھا لیکن ماہتاب نے دروازہ بند کر لیا ———

حمید نے کہا

"پرویز کو آنے دو"

"نہیں ———"

"ارے آنے دو بیچارے کو"

"نہیں، نہیں میں نہیں آنے دوں گی"

یہ آواز ایک شکست خوردہ لڑکی کی آواز تھی ——— ایک مجبور اور پشیمان لڑکی کی آواز تھی ——— پرویز نے خود ہی ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھا اور وہ نیچے اپنی امی کے پاس آ گیا۔ اسے اب احساس ہوا تھا کہ اسے حمید

کے ساتھ نہیں آنا چاہیئے تھا ——— اس نے ماہتاب کو تکلیف پہنچائی تھی ———

اُس کی امی نے پوچھا

"کیا سوچنے لگے"

"کچھ نہیں امی ——— یونہی آگیا تھا اب جا رہا ہوں۔"

"دلھن تو اچھی ہے"

"جی ہاں ———"

پھر وہ اپنی چھوٹی بہن کو پانچ روپے دے کر باہر آگیا اور رکشا پر بیٹھ کر ہوٹل آگیا۔ فوزیہ تو موجود نہیں تھی۔ ایک کونے کی میز پر سیٹھ ابراہیم اکیلے بیٹھے تھے۔ وہ ان کے پاس چلا گیا

"کیا حال ہے سیٹھ ———"

"اب تو کچھ فضل ہے ———"

"آج اکیلے ہی آئے ———"

"زہرہ فساد کر کے اپنے گھر چلی گئی ہے سیٹھ ———"

"پھر آجائے گی"

"ہاں آجائے گی جائے گی کہاں"

اور سیٹھ ابراہیم پھر کسی سوچ میں پڑ گئے ——— پرویز سمجھ گیا کہ سیٹھ ابراہیم کو اپنی بیوی کا غم نہیں ہے۔ ان دو لاکھ روپے کا غم ہے جو اس کے نام سے جمع ہیں ——— وہ سیٹھ ابراہیم سے دو چار باتیں کر کے مینجر کے پاس چلا گیا۔ اور اس سے ہوٹل کی باتیں کرتا رہا۔ لیکن اسے بار بار ماہتاب کی رندھی ہوئی آواز یاد آرہی تھی۔ اس آواز میں کیسی ندامت تھی۔ مینجر کی باتوں میں بھی اس کا دل نہیں لگا۔ وہ پھر سیٹھ کے پاس

آکر بیٹھ رہا ——— وہ اپنی باتیں کرتے رہے اور وہ ماہتاب کے متعلق سوچتا رہا ——— تھوڑی دیر میں بیرے نے آکر اس کے فون کی اطلاع دی اس نے چاہا کہ اس وقت زہرہ سے باتیں نہ کرے لیکن سیٹھ کی حالت پر اسے ترس آرہا تھا۔ وہ اٹھ کر فون کے پاس چلا گیا۔ فون زہرہ کا نہیں، فوزیہ کا تھا۔

"آپ کب واپس آئے ؟"

"کون، فوزیہ ———"

"جی ہاں - میں فوزیہ ہی بول رہی ہوں - آپ کہاں چلے گئے تھے ؟"

"کہیں نہیں ——— یونہی گھومنے چلا گیا تھا"

"کوئی خاص بات نہیں ہے - یونہی میں نے فون کیا تھا، طبیعت ذرا پریشان تھی"

"تم کہاں سے بول رہی ہو ———"

"بیچ لگژری سے"

"کب تک واپسی ہو گی ؟"

"اگر یاد آرہی ہوں تو چلی آؤں"

"ہاں آجاؤ"

"اچھا، آتی ہوں ———"

اور وہ فون رکھ کر پھر سیٹھ کے پاس آگیا۔

سیٹھ نے کہا

"اگر زہرہ نہ آئی تو ———"

"آئے گی کیوں نہیں سیٹھ"

"ہاں، اسے آنا پڑے گا"

اور پھر کچھ سوچنے لگے ——— پرویز فوزیہ کے آنے تک ان کے پاس بیٹھا رہا۔ پھر جب فوزیہ آگئی تو اس کے ساتھ اوپر چلا گیا ——— اور پھر صبح تک نیچے نہیں آیا

اس نے فوزیہ سے نہ تو جمید کے متعلق بتایا اور نہ زہرہ کے متعلق ہی کچھ کہا ——— فوزیہ خوشی کے جس جذبے کے ساتھ آئی تھی، اس کی سرد مہری نے اس کا دل اتنا ہی بجھا دیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنا ہی نام جلتے بجھتے دیکھتے دیکھتے تھک کر سو گئی

دوسرے دن صبح ہی صبح زہرہ ہوٹل میں آگئی اور سیدھی فوزیہ کے پاس جا پہنچی۔ اور مزے لے لے کر سیٹھ ابراہیم کی گھبراہٹ کا ذکر کرتی رہی گیارہ بجے تک وہ اوپر رہی پھر جب فوزیہ کہیں جانے لگی تو اس کے ساتھ نیچے آئی۔ فوزیہ کو پرویز سے کچھ کہنا تھا۔ زہرہ بھی ساتھ آگئی اور ٹیلیفون کرنے کے بہانے ٹھہر گئی۔ فوزیہ تو چلی گئی ——— زہرہ نے وہیں کمرے میں اپنے لیے چائے منگائی اور شوخ شوخ نظروں سے پرویز کی طرف دیکھتی رہی۔ جس سے نہ تو وہاں سے جایا جاتا تھا اور نہ ہی ٹھہرا جاتا تھا۔ پھر چپکے سے کہنے لگی۔

"میں دو لاکھ روپیہ لے کر آگئی ہوں ——"

"تم واپس چلی جاؤ"

"سیٹھ ابراہیم کے پاس"

"ہاں"

"تم میری بات نہیں مانو گے"

"نہیں —— تم واپس چلی جاؤ ——"

زہرہ کچھ دیر تک سوچتی رہی۔ پھر کہنے لگی

"ایک شرط پر"

"میں کوئی شرط ماننے کو تیار نہیں ہوں"

"تو میں بھی نہیں جاؤں گی اور فوزیہ سے سارے واقعات کہہ دوں گی"

"نہیں، تم ایسا ہرگز نہ کرنا"

"تو میری شرط ——"

"کیا شرط ہے ——"

اور زہرہ چپکے چپکے ہنسنے لگی۔ پرویز کے لیے یہ ہنسی ہی تو قاتل تھی۔ وہ اٹھ کر باہر آگیا۔ زہرہ اس کے کمرے میں تھوڑی دیر رہی۔ پرویز کو فوزیہ کے پاپا کے آجانے کا خدشہ تھا —— وہ دوبارہ کمرے میں گیا اور زہرہ سے کہنے لگا۔

"میں سیٹھ ابراہیم کو فون کر رہا ہوں"

"کیوں"

"وہ تم کو آکر لے جائیں گے"

زہرہ خاموش رہی۔ پرویز نے سیٹھ ابراہیم کو فون کیا۔ وہ تو جیسے تیار بیٹھے تھے۔ دس منٹ کے اندر ہی آ گئے اور زہرہ ہنستی ہوئی ان کے ساتھ چلی گئی۔

اس کے جانے کے بعد وہ بہت دیر تک سوچتا رہا کہ وہ اتنی آسانی سے جانے پر تیار کیسے ہو گئی تھی۔ دو بجے سے پہلے ہی فوزیہ آ گئی —— جب وہ کھانا کھا چکا اور سگرٹ سلگا کر آرام سے لیٹ چکا تو کہنے لگی۔

"ناصر بھائی لاہور جا رہے ہیں ——"

"کب"

"وہاں کے ایک اسٹوڈیو کو انھوں نے لکھا تھا، اس کا جواب آیا ہے اور ان کو بلایا گیا ہے —— مجھ سے کہہ رہے تھے کہ میں بھی چلی چلوں ——"

"تم نے کیا کہا"

"میں نے بھی کہہ دیا کہ میں اوّل تو آپ کو بھی ساتھ لے چلوں گی۔ اور اگر آپ کسی وجہ سے نہ جا سکیں گے تو آپ کی اجازت کے بعد جاؤں گی"

"تمھیں اجازت کی ضرورت نہیں ہے"

"کچھ دن دور رہوں گی تو ——"

اور فوزیہ نے اپنا جملہ پورا نہیں کیا۔ اور اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر کہنے لگی۔

"یہ آپ کو کیا ہوتا جا رہا ہے ——"

"اب تو کچھ بھی نہیں ہو رہا ہے ——"

"آپ اکثر خاموش رہتے ہیں۔ پارٹیوں میں بھی بہت کم شریک ہوتے ہیں"

"اور میں تو سمجھتا ہوں کہ میں نے اپنے کو بہت کچھ بدل دیا ہے ــــــ"

فوزیہ اسے دیکھتی رہی۔ اس کے بھائی نے اسے اپنے ساتھ چلنے کے لیے نہیں، بلکہ وہ خود ان کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوئی تھی۔ اور دیدہ دانستہ پرویز کو کراچی میں چھوڑنا چاہتی تھی ــــــ وہ اس کی سرد مہری سے پریشان ہو گئی تھی۔ سوچتی تھی کہ کچھ عرصہ جب وہ دور رہے گی تو شاید پرویز کے دل میں محبت کی آگ روشن ہو سکے۔

"تو میں چلی جاؤں ــــــ"

"ضرور جاؤ ــــــ"

"آپ کو یاد آؤں گی"

اور جواب میں پرویز نے اسے گلے سے لگا لیا۔ فوزیہ کا دل بھر آیا۔ لیکن اس نے اپنے جانے کا ارادہ ملتوی نہیں کیا۔ چنانچہ دوسرے دن وہ ناصر کے ساتھ پندرہ بیس دن کے لیے لاہور چلی گئی

* * * * * *

۸

پشیمانی

فوزیہ کے چلے جانے سے اسے اور زیادہ پابندیوں کا احساس ہونے لگا تھا۔ فوزیہ تھی تو لوگوں کی نظریں اس پر اٹھتی نہ تھیں۔ اب جب وہ نہیں تھی اور وہ اپنے وقت کا مختار تھا۔ تو اسے خود ساختہ پابندیاں پریشان کرنے لگیں۔ پہلے دو بجے سے شام کے پانچ بجے تک وہ آرام کیا کرتا تھا۔ اب جب وہ دو بجے اوپر گیا تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اپنے ساتھ کیا کرے۔ کپڑے

بدل کر وہ لیٹا۔ کسی کروٹ چین نہ ملا۔ تین بجے سوچنے لگا کہ میٹنی شو ہی دیکھ آئے لیکن جب کپڑے پہن چکا تو اس نے خود ہی ارادہ ملتوی کر دیا اور نیچے آ کر اپنے کمرے میں بیٹھ گیا۔ مینجر بھی دو بجے چلا جاتا تھا۔ چار بجے آتا تھا جب بیرے وردی بدل کر آجاتے تھے اور صبح کے بیروں کو چھٹی مل جاتی تھی۔ مینجر چار بجے آیا۔ اسے بیٹھا ہوا دیکھ کر مسکراتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ پرویز بیٹھے بیٹھے بہت جلد تھک گیا۔ اور سوچنے لگا کہ یہ ایک گھنٹہ کہاں گذارے۔ ہوٹل میں لوگ موجود تھے۔ لیکن کسی سے بات کرنے کو دل نہ چاہتا تھا۔ دل چاہا کہ سیٹھ ابراہیم کو فون کرے۔ لیکن زہرہ کی ہنسی یاد آگئی اور وہ جس ایک موضوع پر سوچنے سے گریز کرنا چاہتا تھا۔ اسی پر سوچنے لگا ——— ماہتاب نے حمید سے شادی کیوں کی تھی۔ اور کیا وہ اپنی شادی میں ناکام نہیں ہو گئی تھی۔ پانچ بجے جب ہوٹل میں چہل پہل شروع ہوئی۔ تو اس کا دم ایک دم سے الٹنے لگا۔ اور وہ فوزیہ کو خط لکھنے بیٹھ گیا۔ فوزیہ ابھی راستہ ہی میں ہو گی۔ لاہور پہنچی بھی نہ ہو گی ——— اور وہ اسے خط لکھ رہا تھا ——— خط لکھنے کے بعد اسے اپنی اس حرکت پر خوب ہی ہنسی آئی اور جب وہ اکیلی میز پر بیٹھا نہیں رہا تھا تو دروازہ کھلا اور حمید کا سر نظر آیا۔

"کیا ہو رہا ہے پرویز بھائی ———"

حمید کو دیکھ کر اسے ماہتاب کی آنسوؤں سے تڑپتی ہوئی آواز یاد آگئی کہنے لگا۔

"آیئے، بیٹھئے ———"

"دفتر سے نکلا تھا، گھر جا رہا تھا کہ تمہارا ہوٹل نظر آگیا اور معذرت کرنے آگیا"

"کیسی معذرت ـــــ"

"اس دن ماہتاب نے تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا ـــــ"

"میرے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا ـــــ"

"مجھے تو اتنا غصہ آگیا تھا پرویز بھائی کہ اگر وہ میرے قبضے میں آجاتی تو میں اس کا منہ طمانچوں سے لال کر دیتا"

"یہ کیا کہہ رہے ہیں ـــــ؟"

"بہرحال مجھے بہت شرمندگی ہے ـــــ اور یہ شرمندگی اس وقت تک دور نہ ہوگی جب تک وہ تم سے معافی نہیں مانگے گی"

"انھوں نے میرے ساتھ کیا کیا تھا حمید بھائی ـــــ"

حمید کو واقعی غصہ آگیا تھا۔ اس کی بیوی نے اس کے دوست کی ذلت کی تھی۔ پرویز کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ حمید سے کیا کہے ـــــ اس نے اس کے لیے چائے منگائی اور جب وہ چائے پی چکا اور اسے ساتھ لے جانے کی ضد کرنے لگا تو کہنے لگا۔

"مجھے خود ان سے معافی مانگنا چاہیئے حمید صاحب ـــــ"

"کیوں ـــــ"

"وہ آپ کی اس عادت کو ہم لوگوں سے چھپانا چاہتی تھیں ـــــ ان کی جگہ اگر کوئی بھی لڑکی ہوتی تو وہ بھی ایسا ہی کرتی ـــــ"

"دیکھو پرویز بھائی، شراب پینا میری پرانی عادت ہے۔ خراب عادت ہے یا اچھی عادت ہے۔ وہ چھوٹ نہیں سکتی۔ پرویز کو ماہتاب پر ترس آرہا تھا جو یہ سمجھتی تھی کہ وہ حمید کی اس عادت کو ختم کرا دے گی۔

"بہرحال میں اس وقت تو نہیں جا سکتا ـــــ یہاں میری موجودگی

ضروری ہے"

"تو میں ماہتاب کو یہیں لے آؤں گا"

"اس کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں ہے اگر آپ کو کوئی شکایت ہے تو اسے دور کرنے کے لیے میری موجودگی کی ضرورت نہیں ——"

حمید کچھ تلملا گیا۔ اور کچھ جھلا گیا۔

دس بجے فوزیہ کے پاپا آئے۔ اور اس کی مستعدی دیکھ کر مطمئن ہو کر چلے گئے —— گیارہ بجے وہ اوپر گیا۔ یہ تنہائی اسے کاٹے کھاتی تھی اس نے فوزیہ کو جو خط پہلے لکھا تھا۔ وہ پھاڑ ڈالا۔ اور ایک طویل خط لکھنے بیٹھ گیا۔ بارہ بجے تک خط لکھتا رہا۔ پھر اس نے کپڑے بدلے اور سونے کے لیے لیٹ گیا۔ دو بجے اسے نیند آئی۔ اور صبح معمول سے پہلے ہی آنکھ کھل گئی ہلکی ہلکی روشنی پھیل گئی تھی اور فوزیہ کے نام کے بڑے بڑے حروف کی روشنی کچھ مدھم ہونے لگی تھی۔ تیسری منزل کے کمروں کے باورچی خانے سے برتنوں کے رکھنے اور اٹھانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ نہا دھو کر اور کپڑے بدل کر نیچے اترا —— دو بیرے ہال کی میزوں کو صاف کر رہے تھے۔ وہ باہر نکلا اور موٹر پر بیٹھ کر نیند سے بیدار ہوتے ہوئے شہر کی ویران سڑکوں کے چکر لگاتا رہا۔ پھر اپنے گھر گیا۔ اس کی امی ناشتہ کر رہی تھیں۔ اسے اتنی صبح دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ اس کے لیے پوریاں تلنے لگیں۔ وہ ناشتہ کر کے ہوٹل واپس آیا۔ منیجر آ چکا تھا۔ اور ہال میں لوگ آنے شروع ہو گئے تھے۔ فوزیہ کی ایک سہیلی اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ آ گئی تھی، وہ کچھ دیر اس سے باتیں کرتا رہا۔ پھر ایک خالی میز پر بیٹھ کر اخبار پڑھنے لگا —— دس منٹ

کے بعد جب وہ اخبار کی سرخیوں کو پڑھ کر فارغ ہوا تو اس نے اپنی قریبی میز پر زہرہ کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ وہ سینڈوچ کھا رہی تھی اور اسی وقت بیرے نے چار نیم ابلے ہوئے انڈوں کی پلیٹ سامنے رکھی تھی۔ اس نے ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں پر نظر دوڑائی ——— چھ سات میزوں کے علاوہ اور سب میزیں بھر چکی تھیں۔ وہ پھر زہرہ کی طرف دیکھنے لگا۔ جس کی مسکراہٹ میں اب شوخی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور ادھر ادھر چکر لگاتا رہا۔ زہرہ کی نظریں اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔ لیکن جیسے اب وہ ان نظروں کا عادی ہو گیا تھا۔ جب وہ اپنے کمرے میں آ کر بیٹھ گیا تو زہرہ نے اندر آتے ہوئے اور کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک فون کر لوں"۔

پرویز نے فون اس کی طرف بڑھا دیا۔ زہرہ نے ایک نمبر ملایا۔ پھر کہا "میں ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد فون کر رہی ہوں ——— اگر میری شرط منظور ہے تو میں آ جاؤں ——— اچھا تو میں ابھی آ رہی ہوں ———"

اور پھر فون رکھتے ہوئے بولی۔

"میں سیٹھ صاحب سے فون کر رہی تھی ——— تم سے بتانا اس لیے ضروری تھا کہ تم یہ نہ سمجھو کہ میں کسی اور سے بھی شرط لگاتی پھرتی ہوں ——— سیٹھ صاحب نے میرے اکاؤنٹ میں پچاس ہزار روپے مزید جمع کرانے کی شرط مان لی ہے ———"

اور وہ مسکراتی ہوئی چلی گئی ——— اور وہ اس عورت کے متعلق سوچتا رہ گیا۔ اس نے اپنے شوہر کو دو لاکھ دینے کے بجائے پچاس ہزار روپے اور وصول کر لیے تھے۔ وہ سوچنے لگا کہ اس عورت کے پاس ہے ہی کیا۔۔۔۔

آنکھ نقشہ کی اچھی ہے۔ جسم میں ایک تناسب ہے۔ باتوں میں خاص رمز ہے۔ اور کچھ نہیں ——— اس کے مقابلے میں فوزیہ میں سب کچھ ہے ——— جب ماہتاب کا نام اس کے ذہن میں آیا تو وہ اٹھ کر اپنے کمرے کے باہر آگیا اور پہلی منزل میں گیا۔ جو لوگ اپنے کمروں میں موجود تھے۔ ان سے دو دو تین تین منٹ تک باتیں کرتا رہا۔ ان کی جو شکایات تھیں۔ ان کے تدارک کے انتظامات کرتا رہا۔ پھر تیسری منزل میں گیا۔ جہاں کے اکثر رہنے والے شروع ہی سے رہتے تھے۔ زیادہ تر لوگ بڑی بڑی فرموں میں کام کرتے تھے۔ دو چار کی بیویاں بھی تھیں اور بچے بھی تھے۔ اس منزل میں وہ بہت کم جاتا تھا۔ اس دن وہ وہاں بھی گیا۔ مسز فرید سے کچھ دیر تک باتیں کرتا رہا پھر نیچے آگیا۔

ایک بجے سے دو بجے تک فوزیہ کے پاپا بھی اس کے ساتھ رہے۔ پھر جب کھانے کا وقت ختم ہو گیا تو وہ ان کے ساتھ فوزیہ کی والدہ کے پاس چلا گیا ——— ایک گھنٹہ وہاں رہا۔ پھر ہوٹل آگیا ——— اوپر تنہائی کے احساس نے نہ جانے دیا۔ ہال میں دو ایک لوگ موجود تھے ——— وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اور آرام کرسی پر دراز ہو گیا۔ کوئی آدھ گھنٹے کے بعد فون کی گھنٹی بجی۔

"کون، زہرہ ———"

"کیا آپ کو زہرہ کے فون کا انتظار تھا"

"کون، ماہتاب"

"جی ہاں، میں ماہتاب بول رہی ہوں"

"فوزیہ کی سہیلیوں میں صرف ایک زہرہ ہی ہے جو مجھے فون کیا کرتی ہے۔

اس لیے میں سمجھا کہ وہی ہو گی ——— کہو ——— کیسے تکلیف کی ——— "

"مجھے اپنے رویہ پر بہت شرمندگی ہے ——— "

"مجھے خود شرمندگی ہے۔ مجھے حمید صاحب کے ساتھ نہیں آنا چاہیے تھا ——"

"ہاں آپ کو آنا بھی نہیں چاہیئے تھا اور مجھے دروازہ بھی بند نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"تم نے دروازہ بند کر کے ٹھیک ہی کیا تھا"

"خیر، یونہی سہی لیکن بہرحال مجھے شرمندگی ہے ——— "

"تم کہاں سے فون کر رہی ہو ——— ؟"

"یہاں سامنے کے گھر سے ——— فوزیہ کب آئے گی "

"معلوم نہیں، پندرہ دن کے بعد آنے کو کہہ گئی ہے ——— "

"تو آپ اکیلے گھبراتے ہوں گے"

"میرا کیا ہے ——— تم اپنی سناؤ ——— "

"اچھی ہوں، بچے اچھے ہیں، آپ کے گھر میں بھی خیریت ہے ——— "

"اور کچھ نہیں ——— "

"اور کچھ نہیں ——— "

"تو تم نے مجھے معاف کر دیا ——— ؟"

اس سوال کا ماہتاب نے جواب نہیں دیا ——— لیکن فون رکھنے کی آواز بھی نہیں آئی

پرویز نے کہا

"تم سن رہی ہو ——— "

"اب میں جا رہی ہوں ——— "

اور فون رکھنے کی آواز آئی ——— پرویز بے قرار ہو گیا۔ ماہتاب نے

فون ہی کیوں کیا تھا ——— کیا حمید نے اسے مجبور کر لیا تھا اگر مجبور نہ کیا ہوتا تو ماہتاب اس سے ہرگز معذرت نہ کرتی۔

شام کو سیٹھ ابراہیم اپنی زہرہ کے ساتھ آ گئے۔ سیٹھ کا چہرہ اترا ہوا تھا لیکن ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔ پرویز سے کہنے لگے

"اگر تم نہ کہتے سیٹھ تو زہرہ ہم سے راضی نہ ہوتی ———"

زہرہ نے ہنس کر کہا

"اسی لیے ہم آپ کی دعوت کرنے آئے ہیں۔ سیٹھ جی نے ملیر میں ایک باغ خریدا ہے ——— کل صبح ہم لوگ وہاں جا رہے ہیں۔ آپ بھی چلیے ———"

"میں کہاں جا سکوں گا سیٹھ جی ———"

"تو آپ گھر پر آیئے گا، میں بمبئی کا کھانا کھلاؤں گی۔ ہماری بچی بڑا اچھا کھانا تیار کرتی ہے ———"

اس نے ہنسی میں ٹال دیا ——— وہ ان دونوں سے باتیں کر رہا تھا کہ حمید آ گیا۔ اور اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ حمید نے سیٹھ ابراہیم اور زہرہ سے اس کا تعارف بھی کرا دیا۔ لیکن حمید کو بہت جلدی تھی۔ اس نے سیٹھ اور زہرہ پر کوئی خاص توجہ نہیں کی۔ اور اسے الگ لے جا کر کہنے لگا

"پرویز بھائی ——— ویسے تو بہت بری بات ہے لیکن یہ سوچ کر کہ تم اپنے ہو ———"

"کہیئے ———"

"مجھے دو سو روپے دیدو ——— اگلے ماہ دے دوں گا"

پرویز اسے چھوڑ کر اوپر گیا۔ اور اپنے رکھے ہوئے روپیوں سے دو سو روپے لاکر اسے دیدیے اور وہ اس کا شکریہ ادا کرتا ہوا چلا گیا۔

سیٹھ ابراہیم زہرہ کو لے کر چلے گئے ــــــ کہتے تھے کہ زہرہ کی ضد ہے کہ اسے سینما دکھایا جائے ــــــ اور انہیں ایسی عورت کی ضد پورا کرنے میں خوشی تھی جو ان کی اپنی غلطی کی وجہ سے ان کی آدھے سے زیادہ ملکیت کی مالک تھی ــــــ ان دونوں کے جانے کے کوئی ایک گھنٹہ کے بعد حمید پھر آگیا اور اسے دیکھتے ہی پرویز کو اپنی غلطی کا احساس ہوا ــــــ اس نے روپے دیتے وقت یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ شراب کے لیے روپے مانگ رہا ہے ــــــ لیکن اب تو کچھ کہنا ہی بیکار تھا ــــــ کہنے لگا ــــــ

"تم میرے ساتھ گھر چلو پرویز بھائی"

"میں نہیں جا سکوں گا"

"تو میں اس کو یہیں لاتا ہوں ــــــ جب تک وہ تم سے معافی نہیں مانگے گی ــــــ"

"اب آپ اس واقعہ کو بھول کیوں نہیں جاتے ــــــ"

"تم میرے دوست ہو پرویز بھائی اور اس نے تمہاری ذلت کی تھی"

"اچھا آپ چلیے ــــــ میں آؤں گا"

"ضرور آؤ گے؟"

"ضرور آؤں گا"

حمید چلا گیا ــ لیکن وہ نہ گیا اور نہ شاید حمید نے انتظار کیا ہوگا۔

پونے گیارہ بجے زہرہ کا فون آیا۔

"میں پیرا ڈائیز سے بول رہی ہوں۔ ابھی انٹرول ہوا ہے ____"

"سیٹھ جی کا کیا عالم ہے ____"

"وہ اندر بیٹھے ہیں اور اونگھ رہے ہیں ____"

"جاؤ، کہیں وہ سو نہ جائیں ____"

"وہ سو جائیں تو اچھا ہے ____"

"ایسی باتیں کیوں کرتی ہو ____"

"سو جائیں گے تو میں ان کو چھوڑ کر ____ ڈر گئے نا ____ نہیں، میں ایسی پاگل بھی نہیں ہوں ____ تم کو صرف اتنا بتانا تھا کہ اب میرے پاس ڈھائی لاکھ روپے ہیں ____"

اور اس نے ہنس کر فون رکھ دیا۔ پرویز یونہی کیا کم پریشان تھا اور پریشان ہو گیا۔ اور اسے بہت رات گئے تک نیند نہیں آئی۔

دوسرے دن فوزیہ کا خط ملا۔ جو اس نے سکھر ریلوے اسٹیشن پر ڈالا تھا۔ خط بہت جلدی میں لکھا ہوا تھا۔ سکھر تک بہ عافیت سفر کی اطلاع تھی اور لکھا تھا کہ اسے اپنی صحت کا خیال رکھنا چاہیئے۔ بہت زیادہ محنت کی ضرورت نہیں ہے ____ اور اگر ممکن ہو تو روزانہ اپنی خیریت کا ایک کارڈ ڈال دیا کرے۔ وہ خود بھی یہی ارادہ رکھتی ہے ____ خط کے ایک ایک حرف سے فوزیہ کا دلی خلوص ٹپکتا تھا ____ پرویز کو اپنی حالت پر اور غصہ آگیا۔

وہ ہرگز اس لڑکی کے قابل نہیں تھا

اسی دن اس نے فوزیہ کے خط کا جواب دیا۔ اور پھر بعد میں یہی جملہ لکھا کہ جتنی محبت تم کرتی ہو۔ کاش میں اس محبت کے قابل ہوتا ــــــ میں تو سوچتا ہوں کہ میں نے زندگی میں ایسا کون سا نیک کام کیا ہے جو تمھاری محبت مجھے حاصل ہو گئی ــــــ افسوس تو یہ ہے کہ میں اپنے کو اس محبت کا اہل نہ بنا سکا ــــــ"

اس دن تین بجے زہرہ کا پھر فون آیا

"تو آج شام کو آنا بھولیے گا نہیں ــــــ"

"تم کیسی باتیں کرتی ہو ــــــ میں شام کو کہاں آسکتا ہوں ــــــ"

"تھوڑی دیر کے لیے آجایئے گا"

"مجھے معاف رکھو ــــــ اور زیادہ پریشان نہ کرو ــــــ"

"آپ اکیلے بیٹھے ہیں ــــــ"

"یہاں بہت سے لوگ ہیں ــــــ"

"تو آپ اکیلے ہیں ــــــ کہیں جایئے گا نہیں۔ میں آرہی ہوں ــــــ"

وہ بوکھلا گیا۔ دل چاہا کہ کہیں چلا جائے لیکن اس کے پیروں میں اس ہنسی کی زنجیریں پڑی تھیں۔ تھوڑی دیر میں زہرہ آگئی ــــــ اور مسکراتی ہوئی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"اگر آپ مجھ سے بچنا چاہتے تو کہیں جا بھی سکتے تھے ــــــ"

"اچھا بتاؤ تم کیا کہنے آئی ہو ــــــ"

"میں ہوٹل میں ایک کمرہ لینا چاہتی ہوں ــــــ"

"یہاں کوئی کمرہ خالی نہیں ہے ــــــ"

"میں مسز فرید کے ساتھ رہ لوں گی"

"وہ نہیں رکھیں گی"

اس پر زہرہ بہت آہستہ سے ہنسی۔ پھر کہنے لگی

"آپ کو معلوم نہیں ہے۔ وہ میری پھوپھی ہیں ۔۔۔۔۔۔"

"تم کیوں رہنا چاہتی ہو ۔۔۔۔۔۔"

"تاکہ آپ سے کوئی فیصلہ کرا سکوں ۔۔۔۔۔۔"

"میں فیصلہ تو کر چکا ہوں اور تمھیں بتا بھی چکا ہوں ۔۔۔۔۔۔"

زہرہ پھر ہنسنے لگی۔ ہنستی تھی تو کمبخت کے گالوں میں گڑھے پڑ جاتے تھے اور آنکھیں تو ایسے چمکنے لگتی تھیں جیسے ان میں بھٹی دہکا دی گئی ہو

پھر وہ مسکراتی ہوئی اٹھی اور تیسری منزل کے زینے کی طرف چلی گئی۔ پرویز اسے روک بھی نہیں سکا۔ وہ دم بخود بیٹھا رہا۔ ایک گھنٹے تک وہ نہیں اتری۔ پرویز تنگ آکر باہر چلا گیا۔ اور شام کو لوٹا۔ اسے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ زہرہ نے مسز فرید سے کیا باتیں کیں۔ تھوڑی دیر کے بعد مسز فرید سے اس کی ملاقات بھی ہوئی لیکن انھوں نے زہرہ کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ اور وہ تو کسی عنوان سے کچھ پوچھ ہی نہیں سکتا تھا۔

اسی بے چینی سے بچنے کے لیے وہ سکنڈ شو سنیما چلا گیا۔ بارہ بجے لوٹا۔ اور بقیہ رات سو نہ سکا۔

دوسرے دن دو بجے وہ اپنی امی کے پاس چلا آیا اور پونے پانچ بجے تک وہیں رہا۔ حمید کے دونوں بچے کئی بار آئے گئے۔ ماہتاب کو بھی اس کی موجودگی کا علم ہوا ہوگا لیکن وہ نظر نہیں آئی اور اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اوپر جاتا۔ اور اگر ہمت بھی ہوتی۔ تب بھی وہ نہ جاتا۔

پانچ بجے واپس آیا۔ سیٹھ ابراہیم اکیلے میز پر بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ اس نے ان سے بھی بچنے کی کوشش کی لیکن انھوں نے خود ہی بلا لیا۔ کہنے لگے۔

"کیا کروں پرویز بھائی۔ سارا روپیہ وہ اپنے نام کر چکی ہے"

"کہیں بھاگ تو نہیں جائے گا روپیہ ——"

"اس سے ڈر لگتا ہے پرویز بھائی ——"

"آپ نے پچاس ہزار اور کیوں دے دیئے ——"

"کہتی تھی کہ پچاس ہزار نہ دو گے تو طلاق لے لوں گی اور دو لاکھ بھی نہیں دوں گی —— روز نئی نئی ضدیں کرتی ہے۔ آج دن بھر اس پر فساد کرتی رہی کہ میرا گھر منحوس ہے۔ میں نے کہا کہ جب تک دوسرا ملے۔ اسی میں رہے کہنے لگی جب تک ہوٹل میں رہو —— وہ تو تمھارے ہوٹل میں آنا چاہتی تھی۔ میرے سامنے منیجر کو فون بھی کیا۔ میں نے کہا میں تین سو روپیہ مہینہ کیسے دوں گا تو بگڑ کر اپنی پھوپھی کے پاس آگئی —— اس وقت اوپر ہے ——"

"آپ بھی یہیں آجائیے"

"لیکن کرایہ ——"

"ایک مہینہ کی تو بات ہے سیٹھ —— ایک مہینہ میں مکان تلاش کر لیجئے گا، پانچ دس ہزار روپے پگڑی میں مکان مل جائے گا ——"

"پگڑی کی تو فکر نہیں ہے سیٹھ، اپنا فلیٹ پانچ دس ہزار دے ہی دے گا لیکن جھنجٹ کتنا ہے ——"

"ڈھائی لاکھ روپے کا معاملہ ہے سیٹھ ——"

"یہی تو فکر ہے ——"

اور سیٹھ ابراہیم کسی فکر میں غرق ہو گئے ——— وہ انہیں چھوڑ کر منیجر کے پاس گیا۔ پہلی منزل کا ایک کونے والا کمرہ خالی تھا۔ اس نے سیٹھ کو وہ کمرہ دکھایا سیٹھ جی چپ ہو کر رہ گئے۔ کہنے لگے کہ کل بتائیں گے اور پھر تیسری منزل میں زہرہ کے پاس چلے گئے ——— پرویز نیچے آگیا۔ گیارہ بجے تک نیچے ہی رہا۔ پھر سونے کے لیے اپنے کمرے میں پہنچا۔ لیکن نیند نہیں آئی۔ بہت رات تک وہ کرسی پر بیٹھا رہا۔

صبح ہی صبح زہرہ سے ملاقات ہو گئی۔ کہنے لگی

"میں قریب آگئی ہوں ———"

"ہاں مجھے معلوم ہوا ہے ———"

"میں اور قریب آسکتی تھی ———"

"نہیں ———"

پھر وہ اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر کہنے لگی

"میں آخری بار سمجھا رہی ہوں"

پرویز نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جیسے اس نے اس کی بات سنی ہی نہیں زہرہ ناشتہ کر کے اوپر چلی گئی ——— اور دن بھر نہیں اتری۔ اس نے دو سے پانچ بجے کا درمیانی عرصہ پھر اپنے گھر میں گذارا۔ اور اس دن ماہتاب سے مڈ بھیڑ ہو گئی۔ وہ اپنی امی سے بیٹھا باتیں کر رہا تھا کہ ماہتاب ایک بچے کی انگلی پکڑ کر آگئی ——— اور چونکہ کمرے میں آگئی تھی۔ اس لیے اس کو دیکھنے کے بعد واپس جانے کا سوال نہیں تھا۔ اس کی امی کے پاس بیٹھ گئی ——— پرویز خود ہی اٹھ کر دوسرے کمرے میں آگیا۔ اس کی امی کو یہ بات کچھ عجیب معلوم ہوئی۔ پکار کر کہنے لگیں۔

"ارے وہاں کہاں چلے گئے ——"

"اب مجھے جانا ہے امی ——"

"ابھی تو چار ہی بجے ہیں ——"

اور وہ یہ کہتا ہوا آ گیا کہ پانچ بھی بج جائیں گے —— اس کی امی ان دونوں کے لیے چائے بنانے میں لگ گئیں۔ ان دونوں کے درمیان کچھ لمحوں تک خاموشی رہی۔ پھر ماہتاب نے کہا

"فوزیہ کا کوئی خط آیا ہے ——"

"دو آ چکے ہیں"

"کب آ رہی ہے ——؟"

"چوبیس پچیس کو آئے گی"

"اور آج دس ہی تاریخ ہے ——"

پھر تھوڑی دیر کی خاموشی

"حمید صاحب آپ کے یہاں گئے تھے ——؟"

"نہیں تو ——"

"وہ روپے تو آپ ہی سے لائے تھے ——"

"ہاں ، میرے پاس تھے ۔ میں نے دے دئیے ——"

"تو ابھی جایئے گا نہیں ، میں اوپر سے نفیس کے ہاتھ بھجوائے دیتی ہوں"

پرویز نے پھر بھی کچھ نہیں کہا ، وہ بغیر چائے پیئے اوپر چلی گئی تھوڑی دیر میں ، نفیس ایک کاغذ میں لپٹے ہوئے روپے لایا۔ ماہتاب خود نہیں آئی اس کی امی نے نفیس کے ہاتھ کہلوایا بھی لیکن پرویز کی موجودگی میں تو وہ نہیں آئی۔ بعد میں شاید آئی ہو۔

پانچ بجے وہ ہوٹل آگیا۔

سات بجے وہ جی بہلانے کے لیے اپنے پرانے دوستوں سے باتیں کرتا رہا۔ آٹھ بجے تک اس طرح وقت گذرا۔ دس بجے تک وہ اپنے کو کاموں میں الجھائے رہا۔ پھر فوزیہ کے آئے ہوئے خط کو پڑھتا رہا۔ فوزیہ کو بھی اس کے دو خط مل چکے تھے۔ وہ خط کے بہانے فوزیہ کے متعلق سوچتا رہا۔ پھر گیارہ بجے اوپر گیا اور کمرے میں قدم رکھتے ہی اسے معلوم ہو گیا کہ کوئی یہاں موجود ہے کہنے لگا۔

"چھپنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا سامنے آجاؤ ——————"

لیکن وہاں کوئی موجود ہوتا تو سامنے بھی آتا —————— زہرہ تو اس کی غیر موجودگی میں آئی تھی اور اپنے آنے کا احساس دلاکر چلی گئی تھی۔ رات بھر قدموں کی ذراسی چاپ اسے اپنی طرف متوجہ کرتی رہی صبح ہونے کے قریب وہ سو پایا اور پھر دس بجے تک سوتا ہی رہا۔ دس بجے اس کی آنکھ کھلی اور نہا دھوکر جب نیچے اترا تو منیجر نے اس کی خیریت پوچھی اور وہ شرمندگی سی محسوس کرنے لگا تھوڑی دیر میں زہرہ نظر آئی —————— وہ اس سے دور ہی دور رہا لیکن اس کی مسکراتی ہوئی نظریں اس کا تعاقب کرتی رہیں۔ وہ کچھ اور سوچ ہی نہیں پا رہا تھا۔ دو بجے وہ فوزیہ کو خط لکھنے بیٹھ گیا۔ اور بہت کوششوں کے بعد صرف اتنا لکھ پایا۔

"بس، اب تم آہی جاؤ —————— میری حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ میں کیسے کم زندہ رہ پاؤں گا"

یہ خط لکھ کر وہ لفافہ میں رکھ کر اپنے ہاتھ سے ڈالنے گیا۔ لیکن جب ایک گھنٹے کے بعد لوٹا تو لفافہ اس کی جیب ہی میں تھا۔ باہر نکلتے ہی زہرہ کا خیال ایسا

تقویت پا گیا کہ وہ خط ڈالنا بھول گیا۔ ساڑھے تین بجے فون آیا۔ اُس نے جلدی سے کانوں سے ریسیور لگا لیا۔ سمجھا تھا کہ ماہتاب ہو گی لیکن وہ تو زہرہ ہی تھی۔

"تم کہاں سے بول رہی ہو ——"

"ہوٹل کے سامنے سے"

"تم کب تک پریشان کرو گی"

"جب تک آپ فیصلہ نہ کر لیں گے ——"

اور پھر اس کے ہنسنے کی آواز آتی رہی۔ وہ پاگل ہوا جا رہا تھا۔ ریسیور رکھ کر وہ کیبن کو دباتا ہوا باہر نکلا۔ شیشے سے جھانک کر دیکھا۔ زہرہ سامنے کی عمارت کے ایک فلیٹ میں کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں کی چمک وہاں سے بھی نظر آتی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا وہ آدھے سے زیادہ پاگل ہو نہیں چکا ہے۔

وہ آکر اپنی جگہ بیٹھ رہا۔ پھر فون آیا۔ لیکن اب کی صرف زہرہ کے ہنسنے کی آواز ہی آتی رہی۔ وہ کچھ کہہ نہیں رہی تھی۔ پھر بھی وہ کون سی ایسی بات تھی جو اس ہنسی میں چھپی ہوئی نہ ہو۔

رات کے نو بجے سیٹھ ابراہیم سے ملاقات ہوئی۔ ان کا چہرہ اور زیادہ اترا ہوا تھا اور شاید ان چند دنوں میں ان کے سر کے کتنے ہی بال سفید ہو گئے تھے ادھر ادھر کی بات کے بعد کہنے لگے۔

"میں نے اپنا فلیٹ دے دیا ہے۔ دوسرا فلیٹ کل مل جائے گا سیٹھ"

"یہ تو بہت اچھا ہوا ——"

"لیکن اس کی ضد ہے کہ اس فلیٹ کا فرش پھر سے بنواؤ ——— اس وقت تک وہ نہیں جائے گی"

وہ اس بوڑھے شخص کی بے بسی پر حیران رہ گیا۔ اب وہ کاروبار کی باتیں نہیں کرتا تھا۔ اسے اپنی نوجوان بیوی اور اس سے بھی زیادہ ڈھائی لاکھ روپیہ کی فکر تھی۔ کہنے لگا

"ہزار بارہ سو روپے فرش کھا جائے گا"

"کوئی بات نہیں ہے سیٹھ ———"

"اس کا کیا ہے۔ وہ تو آرام سے سو جاتی ہے اور مجھے نیند نہیں آتی۔ ——— آج میں یہیں رہوں گا، ایک ہفتے کے لیے اپنا کوئی کمرہ دیدو۔"

وہ مینجر کے پاس گیا۔ اور دوسری منزل کے ایک کمرے کی کنجی سیٹھ ابراہیم کے حوالے کر دی۔ اب اسے کچھ اطمینان ہوا ——— زہرہ اپنے شوہر کے ساتھ رہے گی۔ ایک ہفتے میں ہوٹل بھی چھوڑ دے گی۔ لیکن جب وہ سونے کے لیے اپنے کمرے میں پہنچا تو تھوڑی دیر کے بعد دروازے پر آہستہ سے دستک ہوئی۔

"کون ہے ———"

"میں ہوں حمید ——— دروازہ کھولو پرویز بھائی ———"

وہ سوچنے لگا کہ حمید اس وقت اس کے پاس کیوں آیا ہے۔ دروازہ کھولا ——— حمید نشہ میں تھا۔ لیکن باتوں سے ظاہر نہ ہوتا تھا کہنے لگا

"تم ابھی سوئے تو نہیں تھے"

"نہیں، سونے جا رہا تھا"

"تو معاف کرنا، میں جا رہا ہوں ———"

"آپ بیٹھتے تو ـــــ کیوں آ گئے تھے"

"میں سینما دیکھنے گیا تھا ـــــ اتنا بور تھا کہ انٹرول کے بعد ہال میں جانے کو دل نہ چاہا ـــــ نہ جانے تم کیوں یاد آ گئے چلا آیا ـــــ"

اس نے سگرٹ کا ڈبہ حمید کے سامنے رکھ دیا۔ وہ سگرٹ سلگا کر پیتا رہا۔ پھر کہنے لگا۔

"میرے پاس ٹیکسی کے لیے پیسے نہیں ہیں ـــــ"

"تو میں دے دوں ـــــ"

"اسی لیے تو آیا تھا، پیسے دے دو یا خود پہنچا دو ـــــ"

اس نے دس روپے بھی دیئے اور نیچے تک چھوڑنے بھی آیا ـــــ

جب وہ زینے سے اتر رہا تھا تو آخری سیڑھی پر زہرہ ملی اور حمید اسے غور سے دیکھنے لگا ـــــ نیچے اتر کر پوچھنے لگا۔

"یہ کون قیامت تھی"

"معلوم نہیں ـــــ"

"لیکن تم ایک دن اسی سے باتیں کر رہے تھے ـــــ"

"میں باتیں تو ہزاروں سے کرتا ہوں ـــــ"

"ہاں، تم ہی اچھے ہو پرویز بھائی ـــــ میں تو شادی کر کے پچھتا رہا ہوں۔ ماہتاب ہر وقت بچوں میں لگی رہتی ہے۔ وہ میرے ہی بچے ہیں۔ لیکن میں تو ان کو اتنا زیادہ منہ نہیں لگاتا ـــــ وہ دونوں بھی اس سے اتنے مانوس ہیں کہ جب تک اس کو بیچ میں نہیں لٹا لیتے۔ سوتے تک نہیں ہیں ـــــ"

پرویز نے رکشا والے کو آواز دی۔ اور جب حمید چلا گیا تو اس کی آنکھوں کی ساری نیند اچاٹ ہو چکی تھی۔ وہ نیچے لان ہی میں بیٹھا رہا اور ایک بجے اوپر آ کر لیٹ رہا

اور سو گیا۔

بہت صبح کسی کے گدگدانے سے اس کی آنکھ کھلی۔ دیکھا۔ زہرہ بیٹھی ہے۔

"تم ——"

"گھبراؤ نہیں۔ میں ابھی آئی ہوں ——"

"لیکن تم آئی کیوں ——"

"صبح ہی صبح غیر ضروری سوالات نہ کرو —— یہ بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے ——"

"جو جی میں آئے کرو ——"

"میں سیٹھ جی کے ساتھ چلی جاؤں ——"

"ضرور —— اور اب یہاں سے جاؤ —— کوئی بیرہ آگیا تو غضب ہو جائے گا"

"میں ایک بیرے سے پوچھ ہی کر یہاں آئی ہوں ——"

"پھر بھی تم جاؤ ——"

"اچھا تو جاتی ہوں —— جو جی میں آئے گا، کروں گی —— پھر تم کچھ نہ کہہ سکو گے"

"میں کچھ کیوں کہنے لگا"

اور وہ ہنستی ہوئی چلی گئی —— اور اسی دن دس بجے اس نے سیٹھ ابراہیم کو اپنا بل چکاتے ہوئے دیکھا۔ ان کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سوٹ کیس تھا۔ جس میں زہرہ کے زیورات اور کپڑے تھے۔ وہ زہرہ کی نظر بچانے کے لیے سامنے سے ہٹ آیا۔

دو بجے زہرہ کا فون آیا

"اب میں تم سے نہیں بولوں گی۔"

"فون بھی نہ کرنا ......"

زہرہ ہنسی نہیں اور اس نے فون رکھ دیا۔ پھر سوچنے لگا کہ زہرہ کا تو پاپ کٹا ...... لیکن کتنا صبر آزما زمانہ تھا۔ وہ تھوڑی دیر کے بعد کلفٹن گیا۔ اور شام تک وہیں رہا۔ پھر آ کر تھک کر سو گیا۔

تیسرے دن شام کو وہ بہت اداس بیٹھا تھا کہ فوزیہ آ گئی۔ اور نہ جانے اس کو دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو کیوں آ گئے۔ وہ اس کے ساتھ اوپر آیا اور اسے گلے لگا کر بچوں کی طرح رونے لگا۔

"ارے، ارے یہ کیا ......"

"تم مجھے چھوڑ کر کیوں چلی گئی تھیں ......"

"میں تو آپ سے پوچھ کر گئی تھی"

"میں نے تم کو کیوں جانے دیا تھا ......"

فوزیہ کو اس کی باتوں پر ہنسی آ رہی تھی اور تعجب بھی ہو رہا تھا۔ اُسے یہ احساس ہوتا جا رہا تھا کہ اس نے ایسے مرد سے شادی نہیں کی ہے جو بڑی بردباری سے زندگی کے اہم معاملات میں فیصلہ کرتے ہیں۔ جو طوفانوں سے لڑتے ہیں۔ یہ شخص تو بہت کمزور طبیعت کا مالک ہے یا بھٹک گیا ہے۔ اور ایک اجنبی دنیا

میں پہنچ کر اپنی خود اعتمادی ختم کر چکا ہے۔ وہ اس کے گلے سے لگی کھڑی رہی اور ایسی ہی باتیں سوچتی رہی۔ پھر کہنے لگی۔

"میں ایک فیصلہ کر کے آئی ہوں"

"کیسا فیصلہ ـــــــ"

"اگر آپ کو ہوٹل کی یہ زندگی پسند نہیں ہے تو یہاں سے چلے چلئے، اگر ہوٹل کی تجارت پسند نہیں ہے تو اس سے علیحدہ ہو جائیے۔ اگر میں بھی پسند نہیں ہوں تو مجھے بھی چھوڑ دیجئے ـــــــ"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو"

"میں بھی یہی سوچتی ہوں کہ آپ نے مجھ سے شادی کر کے غلطی کی ہے ـــــــ"

"شاید تم نے غلطی کی ہے ـــــــ"

"نہیں، میں نے آپ کو اپنے تصورات کے مطابق پایا تھا۔ اسی لیے میں نے شادی کی تھی۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے تصورات کو پورا نہ کر سکی ـــــــ"

اور وہ دکھتے ہوئے دل کے ساتھ علیحدہ ہو گئی اور اپنا سامان کھولتے اور رکھتے ہوئے کہنے لگی

"میں نے سب صورتیں آپ کے سامنے پیش کر دی ہیں، آپ یہاں سے کہیں اور چل کر رہ سکتے ہیں۔ ہوٹل کی شرکت سے کنارہ کش ہو سکتے ہیں۔ مجھ سے نجات حاصل کر سکتے ہیں ـــــــ"

پرویز بڑے تعجب سے اس کی باتیں سنتا رہا۔ فوزیہ مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

"ہماری شادی کو ابھی زیادہ زمانہ نہیں گذرا ہے۔ لیکن آپ مجھ سے اکتا گئے ہیں"

"میں اکتا گیا ہوں؟"

"اگر اکتائے نہیں تو ویسا خط کیوں لکھتے ——— آپ مرنے کی باتیں سوچتے ہیں اور میں سوچتی ہوں کہ ابھی تو ہماری زندگی شروع بھی نہیں ہوئی ہے۔ ابھی ہمارے بچے نہیں ہیں۔ زیادہ ذمہ داریاں نہیں ہیں۔ اگر آپ ایسی ہی ناامیدی کی باتیں کرتے رہے تو آخر ہو گا کیا۔ ان ذمہ داریوں کو کون سنبھالے گا"

پرویز سے کوئی جواب بن نہ پڑا۔ فوزیہ جب اپنے مختصر سے سامان کو رکھ چکی اور پیچھے سے چائے آگئی تو کہنے لگی

"بولیے ——— آپ کیا کہتے ہیں ———"

"میں کیا کہوں ———"

فوزیہ اٹھ کر ٹہلنے لگی اور پھر اس کے بالوں کو چھوتی ہوئی اپنے بستر پر جا لیٹی اور وہ نیچے آگیا۔ گیارہ بجے تک وہ نیچے رہا اور فوزیہ کی باتوں پر غور کرتا رہا۔ پھر اوپر آگیا۔ فوزیہ سو رہی تھی لیکن بے چین تھی۔ جب ہی سے اس کے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے تین چار بار کروٹیں بدلیں۔ اس نے چاہا کہ وہ جا کر اس کے پاس بیٹھ جائے۔ اس سے پیار و محبت کی باتیں کر کے اس کے بے چین خیالات کو دور کر دے۔ اسے اپنی محبت کا یقین دلا دے۔ لیکن اسے اپنی زبان پر اختیار نہیں تھا جو کسی اور سے محبت کا اظہار کر چکی تھی۔ اپنے ہاتھوں پر اختیار نہیں تھا جو ناپاکیوں میں سن چکے تھے۔ اس کے سارے جسم میں ایک کپکپی سی ہونے لگی اور وہ کھلی چھت پر بے چینی سے ٹہلتا رہا اور پھر جہاں فوزیہ

ہوٹل کا بورڈ لگا تھا۔ اس کے پاس کرسی بچھا کر بیٹھ گیا۔ اور تاروں بھرے آسمان کو دیکھتا رہا اور سگرٹوں پر سگرٹیں پیتا رہا۔

تین بجے اس نے فوزیہ کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔

"آپ سوئے نہیں——"

"مجھے نیند نہیں آ رہی تھی——"

"چلیے، میں سلا دوں——"

وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور بستر پر لیٹ رہا۔ فوزیہ ہلکے ہلکے اس کے بالوں میں اپنی انگلیوں سے کنگھی کرتی رہی۔ اور وہ تھکاوٹ کے شدید احساس سے دب کر سو گیا۔

دوسرے دن فوزیہ اسے اپنے ساتھ شہر کے دور دراز علاقوں میں لیے لیے گھومتی رہی۔ اور اس سے پوچھتی رہی کہ کیا وہ ان مقامات پر رہنا پسند کرے گا۔ لیکن وہ ہر بار انکار میں گردن ہلاتا رہا اور یہی کہتا رہا کہ ہوٹل ہی اچھا ہے۔ وہاں بیک وقت تمام آسانیاں موجود ہیں۔ فوزیہ نے کچھ اور نہیں کہا۔ اور جب رات کو سونے کے لیے لیٹی تو کہنے لگی

"تو آپ کو ہوٹل کے کاروبار ہی سے نفرت ہے——"

"نہیں—— کاروبار اچھا ہے"

"پھر آپ ضرور مجھ سے تنگ آ گئے ہیں——"

"میں تم سے بھی تنگ نہیں آیا ہوں۔"

"تو پھر کیا بات ہے——"

اور اس نے پھر کوشش کی کہ اپنے پیار سے اس کے شبہات کو دور کر دے لیکن جب پیار کے متعلق سوچتا تھا تو زہرہ کی ہنسی یاد آ جاتی تھی۔

کانوں میں نقارے سے بجنے لگتے تھے۔ فوزیہ نے اس کے ہاتھ تھام لیے اور کہنے لگی

"یہ آپ کے ہاتھ کانپ کیوں رہے ہیں ———"

"نہیں تو ———"

"اور پسیجے ہوئے بھی ہیں ———"

اور اس نے اپنی جھوٹی ہنسی سے اس کی باتوں کو ٹالنا چاہا۔ لیکن فوزیہ بچی نہیں تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ کہنے لگی۔

"آپ کو کسی اور سے تو محبت نہیں ہے؟"

"مجھے کسی اور سے محبت نہیں ہے"

"آپ جھوٹ تو نہیں کہہ رہے ہیں ———"

"نہیں ———"

"پھر یقیناً میری ہی کوئی بات آپ کو ناگوار گذرتی ہے اور آپ تکلف میں کہتے نہیں۔ مجھ سے بتائیے۔ آپ کو میری کون سی بات یا کون کونسی باتیں ناگوار گذرتی ہیں ———"

"فوزیہ میں تم سے کیوں کر کہوں کہ تم بہت اچھی ہو۔ میں ہی اچھا نہیں ہوں۔ مجھ ہی میں خرابیاں ہیں۔"

فوزیہ اسے غور سے دیکھتی رہی۔ پھر کہنے لگی

"آپ کو روپے کی تو کوئی دشواری نہیں ہوتی ———"

"نہیں تو ———"

"آپ یہ تو نہیں سوچتے کہ ہوٹل کی آمدنی میں آپ کا کوئی حصہ نہیں ہے"

"روپیہ تو بہرحال تمہارا اور تمہارے پاپا کا ہے۔"

"میرا روپیہ آپ کا روپیہ ہے"

"ہاں، تم یوں بھی کہہ سکتی ہو"

"میرا مطلب اس روپے سے نہیں ہے جو اس ہوٹل کو قائم کرنے میں صرف ہوا۔ میری مراد ہوٹل کی آمدنی سے ہے۔ کیونکہ ہوٹل کی آمدنی میں جہاں ہوٹل کا خوش ذائقہ کھانا، ملازموں کی اچھی خدمات شامل ہیں۔ وہاں آپ کا حسنِ انتظام بھی شامل ہے۔ پاپا کہتے تھے کہ آپ بہت توجہ سے ہوٹل کے انتظامات میں حصہ لیتے رہے ——"

"خالی وقت میں اور کیا کرتا ——"

"آپ کا وقت خالی کہاں تھا۔ ہوٹل میں جو وقت صرف کرتے ہیں۔ اسی وقت کے صلہ میں آپ کو ہوٹل کی آمدنی کے ایک مناسب حصہ پہ پورا پورا اختیار ہے۔ چاہے آپ جس طرح صرف کریں۔ کسی کو اعتراض نہیں ہوگا۔"

"مجھے جتنے روپے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ صرف کرتا ہوں ——"

"اچھا بتایئے۔ آپ نے کتنا روپیہ صرف کیا ——"

"اب کوئی میں حساب رکھتا ہوں ——"

"میں مینجر سے پوچھ چکی ہوں ——— آپ نے ہوٹل کے حساب سے ایک پیسہ بھی نہیں لیا ہے ——— وہ روپے جو میں الماری میں چھوڑ گئی تھی۔ اس میں بھی دس پانچ روپے ہی کم ہیں۔ جو آپ نے سگریٹ پر خرچ کیے ہوں گے ——"

"خرچ کیا کرتا ——— کھانے کو مل جاتا ہے۔ ایک بار سینما گیا تھا۔ اور بس ——"

"نہیں، آپ کو خرچ کرنا چاہیئے ـــــــ"

اور پھر وہ اس کے سینے سے لگ کر بیٹھ گئی ـــــــ اس کے بالوں کی بھینی بھینی خوشبو کہاں تو پرویز کو ستاروں کی دنیا میں پہنچا دیتی تھی۔ اور کہاں بے چین کرنے لگی ـــــــ فوزیہ کے احساسات اتنے تیز تھے کہ اس نے اس کی بے چینی محسوس کر لی اور الگ ہٹ کر بیٹھ گئی ـــــــ اور پھر کچھ سوچتے سوچتے سو گئی۔

اس کے بعد پرویز نے فوزیہ کے رویّے میں ایک زبردست تبدیلی دیکھی۔ لاہور سے آنے کے ایک ہفتے تک تو وہ کسی سے ملی نہیں تھی۔ اسی کے ساتھ رہتی تھی۔ اسی سے باتیں کرتی تھی۔ لیکن اب صبح ہوتے ہی وہ بن سنور کر نیچے آ جاتی اور لوگوں سے ہنس ہنس کر باتیں کرتی۔ ایک بجے جب اس کے پاپا آتے اور دو بجے جاتے تو اکثر وہ ان کے ساتھ چلی جاتی اور شام کو آتی اور یا تو نیچے ہی رہتی یا اپنی کسی سہیلی کے ساتھ یا اکیلے ہی سینما چلی جاتی یا کسی پارٹی میں شرکت کرنے کے لیے چلی جاتی۔ رات کو آتی۔ اس سے رسمی سی باتیں کرتی۔ پھر سو جاتی۔

پرویز کو اس کے اس رویّے پہ بھی تکلیف ہو رہی تھی۔ وہ اس کی محبت بھی نہیں چاہتا تھا اور اس کا تغافل بھی ناپسند کرتا تھا۔ وہ حیران تھا کہ آخر وہ چاہتا کیا ہے۔

ایک دن زہرہ آئی ـــــــ اور دن بھر فوزیہ کے ساتھ ہی رہی شام کو فوزیہ زہرہ کے ساتھ سینما دیکھنے چلی گئی۔ جاتے وقت اتنا ضرور پوچھا

"پیلس میں بڑی اچھی پکچر چل رہی ہے۔ چلیے گا"

اگر وہ اکیلی ہوتی تو ضرور چلا جاتا لیکن زہرہ ساتھ تھی۔ کہنے لگا

"تم ہی چلی جاؤ ———"

فوزیہ نے پھر کچھ نہیں کہا اور چلی گئی ——— وہ یہی سوچتا رہا کہ فوزیہ اس سے علیحدہ رہنے کی عادی بننا چاہتی ہے۔ اس خیال سے اسے سکون بھی مل رہا تھا لیکن جب وہ یہ سوچتا تھا کہ کیا وہ اس علیحدگی کا عادی بن سکے گا تو اس کے دل میں ٹیسیں سی اٹھنے لگیں۔ نو بجے فوزیہ واپس آئی ——— اوپر چلی گئی ———

ساڑھے دس بجے زہرہ کا فون آیا۔

"تو آپ نے فوزیہ کو بھی ناراض کر دیا ———"

"میں نے کسی کو ناراض نہیں کیا ———"

"مجھ کو تو ناراض کیا ہے"

"تم باتیں ہی ایسی کرتی تھیں ———"

"پھر کیسی باتیں کروں جو آپ ناراض نہ ہوں ———"

"تمہیں میری ناراضگی کی کیا پروا ہے ———"

"ہونا تو نہیں چاہیئے لیکن میں اپنے دل سے مجبور ہوں ———"

پرویز نے چاہا کہ فون رکھ دے لیکن پھر زہرہ نے کہا

"جیسا میں نے آپ کو چھوڑ دیا ہے۔ فوزیہ بھی چھوڑ دے گی ———"

اور زہرہ کے فون رکھنے کی آواز آئی ——— اس نے فوراً ہی زہرہ کو فون کیا۔ اس کی ہنسی کی آواز آئی اور پھر فون رکھ دیا گیا ——— وہ ایسا پریشان ہوا کہ ساڑھے گیارہ بجے تک اوپر نہیں گیا۔

* * * * * *

۹

گھاؤ

اس کے بعد تو حالات کچھ ایسی تیزی سے پلٹا کھانے لگے کہ پرویز سے سنبھلنا دشوار ہو گیا۔

یہ ایک ہفتے بعد کی بات ہے —— فوزیہ کہیں گئی ہوئی تھی اور وہ ایک گھنٹے سے اکیلا بیٹھے بیٹھے گھبرا گیا تھا۔ تین بجے کا وقت تھا۔ ہوٹل میں دو چار ہی لوگ ہوں گے۔ جو چائے پی رہے تھے اور آپس میں کسی بات پر ہنس رہے

تھے کہ حمید آیا اور اس کے پاس خاموشی سے بیٹھ کر مسکرانے لگا۔ وہ اس کی خاموشی سے پریشان ہوگیا۔ کہنے لگا

"کیا بات ہے حمید صاحب ——"

"میں تم سے زہرہ کے متعلق کچھ پوچھنے آیا ہوں ——"

"پوچھیے ——"

"کل ایک پارٹی میں اس سے میری ملاقات ہوگئی۔ تعارف تو تم کرا چکے تھے۔ لیکن جسے تعارف کہتے ہیں۔ وہ کل ہی ہوا ——"

"میں سمجھا نہیں ——"

"عجیب عورت ہے ——"

"ہوگی"

"تم کو تو معلوم ہوگا"

"مجھے اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے ——"

"خیر، اتنا بتا دو کہ کیا اس کے پاس واقعی ڈھائی لاکھ روپے ہیں"

"وہ سیٹھ ابراہیم کے ہیں ——"

"لیکن اس کے نام سے جمع ہیں ——"

"شاید ——"

"اور وہ ان کو نکال سکتی ہے ——"

"شاید ——"

"بس یہی معلوم کرنا تھا ——"

اور یہ کہہ کر حمید چلا گیا۔ اس نے اسے روکنا چاہا لیکن اس کے منہ میں جیسے زبان ہی نہیں تھی۔ حمید تو چلا گیا اور اس کے لیے پریشانیوں کا نیا باب کھول گیا ——

اگر حمید کی ماہتاب سے شادی نہ ہوئی ہوتی تو اسے فکر نہ ہوتی۔ زہرہ کے لیے حمید ہی ایسے شخص کی ضرورت تھی۔ دونوں اپنی اپنی دنیاؤں کے دیوانے تھے۔ لیکن حمید ماہتاب کا شوہر تھا۔ ایک دم سے ماہتاب سے ملنے کی خواہش پیدا ہوگئی اور یہ خواہش اتنی بڑھی کہ وہ قابو نہ پا سکا ——— باہر نکلا اور سیدھا اپنے گھر گیا۔ اس کی امی ماہتاب کے پاس اوپر ہی تھیں۔ اس لیے ماہتاب کے پاس جانے میں اسے تکلف بھی نہیں ہوا۔ اور اس وقت تو اس پر کچھ ایسی دیوانگی طاری تھی کہ اگر امی وہاں نہ بھی ہوتیں تو وہ چلا جاتا۔

ماہتاب اسے دیکھ کر کچھ گھبرا گئی۔ اس کی امی مسکرانے لگیں۔ کہنے لگیں۔

"چلو، نیچے چلو، چائے بنا دوں ———"

ماہتاب نے کہا

"چائے میں بنائے دیتی ہوں خالہ جان"

اور وہ چائے بنانے لگی۔

وہ اپنی امی سے باتیں کرتا رہا۔ پھر جب چائے آگئی تو کنکھیوں سے ماہتاب کو دیکھنے لگا۔ وہ اس عرصے میں کچھ اور دبلی ہوگئی تھی۔ یقیناً حمید سے اس کے تعلقات اچھے نہیں تھے۔ اس کی امی نے کہا۔

"حمید صاحب نے پھر وہی حرکتیں شروع کر دی ہیں ———"

ماہتاب بولی

"چھوڑیئے ان باتوں کو خالہ جان ———"

لیکن پرویز کی امی کہنے لگیں

"یہ تم ہی لوگوں کی کمزوری ہوتی ہے جو شوہر قبضے میں نہیں آتے۔ میں تمہاری بہن سے بھی یہی کہا کرتی تھی۔ تم سے بھی یہی کہتی ہوں کہ ذرا سختی سے پیش آؤ۔ دو دن میں میاں ٹھیک ہو جائیں گے"

ماہتاب ہنسنے لگی۔ پرویز جانتا تھا کہ وہ ہنسی میں اس موضوع ہی کو ٹالنا چاہتی ہے ——— اس کی امی تھوڑی دیر میں چلی گئیں۔ اس وقت وہ اپنے لیے دوسری پیالی چائے بنانے لگا۔ تاکہ اسے ٹھہرنے کا بہانہ مل جائے۔ پوچھنے لگا۔

"حمید صاحب کس وقت آتے ہیں ———"

"اب آتے ہی ہوں گے"

"پھر کہیں جاتے ہیں ———"

"کبھی کبھی جاتے ہیں۔ اکثر میں بھی جاتی ہوں ———"

"تو تمہیں ان سے کوئی شکایت نہیں ہے ———"

"ویسے تو شکایت کس کو نہیں ہوتی۔"

پرویز نے محسوس کیا کہ وہ اور زیادہ باتیں کرنا نہیں چاہتی ——— اس نے کہا

"اچھا، اگر تم چھپانا ہی چاہتی ہو تو اور بات ہے۔"

"کسی دن فوزیہ کو لے کر آیئے ———"

"فوزیہ کو بھیج دوں گا"

ماہتاب نے یہ نہیں کہا کہ فوزیہ کے ساتھ اس کو بھی آنا چاہیئے۔ وہ نیچے آگیا اور اپنی امی سے باتیں کرتا رہا۔ اس کی امی نے بتایا کہ حمید شراب پی کر آتا ہے۔ اپنے بچوں کو مارتا ہے۔ ماہتاب کو بھی گالیاں دیتا ہے۔ وہ خود

کئی مرتبہ سمجھا چکی ہیں۔

"تم نے دیکھا کہ ماہتاب کتنی دبلی ہو گئی ہے ——"

اور وہ ابھی کچھ کہہ نہیں پایا تھا کہ کہنے لگیں

"اس پر مجھے یاد آیا کہ تم بھی بہت دبلے ہو رہے ہو —— کیا ہوٹل کا کھانا جسم کو نہیں لگتا"

وہ قہقہہ مار کر ہنسا۔ کہنے لگا

"اب آپ کو میں بھی دبلا نظر آنے لگا"

"بہت دن سے دلہن نہیں آئی ——"

"لاؤں گا کسی دن ——"

"جو عیش آرام تم کو مل رہا ہے۔ اس میں تو تم کو خوب موٹا تازہ ہو جانا چاہیے تھا ——"

وہ ہنستا ہوا وہاں سے چلا آیا۔ لیکن یہ ہنسی اسی وقت تک تھی۔ جب تک وہ ان کے کمرے میں تھا۔ باہر نکلتے ہی ماہتاب اپنے زینہ پر کھڑی ہوئی نظر آئی۔ وہ رکا۔ لیکن ماہتاب جلدی سے اوپر چلی گئی۔ اور وہ اور زیادہ اداس ہو کر نیچے آ گیا۔ اور بہت دیر تک موٹر میں ادھر ادھر گھومتا رہا۔ سات بجے کے قریب ہوٹل میں پہنچا۔ دیکھا زہرہ موجود ہے اور اکیلی میز پر بیٹھی ہوئی کچھ کھا رہی ہے۔ اس پر سے نظریں ہٹیں تو حمید پر پڑیں جو قریبی میز پر بیٹھا بڑے آن بان سے بیرے کو آرڈر دے رہا تھا۔ وہ ان دونوں کی نظروں سے بچتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد جب باہر آیا تو زہرہ باہر جا رہی تھی اور ایک لمحہ کے بعد حمید بھی باہر چلا گیا۔ وہ شیشے سے ان دونوں کو دیکھتا رہا۔ یہ دونوں

باہر لان میں پڑی ہوئی میزوں پر ایک ساتھ بیٹھ گئے ——— اور بیرا حمید کا کھانا وہیں اٹھا کر لے گیا ——— اس سے زیادہ دیکھنے کی اس میں تاب نہیں تھی ——— وہ اوپر چلا گیا۔ اور اپنے بستر پر جوتے پہنے ہی لیٹ گیا۔ اور ان دونوں کے متعلق سوچنے لگا۔

آدھے گھنٹے کے بعد فوزیہ آئی۔ اور اسے اس طرح لیٹے دیکھ کر کہنے لگی۔

"اگر سونے کا ارادہ ہے تو جوتے اتار کر لیٹئے ———"

"ہاں، نیچے جانے کو جی نہیں چاہ رہا ہے ———"

"تو سو جائیے ———"

وہ سمجھا کہ وہ بھی کپڑے بدل کر اس کے پاس آ بیٹھے گی۔ لیکن فوزیہ نے گھنٹی بجا کر بیرے کو بلوایا۔ اپنے لئے کھانا منگوایا۔ پھر جب بیرا جانے لگا تو پرویز سے پوچھنے لگی۔

"آپ بھی کچھ کھائیے گا"

"نہیں ———"

فوزیہ اپنے کپڑے بدلنے دوسرے کمرے میں گئی۔ لیکن جب آئی تو اور زیادہ خوش رنگ اور جاذب نظر کپڑے پہنے تھی۔ وہ پوچھنے لگا۔

"کیا کہیں جا رہی ہو ———"

"آج ہفتہ ہے۔ لکژری میں ڈانس ہے ———"

"تو کھانا بھی وہیں کھائیں ———"

"کھانا مجھے اپنے ہوٹل ہی کا پسند ہے ———"

اور وہ کھانا کھانے لگی۔ پھر ایک گھنٹے تک میک اپ کرتی رہی۔ پرویز

چپ چاپ لیٹا رہا اور اسے دیکھتا رہا۔ جاتے وقت وہ کہنے لگی۔

"آپ آرام سے سو جایئے"

"کس کے ساتھ جا رہی ہو ——"

"شبنم ہے۔ اس کے دونوں بھائی ہیں۔ اس کی بھابھی ہے ——"

اور وہ جھک کر اس کے دونوں ہاتھوں کو پیار کرتی ہوئی چلی گئی۔ کچھ دیر تک تو اسے فوزیہ کے رویے پر تعجب ہوتا رہا لیکن پھر یہ سوچ کر کہ خود اس نے اس کے ساتھ کون سی بھلائی کر کے دکھا دی تھی جو وہ اس کے لیے مٹتی رہتی وہ خاموش رہا۔ اسے نہ اس وقت نیند آ رہی تھی اور نہ اب آ رہی تھی۔ وہ نیچے آگیا۔ نہ حمید موجود تھا اور نہ زہرہ موجود تھی۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ دونوں ایک ساتھ کہیں گئے ہیں یا زہرہ اپنے گھر چلی گئی ہے۔ تھوڑی دیر تک اپنے دو چار دوستوں سے باتیں کرتا رہا پھر سیٹھ ابراہیم کو دیکھ کر مسکرا دیا کہنے لگا۔

"بہت دن کے بعد آئے سیٹھ صاحب ——"

"زہرہ آئی تھی"

"جی ہاں، ابھی گئی ہیں ——"

"عجیب عورت ہے۔ نیا گھر بھی لے دیا لیکن ——"

اس نے سیٹھ ابراہیم کے لیے مرغ کی بھنی بھنی ٹانگیں منگائیں۔ جن کو وہ مزے لے لے کر کھاتے رہے۔ اور اپنی بیوی کے متعلق باتیں کرتے رہے۔ جب دس بج گئے تو وہ اس سے پھر آنے کا وعدہ کر کے چلے گئے۔ وہ بیٹھا رہا۔ قریبی میز پر ایک نوجوان عورت دو نوجوانوں کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اور ان سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔ اس کی ہنسی میں کتنی کشش تھی۔ دوسری طرف والی میز پر دو بوڑھے سر جوڑے اپنے کاروبار کی باتیں کر رہے تھے۔ جب

وہ اپنی جگہ سے اٹھا تو اس کے دو دوستوں نے اسے پھر سے پکڑ لیا۔ وہ ان دونوں کے لیے کھانے کا آرڈر دے کر ان کو لیے لیے اوپر گیا۔ ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ وہ اپنے دوستوں کو اپنے رہائشی کمروں میں لے جاتا تھا لیکن یہ دونوں چھوڑنے والے نہیں تھے اور نیچے اس سے بیٹھا نہیں جاتا تھا ——— وہ دونوں کھانا کھاتے رہے۔ سگریٹیں پیتے رہے اور پھر اس سے دس روپے لے کر چلے گئے ——— ساڑھے گیارہ بجے، جب وہ کھلی چھت پر پتلون اور قمیض پہنے اور ننگے پیر ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا کہ فوزیہ آ گئی۔ اور اسے اس طرح ٹہلتے دیکھ کر بے ساختہ ہنسنے لگی۔ پھر ایک کرسی گھسیٹ کر خود بھی بیٹھ گئی اور ڈانس کی باتیں کرتی رہی۔ پرویز برابر ٹہلتا رہا۔ فوزیہ کے انداز بتاتے تھے کہ وہ کچھ اور باتیں کرنا چاہتی ہے۔ لیکن اس کے اپنے رویے کی وجہ سے خاموش ہے اور یہ خاموشی اتنی بڑھی کہ پرویز نے کہا

"کیوں، کیا سوچنے لگیں"

"میں نے اتنی باتیں کیں، آپ نے کون سی دلچسپی لی جو اب میری خاموشی کے متعلق باز پرس کرنے لگے"

"تم باتیں کرتی رہو ———"

"میں ایک ریکارڈ بھروالوں گی۔ جب آپ صرف میری آواز سننے کے موڈ میں ہوں اور ریڈیوگرام پر لگا دیا کیجیے گا"

یہ جملہ اس نے ہنس کر کہا تھا لیکن اس جملہ میں جو تلخی چھپی تھی۔ اس کا پرویز کو بھی احساس ہو گیا۔ کہنے لگا

"تم کو یقین ہوتا جا رہا ہے نا کہ میں تمہارے قابل نہیں تھا"

مجھے اس کا یقین ضرور ہوتا جا رہا ہے کہ آپ کو مجھ سے محبت

نہیں رہی ـــــــ"

"تمہارا خیال صحیح نہیں ہے ـــــــ"

"میں بلا وجہ کوئی بات محسوس نہیں کرتی"

"مجھے اور کس سے محبت ہو گی"

"میں کیا بتا سکتی ہوں ـــــــ"

پرویز تھک کر اس کے پاس ہی دوسری کرسی لا کر بیٹھ گیا۔ اور آنکھیں بند کر کے کہنے لگا۔

"فوزیہ ـــــــ تم موجود ہو نا"

"کیا آپ دیکھ نہیں رہے ہیں ـــــــ"

"میں نے اپنی آنکھیں بند کر لی ہیں ـــــــ"

"تو پھر میں نظر کیسے آ سکتی ہوں۔ ـــــــ"

"تم یہ بھی سچ ہی کہتی ہو ـــــــ جب میری ہی آنکھیں بند ہیں تو میں تم کو کیونکر دیکھ سکتا ہوں ـــــــ"

فوزیہ کو اس کی باتوں پر غصہ بھی آ رہا تھا اور ہنسی بھی آ رہی تھی۔ اس نے شادی کیا کی تھی۔ ایک روگ لگا لیا تھا۔

پرویز نے کہا

"فوزیہ کیا یہ ممکن نہیں کہ انسان اپنی آنکھیں بند کر لے اور اپنے کو دیکھنا بھی ختم ہو جائے ـــــــ"

"یہ کیوں پوچھ رہے ہیں ؟"

"اس لیے کہ میں اپنے کو دیکھنا نہیں چاہتا ـــــــ"

"کیوں ـــــــ"

"مجھے اپنے سے نفرت ہوتی جارہی ہے فوزیہ ——— مجھے اپنی آواز سے اپنی آنکھوں، اپنے کانوں، اپنی آواز اپنے احساس سے نفرت ہوتی جارہی ہے ——"

فوزیہ نے آہستہ سے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ اب اسے اس کی باتوں پر ہنسی نہیں آرہی تھی۔ ترس آرہا تھا۔ کہنے لگی

"اس کی وجہ جانتے ہیں ——"

"نہیں ——"

"آپ نے جو توقعات مجھ سے وابستہ کی تھیں وہ پوری نہیں ہوئیں"

"اور تمھاری پوری ہوگئیں ——"

"نہیں ——— میں اس صاف گوئی کی معافی چاہتی ہوں لیکن میں زندگی کے اتنے اہم معاملے میں نہ خود فریبی میں مبتلا ہونا چاہتی ہوں۔ اور نہ فریب دینا چاہتی ہوں ——"

"پھر کیا ہوگا"

"ابھی میں نے اپنی بات پوری نہیں کی ہے ——— اگر آپ میری توقعات پوری کرتے تو میں آپ کو کراچی کیا، پاکستان کے سب سے بڑے ہوٹل کا مالک بنا دیتی ——— لیکن آپ نے نہیں چاہا۔ نتیجہ یہ ہے کہ میں خود بھی ہوٹل سے اکتانے لگی ہوں۔ آج تفریح کرنے میں دوسرے ہوٹلوں میں جاتی ہوں۔ کیا یہی اس بات کی شہادت نہیں ہے کہ مجھے اس ہوٹل سے لگاؤ نہیں رہا۔ اس کی آمدنی ناکافی نہیں ہے۔ گذر بسر کرنے کے لیے کافی ہے۔ یہی آپ کا حال ہے۔ گذر بسر کرنے کے لیے جیسے عام شوہر ہوا کرتے ہیں۔ آپ بھی ویسے ہی بنتے جا رہے ہیں۔"

پرویز خاموشی سے اس کی باتیں سنتا رہا۔ پھر کہنے لگا
"میں نے تم سے کوئی ایسی توقع وابستہ نہیں کی تھی"
"اس کی بھی ایک وجہ ہے ———"
"وہ بھی بتا دو ———"
فوزیہ ہنسنے لگی۔ پھر کہنے لگی۔
"آپ کو شادی سے پہلے بھی مجھ سے محبت نہیں تھی ——— اگر محبت ہوتی تو آپ ویسے ہی بن جاتے۔ جیسا میں چاہتی تھی۔ اسی لیے تو میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ کم از کم مرد کو اس عورت سے شادی کرنا چاہیے جس سے اسے محبت ہو۔"
"اور عورت کو ———"
"عورت کو اس سے شادی نہیں کرنی چاہیئے جس سے اسے محبت ہو ———"
"تم تو اچھی خاصی فلسفی بنتی جا رہی ہو۔"
"میرے حالات نے مجھے یہ باتیں سکھائی ہیں ———"
اور پھر وہ اپنی جگہ سے اُٹھی اور سونے کے کمرے میں چلی گئی ——— پرویز نے اس کے جانے کے بعد ایک سگرٹ سلگائی اور پوری سگرٹ پینے کے بعد وہ بھی اندر گیا۔ فوزیہ اُدھر کروٹ لیے لیٹی تھی
"کیا سو گئیں ———"
وہ کچھ بولی نہیں۔ لیکن وہ سوئی نہیں تھی۔ جاگ رہی تھی۔ پرویز نے اس کے شانے چھوئے تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور پرویز گھبرا گیا۔ پھر اس کے سر کو اپنے سینے سے لگا کر بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ

کہنے لگی۔

"آپ مجھے بھی پاگل بنادیں گے ——"

"اب سو جاؤ ——"

"ہاں، اب سو ہی جاؤں گی ——"

وہ اس کے شانے سہلاتا رہا۔ بالوں کو چھوتا رہا۔ وہ خاموش بیٹھی رہی۔ پھر اس کے سینے سے لگے لگے ہی سو گئی۔ وہ اس کو تکیے پر لٹاتے ڈر رہا تھا۔ اور خود تھکا جا رہا تھا۔ پھر وہ خود تکیے کی ٹیک لگا کر بیٹھا رہا اور اسی حالت میں صبح ہوتے ہوتے اس کی بھی آنکھ لگ گئی۔

صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ فوزیہ کی مسہری پر سو رہا تھا اور خود فوزیہ سامنے بیٹھی چائے پی رہی تھی اور اخبار پڑھ رہی تھی۔ کہنے لگی

"آپ جاگ کیوں گئے —— سو جائیے ——"

وہ پھر کروٹ بدل کر اور سر سے چادر اوڑھ کر سو گیا اور گیارہ بجے اٹھا۔ فوزیہ موجود نہیں تھی۔ اس کا پرچہ لکھا رکھا تھا۔

"میں نے دس بجے تک آپ کے جاگنے کا انتظار کیا۔

جب آپ سوتے ہی رہے اور میں بیٹھے بیٹھے تھک گئی تو اب

جا رہی ہوں ——"

اسے فوزیہ کی رات والی باتیں یاد آتی رہیں اور وہ یہ سوچتا رہا کہ فوزیہ اس احساس کے بعد کہ اس کی توقعات پوری نہیں ہوئیں، آئندہ کیا کرے گی۔ وہ تو یہی چاہتا تھا کہ وہ اس کو چھوڑ دے اور خود کسی اچھے شخص سے شادی کر لے۔ جو اس کی توقعات کو پورا کر سکے۔ اور وہ خود کہیں چلا جائے جہاں نہ فوزیہ ہو اور نہ ماہتاب —— وہ نیچے آیا۔ دیکھا حمید بیٹھا اس کا انتظار کر رہا

ہے ۔ اور حمید کو دیکھتے ہی اسے ماہتاب یاد آ گئی

حمید نے کہا

"آج تم بہت دیر تک سوتے رہے پرویز بھائی"

"ہاں ——"

"میں دو مرتبہ بیرے کو تمہارے پاس بھیج چکا ہوں ——"

"مجھ سے کوئی خاص کام ہے ——"

"مہینے کی آخری تاریخیں ہیں —— تم تو جانتے ہی ہو کہ ملازم پیشہ افراد کے لیے ——"

اور پرویز نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا

"جبکہ شراب کے اخراجات روز بروز زیادہ ہوتے جاتے ہوں ——"

"شراب کے لیے مجھے روپے کی ضرورت نہیں ہے پرویز بھائی —— گھر کے لیے ضرورت ہے ——"

"کتنے ——"

"دو سو روپے دو ——"

"آپ گھر ہی کے لیے لے رہے ہیں نا"

"ہاں ، اپنے سر عزیز کی قسم ——"

وہ اوپر گیا اور روپے لا کر اسے دیدیئے ۔ حمید نے روپے جیب میں رکھ لیے اور پھر کہنے لگا ۔

"تم بہت اچھے ہو پرویز بھائی —— میں بھی جب اس قابل ہو جاؤں گا تو ——"

جب وہ جانے لگا تو پرویز نے کہا

"زہرہ ابھی پھندے سے میں نہیں آئی گیا ــــــــ"

حمید ہنسنے لگا۔ پھر کہنے لگا

"تم بھی کیسی باتیں کرتے ہو پرویز بھائی ــــــــ کئی دن سے تو اس سے ملاقات بھی نہیں ہوئی ہے۔ لیکن اپنے سر عزیز کی قسم، ہے بڑی زوردار عورت ہے اور سب سے خوشی کی بات تو یہ ہے کہ ــــــــ جانے بھی دو پرویز بھائی، تم ایک اچھی بیوی کے شوہر ہو ــــــــ تم میری باتوں کو سمجھ نہیں پاؤ گے"

"ماہتاب گھر ہی پر ہیں نا"

"اور کہاں ہو گی"

میں سمجھا کہ وہ بھی ہسپتال پہنچ گئی ہیں ــــــــ"

حمید کا چہرہ اتر گیا۔ وہ اپنی جگہ دوبارہ بیٹھ گیا۔ کہنے لگا

"کیوں مذاق کرتے ہو پرویز بھائی ــــــــ تم بھی یہی سمجھتے ہو کہ آصفہ کی موت کا میں ذمہ دار ہوں"

"نہیں، یہ میں نے یونہی کہا تھا"

"ایسی باتیں یونہی بھی نہیں کہی جاتیں پرویز بھائی ــــــــ ماہتاب سنے گی تو بہت برا مانے گی"

اور حمید اٹھ کر چلا گیا ــــــــ اسے اس بات پر غصہ آ رہا تھا کہ اس نے روپے کیوں دے دیئے تھے۔ ماہتاب ایسی سلیقہ شعار لڑکی گھریلو اخراجات کی طرف سے اتنی بے پروا نہیں ہو سکتی تھی۔ حمید یہ روپے ضرور عیاشی میں صرف کرے گا ــــــــ ابھی اس کوفت سے نجات نہ ملی تھی کہ سیٹھ ابراہیم اپنی بیوی کا رونا رونے کے لیے آ گئے۔ وہ ان کی باتیں سنتا رہا پھر کہنے لگا۔

"آپ اس پر سختی کیوں نہیں کرتے سیٹھ صاحب"
"سختی کروں تو ہمیشہ کے لیے چلی جائے گی"
"جانے دیجئے ——"
"کیسے جانے دوں پرویز بھائی۔ سارا روپیہ تو اسی کے قبضے میں ہے۔ جب میں روپیہ مانگتا ہوں تو صاف صاف کہہ دیتی ہے کہ انہیں اس پر اعتبار نہیں ہے۔ اگر یہ کہتا ہوں کہ اعتبار نہیں ہے تو وہ سچ مچ روپیہ صرف کر دیگی —— ابھی پچھلے ہفتہ پانچ سو نکال چکی ہے۔ میں نے ان کا حساب پوچھا تو دوسرے دن دو سو اور نکال لائی —— اب حساب پوچھتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں ——"
"تو آپ کا کیا ارادہ ہے ——"
"کچھ سمجھ میں نہیں آتا پرویز بھائی —— ادھر کاروبار نہیں چلتا ہے انکم ٹیکس والے سمجھتے نہیں ہیں جتنی کمائی نہیں ہوتی ہے، اتنا انکم ٹیکس دے دیتا ہوں ——"
"آپ کسی اور کو بیچ میں ڈالیے۔ زہرہ کی پھوپھی سے کہئے ——"
"وہ میری ہنسی اڑاتی ہیں۔ کہتی ہیں کہ بوڑھا ہو گیا اور ایک چھوکری کو قبضہ میں نہ کر سکا —— ایک تم ہی ہو جو اگر کچھ مشورہ نہیں دیتے تو خاموشی سے میری باتیں تو سن لیتے ہو ——"
"اور کیا کروں سیٹھ صاحب ——"
سیٹھ ابراہیم اس کے اس جملے کو سمجھے نہیں۔ جب بل آیا تو وہ ادائیگی میں تاخیر کرنے لگے کہ شاید پرویز بل واپس کر دے۔ لیکن یہ ان کو معلوم نہیں تھا کہ اس میں اس کی بیوی کا روپیہ لگا تھا —— بل ادا کرنے سے وہ اور

پژمردہ ہو گئے۔ اور انھیں زہرہ اور یاد آگئی۔ کہنے لگے

"نہ معلوم کہاں چلی جاتی ہے۔ کل رات کو بھی بارہ بجے کے قریب آئی۔ منہ سے بُو آرہی تھی۔ کہنے لگی فوزیہ نے زبردستی شراب پلادی۔"

"فوزیہ نے ——————"

"وہ اس کے ساتھ سینما گئی تھی نا ——————"

پرویز دل ہی دل میں ہنسنے لگا۔ اس کی خاموشی سے سیٹھ ابراہیم کچھ چونکے کہنے لگے

"فوزیہ کے ساتھ سینما گئی تھی نا؟"

"ہاں، فوزیہ ہی کے ساتھ سینما گئی تھی"

"فوزیہ کا معاملہ نہ ہوتا تو میں شراب پینے پر اس کی خبر لیتا۔"

"میں فوزیہ کو سمجھادوں گا"

"اچھی طرح سمجھا دینا پرویز بھائی —————— میں غریب آدمی ہوں۔ اگر زہرہ شراب بھی پینے لگی تو وہ سارا روپیہ شراب ہی میں اڑا دے گی ——————"

اور سیٹھ ابراہیم اس سے ایک سگرٹ لے کر پیتے ہوئے چلے گئے۔

اس وقت تین بج رہے تھے جب فوزیہ واپس آئی۔ پرویز نیچے اپنے کمرے ہی میں تھا۔ بیرے نے آکر کہا

"بیگم صاحبہ آگئی ہیں اور آپ کو بلا رہی ہیں ——————"

وہ ٹھنڈی سانس لے کر اٹھا اور اوپر گیا۔ فوزیہ اکیلی نہیں تھی اس کے ساتھ ایک نازک اندام، کمسن لڑکی تھی۔ کہنے لگی

"یہ میری خالہ زاد بہن یاسمین ہے۔"

وہ لڑکی بڑے ادب سے اسے سلام کرنے لگی۔

"میری خالہ بھی آئی ہیں۔ اسلم بھی آئے ہیں۔ میں نے اسلم کا تو ذکر

کیا ہو گا"

"ہاں شاید ——"

"وہ میرے خالہ زاد بھائی ہیں - مجھ سے آٹھ سال کے بعد ملاقات ہوئی ہے ——"

اور پھر یاسمین سے باتیں کرتی رہی —— پرویز ان دونوں کی باتیں سنتا رہا - چار بجے اسلم بھی آ گیا - وہ فوزیہ سے دو ایک سال ہی بڑا تھا - دو سال انگلستان رہ آیا تھا اور حیدرآباد میں چمڑے کا کاروبار کرتا تھا - اور اب کراچی میں اپنے کاروبار کی ایک شاخ کھولنے آیا تھا —— پرویز اس سے بڑے تپاک سے ملا - لیکن اسلم اس کی باتوں پر زیادہ توجہ نہیں دے رہا تھا - پرویز نے جب بھی اس کی طرف دیکھا، اُسے فوزیہ کی طرف دیکھتے ہی پایا - وہ ہنس دیا - اس کی ہنسی پر اسلم کھسیانا ہو گیا - نیچے سے چائے آ گئی - وہ نمکین بسکٹ کھاتا رہا اور پرویز سے باتیں کرنے کی کوشش کرتا رہا -

ساڑھے پانچ بجے فوزیہ یاسمین اور اسلم کو لے کر نیچے اتری - پورا ہوٹل دکھاتی پھری - پھر ان دونوں کے ساتھ سینما چلی گئی —— پرویز کو دہ جانے اسلم سے مل کر خوشی کیوں نہیں ہوئی - اگر وہ فوزیہ سے بہت زیادہ بے تکلفی کا اظہار کر رہا تھا تو اس میں برا ماننے کی کیا بات تھی - آخر وہ اس کا خالہ زاد بھائی تھا - خالہ زاد بھائیوں سے بے تکلفی ہوتی ہی ہے

نو بجے وہ تینوں واپس آئے اور ایک ساتھ کھانا کھانے لگے - پرویز کو پہلے ہی سے خیال تھا - اس لیے اس نے اکیلے ہی کھانا کھا لیا تھا - فوزیہ نے اس سے صرف ایک بار پوچھا اور پھر اسلم کی باتوں میں ایسی کھوئی کہ پرویز سے بالکل بے خبر ہو گئی —— گیارہ ساڑھے گیارہ بجے تک باتیں

ہوتی رہیں۔ پھر یاسمین فوزیہ کے ساتھ لیٹ رہی۔ اسلم چلا گیا۔ پرویز حسب معمول دیر تک کرسی پر بیٹھا رہا۔ اور ایک کتاب پڑھتا رہا پھر سو گیا۔

صبح وہ اسی وقت جاگا تھا جب اسلم کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ فوزیہ اور یاسمین باہر جانے کے لیے تیار ہو چکی تھیں۔ وہ غسلخانے گیا۔ منہ دھو کر نکلا تو نیچے سے ناشتہ آ گیا تھا۔ اسلم پرویز سے باتیں کرنا چاہتا تھا لیکن جیسے کوئی ایسا موضوع ہی نہیں تھا۔ جس پر وہ اس سے گفتگو کر سکتا۔ ناشتے کے بعد فوزیہ نے کہا

"ہم لوگ ہاکس بے جا رہے ہیں۔ آپ کا دل چاہے تو چلیے ———"

"نہیں، تم ہی جاؤ ———"

"دوپہر میں میرا انتظار نہ کیجئے گا۔ وہاں سے شام ہی کو واپسی ہو گی"

وہ سگرٹ سلگانے لگا اور اس طرح کچھ کہنے سے بچ گیا

وہ تینوں چلے گئے اور وہ نیچے آ کر اخبار پڑھنے لگا۔ اور پھر دو بجے تک کچھ نہ کچھ کرتا ہی رہا۔ اس نے کھانا بھی نہیں کھایا۔ دو تین چائے کی پیالیاں پیں اور پھر اپنے کمرے میں آرام کرسی پر بیٹھ گیا اور ایک کتاب پڑھتا رہا۔ تین بجے اس کا کسی سے بات کرنے کو جی چاہا۔ ہوٹل میں جو لوگ موجود تھے اتفاق سے سب ہی اجنبی تھے۔ پہلے تو وہ بیروں سے باتیں کرتا رہا۔ پھر سیٹھ ابراہیم کو فون کرنے لگا۔ سیٹھ صاحب گھر پر موجود نہیں تھے۔ ان کے نوکر نے بتایا کہ بی بی جی ابھی سو رہی ہیں۔ اس کو فون رکھے مشکل سے پانچ منٹ ہوئے تھے کہ فون آیا۔ زہرہ کی ہنسی کی آواز سن کر اس کا دل ڈوبنے لگا۔

"آج ہم کیسے یاد آ گئے ———"

"میں نے تو سیٹھ صاحب کو فون کیا تھا"

"تو دوکان پر کیجئے ——— یہ نمبر ہے ———"

اس نے وہ نمبر نہیں لکھا۔ زہرہ نے کہا۔

"اور کچھ ——"

"کچھ بھی نہیں ——"

"سیٹھ صاحب سے کیا کہنا تھا"

"کچھ نہیں ——"

"معلوم ہوتا ہے آپ اکیلے ہیں ——"

اور پھر زہرہ کے ہنسنے کی آواز آنے لگی —— اس نے فون نہیں رکھا اور جتنی دیر تک وہ ہنستی رہی۔ سنتا رہا۔ پھر زہرہ نے کہا

"آپ کو شاید معلوم ہوا ہو، سیٹھ صاحب نے آپ سے ضرور کہا ہو گا"

"تم فوزیہ کو کیوں بدنام کرتی ہو ——"

"اس وقت فوزیہ کا نام ہی منہ سے نکل گیا۔ اگر آپ کا نکل جاتا ——"

اور وہ ہنسنے لگی۔ پھر کہنے لگی۔

"آپ کے لیے اب بھی میرے دل میں گنجائش ہے ——"

"تمہارے لیے حمید ہی ——"

"تو آپ کو حمید کے متعلق بھی معلوم ہو گیا ——"

"ہاں —— تم کو شاید معلوم نہ ہو کہ اس کی ایک بیوی ہے اور دو بچے ہیں ——"

"میرا بھی تو ایک شوہر ہے۔ جس طرح میں اپنے شوہر کو چھوڑ دوں گی وہ اپنی زنجیروں کو کاٹ دیں گے ——"

اب کی جب وہ ہنسی تو پرویز میں سننے کی تاب نہیں تھی۔ اس نے فون

رکھ دیا اور بے چینی سے ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ ماہتاب تباہ ہو رہی تھی اور وہ کچھ کر نہیں سکتا تھا۔ آگ کا کھیل شروع ہو گیا تھا۔ یہ آگ ماہتاب کے قریب پہنچ گئی تھی۔ اس کے شعلے اس کے کپڑوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اور اسے سب کچھ خبر تھی لیکن وہ خود ہی جل جانا چاہتی تھی۔

پانچ بجے سے ہوٹل میں پھر گہما گہمی شروع ہو گئی ——— وہ اپنی اداس اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے فرائض انجام دیتا رہا۔ شام ہو گئی اور پھر اندھیرا بھی ہو گیا۔ فوزیہ واپس نہیں آئی۔ فوزیہ کا اسے انتظار بھی نہیں تھا۔ اسے تو جیسے کسی کا انتظار نہیں تھا۔ نو بجے اسے فوزیہ کے واپس آجانے کی اطلاع ملی کیونکہ ان تینوں کا کھانا اوپر جا رہا تھا اور بیرا پوچھنے آیا تھا کہ وہ اوپر ہی کھانا کھائے گا یا یہیں کھائے گا۔ اس نے اپنے لیے یہیں منگا لیا اور باہر لان میں پڑی ہوئی میزوں میں سے ایک میز پر بیٹھ کر کھانے لگا۔ وہ ابھی کھانا کھا ہی رہا تھا کہ دو لڑکیاں مسکراتی ہوئی اس کے قریب آئیں۔ ایک کو وہ اکثر ہوٹل میں آتے جاتے دیکھتا تھا۔ دوسری شاید پہلی بار آئی تھی۔ پہلی لڑکی نے کہا۔

"پرویز صاحب، ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت پڑ گئی ہے ———"

"فرمایئے ———"

"بات یہ ہے کہ میں سلمیٰ کے ساتھ یہاں کھانا کھانے آگئی۔ بٹوے میں روپے دیکھنے کا خیال نہیں رہا ———"

"تو آپ بل میرے پاس بھیج دیجئے ———"

"بہت بہت شکریہ ———"

اور جس طرح وہ مسکراتی ہوئی آئی تھیں۔ اسی طرح مسکراتی ہوئی چلی گئیں

——— پرویز نے وہیں سے اس بیرے کو اشارہ کر دیا جو ان دونوں کے پاس بل لے گیا تھا۔ پھر اس نے ان لڑکیوں کو جاتے ہوئے بھی نہیں دیکھا۔ ان میں کوئی دلچسپی ہوتی تو وہ ان کی طرف دیکھتا بھی۔

گیارہ بجے وہ حسبِ معمول اوپر گیا۔ اسلم کے ہونٹوں سے ہنسی چھن گئی لیکن فوزیہ اسی طرح ہنستی رہی اور باتیں کرتی رہی۔ پرویز بھی ان تینوں کی باتوں میں حصہ لینے کی کوشش کرتا رہا۔ بارہ بجے اسلم چلا گیا اور یاسمین پھر رہ گئی۔ وہ دوسرے کمرے میں بیٹھا کتاب پڑھتا رہا اور وہ دونوں آرام سے سونے کے کمرے میں سوتی رہیں۔ دو بجے وہ اسی کمرے میں سو گیا۔

صبح فوزیہ اسلم اور یاسمین کے ساتھ پھر چلی گئی ——— جاتے وقت دوپہر کے کھانے پر انتظار نہ کرنے کو کہتی گئی۔ پرویز نیچے آیا۔ گھنٹہ دو گھنٹے کے بعد الفنسٹن سٹریٹ کی دکانوں میں یونہی چیزیں دیکھتا پھرا ——— بارہ بجے ہوٹل واپس آیا۔ جب فوزیہ کے پاپا آئے تو فوزیہ کو پوچھنے لگے۔ اس نے یہی بتا دیا کہ وہ اسلم صاحب کے ساتھ سینڈز پٹ یا کہیں اور گئی ہے وہ اس کی طرف غور سے دیکھتے رہے لیکن آنکھوں میں اگر کوئی شکایت ہوتی تو وہ سمجھ بھی پاتے۔ حسبِ معمول دو بجے چلے گئے اور پرویز کھانا کھا کر اور تنہائی سے بچنے کے لیے میٹنی شو دیکھنے چلا گیا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ وہاں بھی اسے آرام نہیں ملے گا۔

وہ جس سیٹ پر بیٹھا تھا۔ اس کی اگلی قطار میں عین اس کے سامنے زہرہ حمید کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اور وہ دونوں باتوں میں اتنے مصروف تھے کہ انھیں اس کے آنے کی خبر بھی نہیں ہوئی۔ پرویز نے چاہا کہ چلا آئے لیکن جب

وہ آنے لگا تو زہرہ کی نظریں اس سے ٹکرائیں۔ اور وہ مسکرا دی۔ حمید نے مڑ کر دیکھا اور گھبرا گیا لیکن پھر مسکرانے لگا۔

"آج تم کہاں آ گئے پرویز بھائی ——"

اس نے بڑا ضبط کرتے ہوئے کہا

"یہاں لوگ تماشا دیکھنے آتے ہیں ——"

اس پر زہرہ کو ہنسی آ گئی کچھ کہنے ہی والی تھی کہ اندھیرا ہو گیا۔ اور تماشا شروع ہو گیا۔ اس سے بیٹھا نہیں جا رہا تھا۔ وہ چپکے سے اٹھا اور باہر آ گیا۔

اب اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کہاں جائے۔ لے دے کے ایک امی کا گھر رہ گیا تھا۔ لیکن وہاں ماہتاب سے ملاقات کا امکان تھا اور اب ماہتاب سے نظریں ملانا آسان نہ تھا —— وہ دوسرے سنیما آیا اور تماشے کے شروع ہو جانے کی پروا کیے بغیر ٹکٹ لے کر اندر چلا گیا۔ چھ بجے وہاں سے لوٹا۔ تھوڑی دیر نیچے ٹھہرا پھر اوپر نہانے اور کپڑے بدلنے گیا۔ جب کپڑے بدل کر آیا تو حمید کے ساتھ زہرہ ایک میز پر نظر آئی۔ اس کا بس چلتا تو ان دونوں کا یہاں آنا رکوا دیتا لیکن ہوٹل کا معاملہ تھا۔ یہاں کسی کو روکا نہیں جا سکتا تھا وہ دیدہ و دانستہ منیجر سے باتیں کرتا رہا۔ لیکن آخر کب تک ان دونوں سے بچتا حمید اس کے پاس آ گیا۔ زہرہ ساتھ تھی۔ حمید نے جیب سے نوٹوں کی ایک گڈی نکالی۔ بیس نوٹ گن کر دیئے۔ کہنے لگا۔

"اپنے دو سو لو پرویز بھائی ——"

اس نے نوٹ لے کر خاموشی سے جیب میں رکھ لیے۔ اور زہرہ کی نگاہوں سے بچنے کی کوشش کرنے لگا۔

زہرہ نے کہا۔

"آپ سینما سے کیوں چلے آئے تھے"

"میں غلطی سے وہاں چلا گیا تھا۔ مجھے کیپٹل جانا تھا، چنانچہ وہاں سے نکلا اور کیپٹل آ گیا ——"

حمید نے کہا

"بڑے آدمیوں کی بڑی باتیں ہیں زہرہ ——"

اور پھر وہ دونوں ہنستے ہوئے چلے گئے —— سات بجے جب وہ کونٹر پر کلرک سے باتیں کر رہا تھا کہ بیرے نے آ کر فون آنے کی اطلاع دی وہ اپنے کمرے میں گیا۔

"اب کیا ہے زہرہ"

"آپ کو پھر زہرہ کے فون کا انتظار تھا —— میں ماہتاب بول رہی ہوں ——"

"اچھی تو ہو ——"

"جی ہاں"

"حمید صاحب گھر آ گئے ہیں ——"

"وہ تو پانچ بجے ہی آ گئے تھے —— ابھی کہیں گئے ہیں۔ مجھ کو بھی ساتھ لے جانے پر یہ ضد تھے۔ لیکن میں خود ہی نہیں گئی ——"

وہ دل ہی دل میں اس لڑکی کی فطرت پر رو دیا۔ کہنے لگا

"کیسے یاد کیا ہے ——"

"ذرا فوزیہ کو بلا دیجئے ——"

"وہ تو موجود نہیں ہے"

"کہاں گئی ہے ——"

"صبح سے کہیں گئی ہوئی ہے۔ کوئی خاص کام ہے ——"

"نہیں، بہت دن سے اس سے باتیں نہیں کی تھیں —— آپ بھی ایک عرصے سے نہیں آئے۔ کبھی فوزیہ کو لے کر آیئے ——"

"تم ہی کسی دن حمید صاحب کے ساتھ آ جاؤ ——"

"وہ تو ابھی کہہ رہے تھے۔ لیکن میں نے جیسا ابھی کہا تھا کہ باہر نکلنے کو میرا دل نہیں چاہ رہا تھا"

"اچھا، تو میں فوزیہ کو کسی دن بھیج دوں گا"

"آپ بھی آیئے گا"

"امی کیسی ہیں۔ ان کو میرا سلام کہہ دینا ——"

"جی اچھا —— ان کو بھی آپ کا انتظار رہتا ہے ——"

"کسی دن آؤں گا"

اور ماہتاب نے خدا حافظ کہا اور فون رکھ دیا۔ وہ اور بے قرار ہو گیا۔ ماہتاب جن باتوں کو اس سے چھپانا چاہتی تھی۔ وہ ان سے کہیں زیادہ قبیح باتوں سے واقف تھا۔

ساڑھے آٹھ بجے فوزیہ اسلم اور یاسمین کے ساتھ نیچے اتری۔ وہ آتے ہی اوپر چلی گئی تھی اور وہاں سے منہ ہاتھ دھو کر اور میک اپ کر کے نیچے آئی تھی۔ اس کے قریب آ کر کہنے لگی۔

"کوئی خاص بات تو نہیں ہے ——"

"نہیں ——"

"آیئے —— میں نے کھانا منگایا ہے —— آپ بھی کھا لیجئے ——"

وہ اس وقت ان تینوں کے پاس جا کر بیٹھا جب کھانا آچکا تھا۔ کھانا کھانے کے دوران میں بھی فوزیہ اسلم ہی سے باتیں کر رہی تھی۔ اسے اس کا خیال نہیں تھا، یاسمین کو خیال تھا کہ پرویز خاموش بیٹھا ہے۔ وہ اس سے باتیں کرنے لگی ——— پھر وہ تینوں تو آئس کریم کھانے لگے اور پرویز اٹھ کر کاؤنٹر پر چلا گیا ——— اور پھر اندر ہال میں، جہاں صرف وہی لوگ بیٹھے تھے جن کو باہر لان پر پڑی ہوئی میزوں پر جگہ نہیں ملی تھی۔ وہاں سے جب باہر نکلا تو فوزیہ ان دونوں کو لے کر اٹھ رہی تھی۔ کہنے لگی

"کلفٹن چل رہے ہیں"

"تم جاؤ ——— میں بہت تھکا ہوا ہوں ———"

یاسمین بولی

"آپ بھی چلیے نا پرویز بھائی ———"

لیکن جب وہ فوزیہ کے کہنے سے ساتھ نہیں گیا تھا تو یاسمین کے کہنے سے کیسے راضی ہو جاتا ——— وہ اسلم کی طرف سگرٹ کیس بڑھاتے ہوئے اپنی سگرٹ سلگانے لگا۔ اسلم نے سگرٹ سلگائی اور ان دونوں کے ساتھ چلا گیا۔

وہ خالی الذہن ہو کر ایک خالی میز پر بیٹھا ہی تھا کہ وہی دونوں لڑکیاں آگئیں جن کے پاس بل کی ادائیگی کے لیے روپے نہیں تھے۔

"آپ اس بیرے کو بلا دیجئے جو اس دن بل لایا تھا۔ میں پہچانتی نہیں ہوں۔"

"آپ بیٹھئے ——— میں ابھی بلاتا ہوں ———"

وہ دونوں سامنے بیٹھ گئیں۔

"کیا پیجئے گا"

"ابھی تو ہم دونوں نے آئس کریم کھائی ہیں"

"ایک بار میری طرف سے سہی ———"

اور اس نے بیرے کو دو آئس کریم لانے کو کہا اور خود بیٹھا میز پر اپنی ایک انگلی سے کچھ نشان بناتا رہا۔ ایک لڑکی نے کہا

"آپ تو کسی کالج میں پڑھاتے تھے"

"جی ہاں ———"

"میری بڑی بہن آپ سے پڑھ چکی ہیں ——— وہ آپ کی بہت تعریفیں کرتی تھیں ———"

"میں ان کو دیکھوں تو پہچان لوں گا"

"فوزیہ آپ کی بیوی کا نام ہے نا"

"فوزیہ اس ہوٹل کا نام ہے ———"

اس پر دوسری لڑکی جس کا اس نے سلمیٰ نام بتایا تھا۔ ہنسنے لگی۔ اور وہ اس کی ہنسی سے محظوظ ہوتا رہا

سلمیٰ نے کہا

"شکیلہ کو آپ کا ہوٹل بہت پسند ہے ———"

"آپ دونوں کہیں پڑھتی ہیں ———"

"شکیلہ نے اسی سال پڑھنا چھوڑ دیا ہے۔ میں پڑھتی ہوں ———"

اس نے یہ نہیں پوچھا کہ شکیلہ نے پڑھنا کیوں چھوٹا اور سلمیٰ کہاں پڑھتی ہے۔ وہ ان دونوں سے معذرت کر کے اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا۔ اس کے ساتھ وہ بیرا تھا جو اس دن بل لایا تھا۔ شکیلہ نے بل دیکھا۔ دو پلے

ڈبیے اور چھوٹے سے رومال سے اپنے ہونٹوں کو پونچھتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ کی آئس کریم کا بہت بہت شکریہ ــــــ"

"شکریہ کی کیا بات ہے ــــــ میرے لیے آئس کریم کھلا دینا یا کھانا کھلا دینا ایسا ہی ہے جیسے پانی پلا دینا۔"

وہ دونوں ہنستی ہوئی چلی گئیں۔

گیارہ بجے وہ اوپر گیا۔ فوزیہ کلفٹن سے واپس نہیں آئی تھی۔ وہ کپڑے بدل کر سونے کے لیے لیٹ گیا۔ اور جب کہ ان حالات میں اوروں کی نیند نہ آتی ــــــ وہ فوراً ہی سو گیا۔

ایک بجے فوزیہ کے آنے سے اس کی آنکھ کھلی۔ یاسمین بھی تھی۔ یاسمین نے کہا

"ہم لوگوں نے آپ کو جگا دیا پرویز بھائی"

"نہیں تو ــــــ کیا بجا ہے ــــــ"

"ساڑھے بارہ بجے ہم لوگ کلفٹن سے چلے تھے۔ اب ایک بجا ہوگا"

"میں سمجھا، صبح ہو گئی ہے ــــــ"

اور وہ کروٹ بدل کر سو گیا۔

ایک مہینے تک حالات اسی طرح کروٹ بدلتے رہے۔ فوزیہ دن دن بھر غائب رہتی۔ اور اسلم کے ساتھ پک نک پارٹیز میں شرکت کرتی رہتی۔

جس میں اس کے علاوہ دو ایک سہیلیاں بھی ہوتیں۔ پرویز کو اس نے کبھی مدعو نہیں کیا۔ لیکن اگر وہ شریک ہونا چاہتا تو منع بھی نہ کرتی۔ جب تک پک نک پر جانا نہ ہوتا تو سہیلیوں کے گھر کیا کم تھے۔ گھر والے بھی جاتے جاتے تھکی تو پھر ہوٹل ہی میں رہنے لگی اور اسلم بھی ہوٹل میں دلچسپی لینے لگا۔ اس سلسلے میں پرویز کے ساتھ دو دو گھنٹے تک رہا لیکن سوائے ہوٹل کے کسی موضوع پر باتیں نہیں ہوئیں۔

ادھر زہرہ اور حمید کے تعلقات گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ حمید کے پاس روپیہ بھی رہنے لگا تھا۔ اور وہ خرچ کرنے میں نوابوں سے کم نہیں تھا۔ پرویز جانتا تھا کہ یہ روپیہ کہاں سے آتا ہے۔ اور یہ سوچتا رہتا تھا کہ سیٹھ ابراہیم کو بھی پتہ ہے یا نہیں۔ وہ اس مہینے میں ایک آدھ بار ہی نظر آئے تھے اور پھر ایک دن زہرہ نے فون پر بتایا تھا کہ وہ بیمار پڑ گئے ہیں۔ اور پانچویں منزل کے فلیٹ سے اترنے چڑھنے سے معذور ہو گئے ہیں۔ انھیں اپنے کاروبار کا غم کھائے جا رہا ہے۔ وہیں سے اپنی دوکانوں پر فون کیا کرتے ہیں اور رات کو جب تک نیند نہیں آتی۔ حساب کتاب میں پڑے رہتے ہیں ـــــ ماہتاب پر جو کچھ گذر رہی تھی۔ اس کا اسے علم نہیں تھا وہ اپنی امی کے گھر بھی نہیں گیا ـــــ جو انہی سے کچھ معلوم ہوتا۔ ماہتاب نہ خود آئی اور نہ اس کا کوئی فون آیا ـــــ وہ جانتا تھا کہ وہ اندر ہی اندر گھل رہی ہے لیکن زبان سے کچھ نہیں کہتی۔

خود اس کی اپنی حالت بد سے بدتر ہو رہی تھی۔ ایک دن وہ بڑی سنجیدگی سے سوچتا رہا کہ وہ خودکشی کیوں نہیں کر لیتا۔ اس زندگی سے فائدہ کیا ہے۔ شاید اس کے مرنے سے بعض لوگوں کا فائدہ ہو۔ مثلاً اسلم کا۔ لیکن وہ نہیں

کہہ سکتا تھا کہ اسلم فوزیہ سے شادی کرنا چاہتا ہے یا فوزیہ اس سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ فوزیہ کے متعلق تو اسے معلوم تھا کہ جس دن وہ اسلم سے شادی کرنا چاہے گی، اس سے صاف صاف کہہ دے گی۔ وہ یہ کہہ ہی چکی تھی کہ زندگی کے اہم معاملات میں وہ دھوکا کھانا یا دھوکا دینا پسند نہیں کرتی۔

اس مہینے میں ایک اور لڑکی اس کے قریب آ گئی تھی اور یہ تھی یاسمین۔ اسے پرویز کی خاموشی، اس کی سنجیدگی، اس کا کسی فکر میں ڈوبا رہنا بھا گیا تھا۔ اور وہ یہ محسوس کرنے لگی تھی کہ فوزیہ اس سے اتنی غفلت برت کر ظلم کر رہی ہے۔ وہ اکثر ہوٹل میں آجاتی۔ اور اس سے باتیں کیا کرتی۔

ایک دن کہنے لگی

"مجھے تعجب ہے کہ فوزیہ آپا نے آپ سے شادی ہی کیوں کی تھی"

"اس میں تعجب کی کون سی بات ہے ——"

"ان کی کسی بات سے ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ آپ کی اتنی زیادہ عاشق تھیں کہ شادی کرتیں ——"

"وہ اپنی محبت ظاہر نہیں ہونے دیتیں ——"

"آپ پر بھی نہیں ——"

"ہاں —— کچھ دن سے مجھ پر بھی ظاہر نہیں کرتیں ——"

"آپ تو ان کو چاہتے ہیں ——؟"

"تمھارا کیا خیال ہے ——"

"آپ انھیں چاہتے تو ہیں لیکن ——"

"لیکن کیا ——"

"آپ کی چاہت بھی خاص قسم کی چاہت ہے۔ اوروں پر ظاہر نہیں

ہوتی ——"

اور وہ یاسمین کی باتوں پر ہنسنے لگا —— اس کی ہنسی کتنی کھوکھلی تھی۔ یاسمین خاموش ہو رہی —— پھر ایک دن کہنے لگی

" میں فوزیہ آپا سے پوچھوں گی کہ جب وہ آپ کو چاہتی ہیں تو اتنی بے پروائی کیوں برتتی ہیں"

" مجھ سے تو بے پروائی نہیں برتتیں ——"

" مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ ہاں دیکھتی نہیں ہوں کیا —— کھانے کو پوچھتی ہیں۔ اگر آپ انکار کر دیتے ہیں تو دوبارہ نہیں پوچھتیں حالانکہ میں جانتی ہوں ایسے موقعوں پر اکثر آپ بھوکے ہوتے ہیں ——"

" تم ان سے یہ باتیں نہ پوچھنا"

" کیوں؟"

" بس، نہ پوچھنا —— وہ پسند نہیں کریں گی۔ تم سے خفا ہو جائیں گی ——"

یاسمین روز بروز اس کے قریب آتی جا رہی تھی۔ اور اسے ڈر تھا کہ کسی دن وہ کوئی ایسی بات نہ کہہ دے جس کو سن کر اسے پچھتانا پڑے وہ اپنے بھائی کے ساتھ آ جاتی تھی۔ فوزیہ اسلم کے ساتھ چلی جاتی تھی۔ وہ کوئی بہانہ کر کے ٹھہر جاتی تھی۔ ایک دن اس کی موجودگی میں زہرہ آ گئی —— زہرہ نے کوئی ایسی بات تو کی نہیں جس پر کسی کو اعتراض ہوتا لیکن وہ کچھ ایسے انداز سے ہنس رہی تھی کہ یاسمین چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔ جب وہ چلی گئی تو کہنے لگی

" یہ کون صاحبہ تھیں ——"

"وہ ایک لکھ پتی کی بیوی ہیں"

"آپ سے کب سے واقفیت ہے"

"اس ہوٹل نے عجیب عجیب لوگوں سے ملاقات پیدا کر دی ہے ——"

وہ خاموش ہو رہی۔

جس دن وہ آجاتی تھی اس دن پرویز دو بجے اوپر نہیں جاتا تھا نیچے اپنے کمرے ہی میں بیٹھا رہتا تھا —— ایک دن اس کی موجودگی میں حمید آگیا۔ نہ جانے اس کی نظروں میں کیا بات تھی کہ یاسمین اٹھ کر باہر چلی گئی۔ پرویز حمید کا اور اس کی برائیوں کا اتنا عادی ہو گیا تھا کہ اس کو ان نظروں میں کوئی خاص بات نہیں معلوم ہوئی۔ جب حمید نے یہ کہا

"میں نے مداخلت تو نہیں کی"

تو پرویز کو کچھ خیال پیدا ہوا —— اس کی خاموشی نے حمید کو کچھ کہنے سے روک نہ رکھا۔ اور تھوڑی دیر بیٹھ کر چلا گیا۔ اس نے یاسمین سے حمید کے چلے جانے کی اطلاع نہیں کرائی —— ایک گھنٹے کے بعد وہ خود ہی نیچے آئی کچھ شرمائی ہوئی سی تھی۔

کہنے لگی

"یہ آدمی بھی اچھے نہیں معلوم ہوتے"

"تم کو کیسے معلوم ہوا ——"

"وہ مجھے ایسی نظروں سے دیکھ رہے تھے جیسے ——"

اور وہ آگے کہتے کہتے رک گئی

پرویز اس کے متعلق سوچنا نہیں چاہتا تھا لیکن وہ اس میں اتنی دلچسپی لینے لگی تھی کہ ایک دن اسے کہنا پڑا۔

"تمہارا تفریح کرنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"میں یہاں تفریح ہی کے لیے آتی ہوں ——"

"یہاں جو لوگ برابر آتے ہیں اور تم کو میرے ساتھ دیکھتے ہیں۔ ان کو معلوم نہیں ہے کہ تم فوزیہ کی بہن ہو —— ڈر ہے کہ وہ تم کو بھی خراب لڑکی نہ سمجھنے لگیں ——"

"سمجھنے دیجئے ——"

"تم فوزیہ کے ساتھ کیوں نہیں جاتیں ——"

"وہ دونوں ایک دوسرے سے باتیں کرنے میں اتنے مصروف رہتے ہیں کہ مجھے بھول جاتے ہیں ——"

وہ سوچنے لگا کہ کس طرح کہے کہ وہ بولی

"کیا میں آپ کو پریشان کرتی ہوں ——"

"نہیں تو، میرا دل ہی بہل جاتا ہے۔ میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ تم کو بدنام ہونے سے بچاؤں"

"کیا آپ کے ساتھ رہوں گی تو بدنام ہو جاؤں گی"

"تم ابھی بچی ہو، ان باتوں کو سمجھ نہیں پاؤ گی"

"فوزیہ مجھ سے صرف دو سال بڑی ہیں ——"

"ان کی شادی ہو گئی ہے ——"

اور وہ عجیب نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ گھبرا گیا —— یہ لڑکی خواہ مخواہ ہی اس کے لیے مسئلہ بنتی جا رہی تھی۔ ایک دن جب فوزیہ سر شام آ گئی تھی اور اسلم کہیں چلا گیا تھا۔ اس نے فوزیہ سے کہا

"تم یاسمین کو بھی اپنے ساتھ کیوں نہیں لے جاتیں ——"

"وہ خود ہی نہیں جاتی"

"وہ دن بھر یہاں رہتی ہے ———"

"تو کیا ہے ———"

"ہے تو کچھ بھی نہیں لیکن دن میں جو دو ایک گھنٹے میں آرام کر لیتا تھا۔ اس سے بھی محروم ہو گیا ہوں ———"

"آپ سو جایا کیجئے ——— یاسمین بیٹھی رہے گی، باتیں کرتی رہے گی۔ اگر آپ میری وجہ سے تکلف کرتے ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ آپ ایسے ہیں نہیں اور یاسمین بھی بڑی معصوم لڑکی ہے ———"

وہ یہ باتیں کر ہی رہی تھی کہ یاسمین اپنے بھائی کے ساتھ آ گئی۔ فوزیہ نے ہنس کر کہا

"یاسمین، تم دوپہر میں گھر چلی جایا کرو"

"کیوں آپا ———"

"پرویز تمہاری وجہ سے سو نہیں پاتے ———"

"کیوں پرویز بھائی ———"

اور وہ اس معصوم سے سوال پر پشیمان ہو گیا۔ فوزیہ اسلم کے ساتھ چلی گئی اور یاسمین تھوڑی دیر بیٹھ کر اس سے کچھ کہے بغیر چلی گئی۔

تین چار دن تک وہ نہیں آئی۔ پرویز کو نہ جانے کیوں اس کا انتظار رہنے لگا۔ اسے یاسمین سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ لیکن جب وہ نہیں آئی تو اسے معلوم ہوا کہ وہ اس کی باتوں میں کتنا بہلا رہتا تھا اور اپنی الجھنوں سے اسے کتنی نجات مل گئی تھی۔ فوزیہ کو کبھی یاسمین کے متعلق پوچھنے کا خیال بھی نہ آیا۔

ایک دن کہنے لگی

"اسلم اپنے چمڑے کا کاروبار بند کر کے ہوٹل میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔"

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے ————"

"پاپا کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ آپ کو کوئی اعتراض ہے؟"

"مجھے ————؟"

"ہاں، آپ کو"

"مجھے اعتراض کیوں ہونے لگا"

"ہو سکتا ہے۔ آخر اس ہوٹل میں آپ بھی برابر کے شریک ہیں ————"

وہ پھیکی ہنسی سے اس بات کو ٹال گیا۔ فوزیہ نے کہا

"وہ اپنا روپیہ ہوٹل کی رونق بڑھانے میں لگائیں گے۔ مصر اور یورپ سے رقاصاؤں کو بلائیں گے ———— اس سے ہوٹل کی آمدنی میں یقیناً اضافہ ہوگا اور آمدنی تین برابر برابر کے حصوں میں تقسیم ہو جایا کرے گی۔"

"بڑا اچھا خیال ہے ————"

"میں نے ان سے کہا ہے کہ ہم لوگوں کے کمروں کی طرح تین کمرے اور بنوا لیں۔ اتنی بڑی چھت خالی پڑی ہے ————"

"کمرے جب بنیں گے، اس وقت دیکھا جائے گا، فی الحال تو وہ ہمارے ساتھ ہی رہ سکتے ہیں ————"

"میں نے ان سے یہی کہا ہے ————"

اور پھر فوزیہ بہت دیر تک خاموش رہی اور کچھ سوچتی رہی۔ پھر کہنے لگی۔

"یہ حمید صاحب اور زہرہ میں کیسے تعلقات ہیں؟"

"کیسے تعلقات"

"اکثر شاموں کو وہ دونوں ایک ساتھ نظر آتے ہیں"

"یہاں بہت دن سے دونوں کا آنا نہیں ہوا ——"

"یہاں آپ کی وجہ سے نہ آتے ہوں گے —— ماہتاب کیسی ہے۔ آپ کی ملاقات ہوئی"

"نہیں ——"

"اور سیٹھ ابراہیم ——"

"وہ بیمار ہیں اور پانچویں منزل کے فلیٹ سے اترنے چڑھنے سے معذور ہیں ——"

"تو یہ بات ہے ——"

پرویز نے یہ نہیں پوچھا کہ اس کے اس جملے سے اس کی کیا مراد تھی

فوزیہ تھوڑی دیر تک خاموش رہی اور پھر کہنے لگی۔

"زہرہ سے تو مجھے شکایت نہیں ہے لیکن حمید صاحب —— انھوں نے تو بڑے ارمانوں سے شادی کی تھی"

"زہرہ کے پاس دولت ہے ——"

"حمید صاحب کو پچھتانا پڑے گا"

"شاید ——"

"آپ ماہتاب سے جا کر ملیے ——"

"تم اسے سمجھاؤ گی تو زیادہ اثر ہوگا"

"میں زہرہ کو سمجھانا چاہتی ہوں —— آپ کو نمبر تو یاد ہوگا"

اور پرویز نے زہرہ کا نمبر بتا دیا۔ لیکن اس وقت زہرہ موجود نہیں تھی۔ فوزیہ بھی اسلم کے آجانے سے زہرہ کو بھول گئی تھی۔ اور دونوں کاروبار کی باتیں کر رہے تھے

پرویز بھی بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر میں فوزیہ کے پاپا بھی آ گئے۔ اور کاروبار کو بڑھانے کی باتیں ہوتی رہیں۔ اسلم اسی دن حیدر آباد چلا گیا۔ اسے وہاں کا کاروبار ٹھکانے لگانا تھا۔ یاسمین بھی چلی گئی۔ دوسرے دن فوزیہ اپنے کو بالکل خالی پا کر گھبراتی رہی پرویز سے اتنے دن دور رہی تھی کہ وہ اجنبی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے فون کر کے زہرہ کو بلا لیا۔ دونوں کئی گھنٹے تک ادھر ہی رہیں۔ پرویز دو بجے تک اوپر گیا تو فوزیہ زہرہ کی کسی بات پر بہت زور سے ہنس رہی تھی۔ اسے دیکھ کر کہنے لگی۔

"آپ نے کچھ سنا، حمید صاحب نے کیا کہا ہے؟"

"کیا کہا ہے ——"

"زہرہ سے فرماتے ہیں کہ ماہتاب نے زبردستی ان سے شادی کی تھی"

وہ کیا جواب دیتا۔ زہرہ جن نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ فوزیہ کے لیے تو کوئی معنی نہ رکھتی تھیں۔ لیکن پرویز ان کی زبان خوب سمجھتا تھا کہنے لگا

"تو کیا سیٹھ صاحب کو بالکل چھوڑ دینے کا ارادہ ہے ——"

"چھوڑ کر کیا کروں گی —— وہ خود ہی مر رہے ہیں ——"

فوزیہ نے کہا

"لیکن حمید صاحب کو ماہتاب سے فوراً علیحدہ ہو جانا چاہیے۔ اس بیچاری کو کیوں پھانسے ہوئے ہیں۔ اگر اس کی شادی نہ ہوئی ہوتی تو میں اپنے بھائی جان سے کرا دیتی ——"

زہرہ ہنستی رہی۔ وہی ہنسی جو فوزیہ کے لیے بے معنی تھی لیکن پرویز کے

لیے ایک واضح پیام رکھتی تھی ــــ پرویز دوسرے کمرے میں چلا گیا ــــ

زہرہ نہ جانے کتنی دیر کے بعد گئی ــــ اس کے جانے کے بعد فوزیہ کپڑے بدل کر اس کے کمرے میں آئی۔ کہنے لگی

"میں ماہتاب کے پاس جا رہی ہوں ــــ"

"اس سے کیا کہو گی"

"اس سے کہوں گی کہ وہ خود ہی طلاق لے لے ورنہ حمید صاحب اسے بھی دق میں مبتلا کر دیں گے ــــ"

"جاؤ ــــ"

"آپ ذرا حمید صاحب کو ڈھونڈ ھیئے ــــ ان کو سمجھایئے ــــ"

"کیا سمجھاؤں ــــ"

"زہرہ سے شادی کرنا ہے تو اس کی طلاق حاصل کر لیں۔ اس کو لیے لیے ہوٹلوں اور کلبوں میں پھرنا اچھا نہیں ہے ــــ"

اور وہ چلی گئی ــــ پرویز نیچے آیا۔ وہ حیران تھا کہ فوزیہ جب حمید اور زہرہ اور ماہتاب کے بارے میں اتنا واضح تصور رکھتی ہے تو اپنے متعلق کیوں نہیں سوچتی۔ کیا اسے اسلم سے محبت نہیں ہے

تھوڑی دیر میں زہرہ کا فون آیا

"شاید حمید آپ کے ہوٹل میں آئیں ۔ ان سے کہہ دیجئے گا۔ میں آج نہ آسکوں گی"

"میں نہیں کہوں گا"

"کیوں"

"میں تمہارے معاملات میں دخل دینا نہیں چاہتا ــــ"

"کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں حمید سے تعلقات بڑھا کر غلطی کر رہی ہوں"

"میں کچھ سوچتا ہی نہیں ——"

"اگر آپ میری بات مان لیتے تو حمید ——"

اس نے فون رکھ دیا —— اور تلملا کر ٹہلنے لگا —— وہ تو سمجھتا تھا کہ وہ اس عورت سے نجات پا چکا ہے لیکن وہ اب بھی اسے آلہ کار بنانا چاہتی تھی۔

ایک گھنٹے کے بعد حمید آ گیا اور کونے کی ایک میز پر بیٹھ کر اپنے لیے کچھ کھانا منگا کر کھانے لگا —— اس نے پرویز کو دیکھا بھی لیکن نہ اس کے پاس آیا اور نہ اسے آواز دے کر پاس بلایا —— پرویز جانتا تھا کہ اسے زہرہ کا انتظار ہے۔ جب بہت دیر ہو گئی تو وہ خود ہی اس کے پاس گیا۔ اور چپ چاپ اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ حمید اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ پھر جب وہ کئی مرتبہ اپنی گھڑی دیکھ چکا تو پرویز نے کہا

"آپ زہرہ کا انتظار کر رہے ہیں نا؟"

"اس نے آنے کو کہا تھا"

"وہ آج نہیں آئیں گی"

"تمھیں کیسے معلوم"

"انھوں نے مجھے فون کیا تھا ——"

"تم نے پہلے ہی بتا دیا ہوتا ——"

"میں یہ دیکھ رہا تھا کہ آپ کتنے بے قرار ہوتے ہیں ——"

حمید ہنسنے لگا —— جب وہ دل کھول کر ہنس چکا تو پرویز نے کہا

"سیٹھ ابراہیم کے چل چلاؤ کا وقت ہے ——"

"کیوں بیچارے کو کو سنا دیتے ہو ——"

"آپ نہیں چاہتے کہ زہرہ آزاد ہو جائیں ——"

"اب کون سی پابند ہیں ——"

"لیکن آپ شادی تو نہیں کر سکتے ——"

"شادی کون کرے گا اس کے ساتھ ——"

"پھر —— یہ ملاقاتیں، یہ انتظار، یہ بے قراریاں ——"

"تمھیں کیا دلچسپی ہے ——"

"مجھے کوئی دلچسپی نہیں ——"

"اس نے تم کو بھی تو ڈھائی لاکھ روپے پیش کیے تھے ——"

"اس نے آپ سے بھی کہا ہے ——"

"کہتی تو وہ نہ جانے کیا کیا تھی ——"

"ہاں، اس نے ڈھائی لاکھ روپے پیش کیے تھے"

"اور تم نے پروا نہیں کی —— تم کو پروا کرنا بھی نہیں چاہیئے تھی۔ تمھاری بیوی کے پاس خود لاکھوں روپے ہیں اور وہ زہرہ سے ہزار درجہ اچھی ہے لیکن میری اور بات ہے ——"

"کیوں ——"

"میرے پاس روپیہ نہیں ہے اور نہ ماہتاب ہی جہیز میں کچھ لائی ہے —— مجھے اپنی بیوی سے اتنی محبت بھی نہیں ہے ——"

"میں تو سمجھتا تھا کہ آپ ماہتاب سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں۔"

"میں نے اپنے بچوں کی خاطر اس سے شادی کی تھی"

"اسے بھی معلوم ہے۔"

"کیا"

"کہ آپ نے کس لیے شادی کی تھی"

"میں کچھ چھپاتا نہیں ——"

"آپ زہرہ کے متعلق بھی بتا چکے ہوں گے"

"ضرورت پڑتی تو بتا دیتا ——"

"تو آپ ماہتاب کو دھوکے میں مبتلا رکھے ہوئے ہیں ——"

دھوکے کی اس میں کیا بات ہے۔ وہ میرے بچوں کی اچھی ماں ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ میرے لیے اچھی بیوی بھی بن سکے ——"

"اگر آپ چاہتے ——"

"دیکھو پرویز بھائی —— قریب سے قریب دوستوں کے بھی کچھ حدود ہوتے ہیں۔ تم ان حدود سے تجاوز کر رہے ہو اور میرے گھریلو معاملات میں دخل دینا چاہتے ہو —— میں نے تو کبھی تم سے نہیں بتایا کہ تمھاری بیوی اپنے خالہ زاد بھائی کے ساتھ کہاں کہاں گھومتی پھرتی تھی اور لوگوں میں ان دونوں کے لیے کیا افواہیں پھیل گئی تھیں ——"

پرویز کو اس کے اس جملہ پر غصہ تو بہت آیا لیکن وہ برابر مسکراتا ہی رہا۔ حمید نے کہا۔

"تم نے روپے کی خاطر فوزیہ سے شادی کی، میں روپے کی خاطر زہرہ سے دوستانہ تعلقات بھی قائم نہ کروں"

پرویز خون کا گھونٹ پی کر رہ گیا۔

حمید نے کہا

"مجھے تم سے یہ بات کہتے ہوئے تکلیف ضرور ہوتی ہے لیکن تم ہی نے

صاف گوئی پر مجبور کیا تھا ——— تم جو کچھ کرو وہ اچھا ہے، میں جو کچھ کروں، وہ برا ہے ——— کیوں ؟"

"مجھ میں جواب دینے کی تاب نہیں ہے ———"

"تو جاؤ ——— حساب کتاب کرو، دیکھو کہ آج کتنی آمدنی ہوتی ہے اور اس میں تمہارا کتنا حصہ ہے ———"

پرویز بہت دیر تک خاموشی سے سگرٹ پیتا رہا۔ حمید نے بل کی قیمت ادا کی اور جاتے وقت ہنستے ہوئے کہنے لگا

"ہم تم ایک ہی شاہراہ کے راہزن ہیں ———"

"اگر آپ ایسا ہی سمجھتے ہیں ———"

"تو یہ کیا سچ نہیں ہے ———"

اور وہ ہنستا ہوا چلا گیا ——— اور پرویز کا خون کھول کر رہ گیا۔ فوزیہ ماہتاب کے پاس سے واپس آئی تو سیدھی اوپر چلی گئی۔ گیارہ بجے جب وہ اوپر گیا تو وہ بیٹھی ہوئی اسلم کو خط لکھ رہی تھی۔ وہ کپڑے بدل کر اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ فوزیہ کو جب خط لکھنے سے فرصت ملی تو چپ چاپ اپنے بستر پر لیٹ کر سو گئی۔

دوسرے دن بھی فوزیہ نے اس سے یہ نہیں بتایا کہ ماہتاب سے اس کی کیا باتیں ہوئی تھیں۔ دن بھر وہ اداس رہی۔ شام کو شبنم کے ساتھ سینما

چلی گئی اور وہیں سے کلفٹن چلی گئی - بارہ بجے کے قریب آئی - اس وقت پرویز پڑھ کر اور بتی بجھا کر لیٹا تھا - اس نے بتی جلا دی - کپڑے بدل کر آئی - کچھ دیر تک خاموش بیٹھی رہی اور میک اپ کرتی رہی - پھر کہنے لگی -

"کسی کو یقین نہ آئے گا کہ ہم دونوں میں اتنی دوری ہو چکی ہے ——"

"تم اسے دوری کیوں کہتی ہو ——"

"اور کیا کہوں ——"

"میں اسے نہ دوری کہتا ہوں اور نہ قربت —— بس، ہم دونوں علیحدہ علیحدہ زندہ ہیں - تعلق بھی ہے اور تعلق نہیں بھی ہے ——"

"آپ کو یہ زندگی پسند ہے"

"نہیں ——"

"میں تو آپ سے پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ اگر مجھ سے بیزار ہو گئے ہیں تو علیحدہ ہو جایئے ——"

"اگر علیحدگی میں تم کو کوئی فائدہ ہو ——"

"مجھے کوئی فائدہ نہیں ہے —— آپ ہی کا فائدہ ہے"

"میرا کیا فائدہ ہو گا"

"آپ ماہتاب کو حاصل کر سکیں گے"

اور پرویز کو اس کے اس جملے پر اتنی حیرت ہوئی کہ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا -

"کیوں، چونک گئے نا؟"

"تم نے بات ہی ایسی کہی ہے ——"

"کیا آپ کو ماہتاب سے محبت نہیں ہے ——"

"اب نہیں ہے"

"پہلے تو تھی"

"لیکن اسے نہیں تھی"

"اسے بھی تھی، اور اب بھی ہے، اور ہمیشہ رہے گی"

وہ اٹھ کر ٹہلنے لگی ——— پھر اس کے سامنے آ کر رکی۔ کہنے لگی۔

"آپ نے مجھ سے پہلے ہی کیوں نہ بتایا ———"

"کیا بتاتا"

"اگر ماہتاب نہ بتاتی تو میں عمر بھر اسی مغالطے میں رہتی کہ اگر آپ کو مجھ سے محبت نہیں ہے تو کسی سے محبت نہیں ہے۔ اور وہ بھی نہ بتاتی۔ وہ تو اس کے منہ سے جانے کیا جملہ نکل گیا کہ میں نے کرید کرنا شروع کی۔ مجھے اس سے جھوٹ بھی بولنا پڑا۔ ایک الزام بھی اوڑھنا پڑا۔ تب جا کر اس نے بتایا کہ آپ اس سے شادی کرنے کے لیے کتنے بے قرار تھے۔ اور وہ بھی شادی کرنا چاہتی تھی۔ لیکن اپنی آپا کے بچوں کا خیال اسے آپ سے دور اور حمید سے قریب کر رہا تھا ——— لیکن اس میں اور آپ میں ایک بہت بڑا فرق ہے۔ وہ حمید سے شادی کر کے پچھتاتی نہیں۔ آپ مجھ سے شادی کر کے پچھتا رہے ہیں۔ وہ حمید کا ساتھ چھوڑنا نہیں چاہتی اور آپ میرا ساتھ دینا نہیں چاہتے ———"

پرویز سے فوراً ہی کوئی جواب نہ بن پڑا ——— وہ اس بات کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا کہ اس کا راز اس طرح فاش ہو جائے گا۔ وہ خاموشی سے سگرٹ پیتا رہا۔ پھر کہنے لگا

"جب تم نے یہ بات چھیڑ ہی دی ہے تو میری بھی سن لو ——— یہ ٹھیک ہے کہ مجھے ماہتاب سے محبت تھی۔ لیکن یہ غلط ہے کہ میں تم سے

شادی کر کے پچھتا رہا ہوں - یہ ضرور ہے کہ تم سے شادی کرنے کے بعد میری زندگی میں جو عظیم انقلابات آرہے تھے - ان میں ثابت قدم رہنے کی مجھ میں طاقت نہیں تھی - اسی لیے تم یہ محسوس کرتی رہیں کہ میں تمہارا ہوتے ہوئے بھی تمہارا نہیں ہوا ——— اور اس ہنگامے میں ایک اور حادثہ ہو گیا - ممکن ہے تم مجھے اس کا ذمہ دار ٹھہراؤ ——— لیکن مجھے نہیں معلوم کہ وہ حادثہ کیونکر پیش آیا ——— اور یہ بھی ممکن ہے کہ تمہارے لیے یہ حادثہ بہت معمولی حیثیت رکھتا ہو - زہرہ بجلی کے ایک کوندے کی طرح چمکی اور جب میری آنکھوں کی چکا چوند دور ہوئی تو میں نے محسوس کیا کہ وہ ایک مستقل دیوار بن کر نہ صرف تمہارے اور میرے درمیان آگئی ہے بلکہ میرے اور ماہتاب کے درمیان بھی آگئی ہے - یہی وہ حادثہ تھا جس کی وجہ سے میں نے اپنے کو تمہاری دنیا سے علیحدہ کرنا شروع کیا - خیر - زہرہ کی اہمیت نہ پہلے تھی نہ اب ہے - وہ کسی اور کے گلے کا پھندا بن چکی ہے - لیکن میں نہ تمہارے قابل رہا ہوں اور نہ ماہتاب کے قابل رہا ہوں ——— اسی لیے جب اسلم آئے اور تم ان میں دلچسپی لینے لگیں تو میں اپنے دل میں خوش ہوا کہ شاید تم دونوں کی محبت کو کامیاب بنا کر میں اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر سکوں گا ——— وہ اتنے دن یہاں رہے تم مجھ کو بھلائے رہیں - لیکن تمہارے دل میں ان کی محبت نہ پیدا ہو سکی ——— یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ تم زندگی کے اہم معاملات میں دھوکا دینا اور دھوکے میں رہنا پسند نہیں کرتیں - اگر تم کو ان سے محبت ہو گئی ہوتی تو مجھ سے کہہ چکی ہوتیں ——— چونکہ تم نے نہیں کہا ہے اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ تم ان سے محبت نہیں کرتیں ——— اس طرح ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت نہ کرتے ہوئے بھی ایک دوسرے ہی کے ساتھ

رہ سکتے ہیں۔ ہاں ـــــــ اگر تم اسلم سے شادی کرنا چاہو گی تو میں علیحدہ ہو جاؤں گا۔"

فوزیہ بڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اور پرویز کے گلے لگ گئی۔ وہ اس کے بالوں کو سہلاتا رہا۔ پھر کہنے لگا۔

"تم جیسا چاہو۔ کرو ـــــــ تم مجھے چھوڑ دو گی تو یہ نہ سمجھو کہ میں کسی اور کا بن جاؤں گا۔"

"آپ میرے کیوں نہیں بن جاتے ـــــــ"

"میری ہستی کا جتنا حصہ کسی اور کا نہیں بن سکتا۔ وہ تو تمہارا ہی ہے۔ رہا وہ حصہ، جو اگر تمہارا ہی بنا رہتا تو میں اپنے احساس کے شعلوں سے بچ جاتا لیکن وہ میری لغزش کی نذر ہو چکا ہے ـــــــ"

"میں اس لغزش کو درگذر کر دوں گی"

"لیکن میں اپنے احساس کو کیا کروں ـــــــ"

"پھر مجھے کس گناہ کی سزا دے رہے ہیں ـــــــ"

اور وہ اس کے اس سوال کا جواب نہ دے سکا۔ وہ بہت دیر تک سسکیاں لیتی رہی۔ پھر علیحدہ ہو گئی اور بہت دیر تک کھلی چھت پر ادھر ادھر ٹہلتی رہی۔ پرویز اسے دیکھتا رہا۔ ایک ہارے ہوئے جواری کی طرح اس نے اپنے سارے پتے میز پر ڈال دیئے تھے۔ اس نے اس بازی میں اپنا گھر ہار دیا تھا، اپنی بیوی ہار دی تھی۔ اپنی محبت ہار دی تھی۔ فوزیہ بھی اسی کی طرح اپنی بازی ہار گئی تھی۔ جب وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر کرسی پر بیٹھ گئی تو پرویز نے کہا

"اب صرف ایک ہی صورت رہ گئی ہے فوزیہ"

"اب کوئی صورت نہیں ہے ــــــ"

"تم سنو تو ــــــ"

"بتائیے ــــــ"

"میں کہیں چلا جاتا ہوں ــــــ کچھ عرصہ باہر رہوں گا۔ شاید ہمارے زخم مندمل ہو سکیں۔ واپس آؤں گا اور تم میرا ساتھ دینا چاہو گی تو ہم دوبارہ نئی زندگی شروع کر دیں گے۔ ورنہ تم ہمیشہ کے لیے مجھ سے علیحدہ ہو جانا۔ کسی اور سے شادی کر لینا۔"

"کہاں جائیے گا"

"میں ہندوستان چلا جاتا ہوں ــــــ تین مہینے کا ویزا ملے گا، تین مہینے کا اور بڑھوا لوں گا۔"

"وہاں کیا کیجئے گا۔"

"شہروں شہروں گھومتا پھروں گا ــــــ"

"اچھا یہی سہی ــــــ"

"اب تم سو جاؤ"

"ہاں ــــــ سو جاؤں گی ــــــ"

اور وہ لیٹ رہی

※ ※ ※ ※ ※ ※

ایک ہفتہ میں پاسپورٹ تیار ہوا اور ویزا بھی مل گیا۔ جب تک ویزا ملا نہیں فوزیہ نے اس کے جانے کے متعلق کسی سے ذکر نہیں کیا۔ جس دن شام کو وہ جانے والا تھا، اس دن صبح سے وہ بہت اداس تھی۔ اس کے ساتھ اس کی

امی کے پاس گئی - ماہتاب سے ملی اور اسے ایرپورٹ لے گئی - جب جہاز کے چھوٹنے میں آدھا گھنٹہ رہ گیا تو بڑے پیار سے کہنے لگی۔

"ہاں آپ کو روپے کی کمی نہ ہوگی - پاپا سے انتظام کرادوں گی - بمبئی سے جتنا روپیہ چاہیئے گا لے بھیجے گا"

"تم مجھے بھلانے کی کوشش کرنا"

"ایسا نہ کہیئے ــــــــ"

اور جب وہ جہاز پر بیٹھنے کے لیے چلا گیا تو وہ دُور سے کھڑی دیکھتی رہی - اس وقت اس کی آنکھوں میں آنسو تھے ❊

۱۰

بیگانہ

پرویز کے جانے کے بعد فوزیہ کی زندگی خالی ہوگئی۔ اس کے پاپا نے کہا کہ وہ پرویز کی غیر موجودگی میں اپنی ماں کے پاس رہے۔ پرویز کی امی نے بھی یہی خواہش کی لیکن وہ فراریت کی قائل نہیں تھی۔ اسے پرویز کے چلے جانے سے صدمہ ہوا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ دونوں اس ٹھوس حقیقت کا مقابلہ کریں۔ اور کسی ایک فیصلے پر پہنچ جائیں۔ لیکن جب پرویز نے ان حقائق

سے فرار حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو اس نے مخالفت نہیں کی۔

وہ جانتی تھی کہ پرویز کے چلے جانے سے حالات میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ گھٹن بڑھ ہی جائے گی۔ اس کے جانے کے ایک ہفتے تک تو وہ خوب گھومتی رہی۔ کلبوں میں جاتی رہی۔ صرف اس نے ایک بات کا خیال رکھا کہ اس کے قریب وہ ہستیاں نہ آنے پائیں۔ جو اس کی تباہی کا باعث بنی تھیں۔ زہرہ نہ آنے پائے۔ ماہتاب نہ آنے پائے۔ اسے ان دونوں سے شکایت نہیں تھی۔ زہرہ محبت کے لیے تڑپتی تھی اور اسے ایک سرد لاش سے باندھ دیا گیا تھا۔ ماہتاب سے بھی شکایت نہیں تھی شکایت تو کجا اسے اس لڑکی کی دوستی پر فخر تھا۔ اسے شکایت تو صرف پرویز سے تھی۔ جس نے اس کا ہونے کے باوجود بھی اس کا بننے سے انکار کر دیا تھا۔

اسی لیے ایک ہفتے کے بعد جب بمبئی سے پرویز کا خط آیا تو اس نے اس کا جواب نہیں دیا۔ جواب کے طور پر اس کے پاپا کا وہ خط بھجوا دیا جس کو متعلقہ افراد تک پہنچا کر وہ حسبِ ضرورت روپیہ لے سکتا تھا۔ اس ہفتے میں اس نے جتنے شوخ کپڑے پہنے، جتنی زندہ دلی کا اظہار کیا، شادی کے اتنے زمانے میں اس نے اتنے کپڑے نہیں پہنے۔

وہ ماہتاب سے تو بچ گئی لیکن زہرہ سے نہ بچ سکی۔ ایک کلب میں وہ حمید کے ساتھ مل گئی۔ دیکھتے ہی کہنے لگی۔

"ارے فوزیہ، تم کہاں رہتی ہو ——— فون کرتے کرتے تھک گئی، تم ایک بار بھی نہیں ملیں ———"

"اتفاق ہے ———"

"میں نے سنا ہے کہ تمہارے پرویز صاحب ہندوستان گئے ہیں——"

"تم نے ٹھیک ہی سنا ہے"

"پہلے تم گھومنے گئیں۔ اب ان کو بھیج دیا——"

اس نے ہنس کر یہ بات ٹال دی۔ حمید سے کہنے لگی

"ماہتاب کیسی ہے——"

"حمید جواب نہیں دے پایا تھا کہ زہرہ نے کہا

"ان سے کیا پوچھتی ہو۔ مجھ سے پوچھو—— وہ بیچاری ان کے بچوں کو پالتی ہے—— اور لطف یہ ہے کہ وہ بچے اس کے بھی نہیں ہیں اس کی بہن کے ہیں——"

"تم کبھی اس سے ملی ہو——"

"مجھے کیا غرض پڑی تھی جو اس سے ملنے کے لیے جاتی——"

"اگر تم اس کو دیکھ چکی ہوتیں تو یہ جملے نہ کہتیں——"

زہرہ نے ہنس کر کہا

"ارے ہاں، میں یہ تو بھول ہی گئی کہ وہ تمہاری بہت عزیز سہیلی ہے——"

"اسی لیے تو مجھے اور زیادہ صدمہ ہے—— حمید صاحب کو چاہیئے کہ اسے طلاق دے دیں۔ تاکہ اس کی شادی کہیں اور ہو سکے—— یوں کسی کو عذاب میں مبتلا رکھنا——"

اس کا جملہ بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ حمید نے کہا

"آپ کے اسلم صاحب بہت دنوں سے نظر نہیں آئے——"

"وہ حیدرآباد گئے ہیں——"

"آپ کے بہت قریبی عزیز ہیں نا"

"بہت قریبی ——"

"جب ہی ——"

فوزیہ حمید کے اس جواب پر کچھ تلملا گئی —— حمید نے اپنے اور زہرہ کے لیے وسکی منگوائی تھی۔ جب وہ اسے پینے لگا تو فوزیہ ان دونوں کی میز سے ہٹ آئی۔

اس رات جب وہ سونے کے لیے لیٹی تو حمید کے جملے اس کے کانوں میں گونج رہے تھے —— حمید سمجھتا تھا کہ اس کے اسلم سے ویسے ہی تعلقات تھے جیسے اس کے زہرہ کے ساتھ تھے —— بہت ممکن ہے کہ پرویز بھی یہی سمجھتا ہو ——

وہ پرویز کو ایک طویل خط لکھنے بیٹھ گئی۔ لیکن جب آدھے سے زیادہ خط لکھ چکی تو اسے دوبارہ پڑھنے لگی اور پھر کچھ سوچ کر اسے پھاڑتی گئی اور کاغذ کے چھوٹے چھوٹے پرزے ہوا میں اڑاتی گئی۔

دوسرے ہفتے میں پرویز کے دو خط آئے۔ وہ بمبئی سے جنوبی ہندوستان کے لیے روانہ ہونے والا تھا۔ لکھا تھا کہ ایک ہفتے تک اجنتا اور الورا کے غاروں کو دیکھے گا پھر مدراس میں کچھ دن رہ کر پانی کے جہاز سے کلکتہ چلا جائے گا سوائے اپنے اس پروگرام کے اور کسی بات کا ذکر نہیں تھا۔ ان خطوط کے جواب دینے کا سوال ہی نہیں تھا۔ پرویز کا کوئی پتہ نہیں تھا جس پر وہ جواب لکھ سکتی۔ اگر پتہ موجود بھی ہوتا تب بھی شاید وہ جواب نہ دیتی۔

یہ دوسرا ہفتہ بھی افراتفری میں گذرا۔ اس ہفتہ کی خاص بات مسعود کی ملاقات تھی۔ جو ہوائی جہاز کی ایک بڑی کمپنی میں انجینئر تھا۔ یہ ملاقات اس کے

ہوٹل میں ہوئی تھی۔ اور وہ سمجھ نہیں پاتی تھی کہ اس کی ملاقات کو وہ اتنی اہمیت کیوں دے رہی تھی۔ شاید اس کی وجہ مسعود کے وہ چند کلمات ہوں جو وہ چلتے وقت کہہ گیا تھا۔

ملاقات آٹھ بجے ہوئی تھی جب وہ اپنی اکیلی میز پر بیٹھی ہوئی یہ سوچ رہی تھی کہ اسے کہاں جانا چاہیئے۔ اور گیارہ بجے مسعود نے اسے چھوڑا تھا۔ جاتے وقت اس نے کہا تھا۔

"اگر آپ اس ہوٹل کی مالک نہ ہوتیں تو میں بہت خوش ہوتا،،

"کیوں ——

"اگر آپ کی تعریف کروں گا تو آپ سمجھیں گی کہ میں آپ کی دولت سے مرعوب ہو کر کچھ کہہ رہا ہوں ——،،

اور وہ ہنستا ہوا چلا گیا —— اور تین چار دن تک نہیں آیا۔

فوزیہ ایسی نہیں تھی جو ان جملوں ہی سے برف کی طرح پگھل جاتی۔ لیکن تین چار دن تک جب مسعود نظر نہیں آیا تو اسے نہ جانے کیوں بے چینی ہونے لگی۔

پانچویں دن جب وہ اپنی تنہائی سے اکتانے لگی تھی کہ مسعود نظر آیا۔ اور وہ سیدھا اس کے پاس آ گیا۔ کہنے لگا

"میں نے نہ آنے کی بہت کوشش کی لیکن مجبور ہو کر آنا پڑا ——،،

وہ اس کی باتوں پر ہنس دی۔ کہنے لگی

"ایسی کیا مجبوری تھی ——،،

"مجھے افسوس تو یہی ہے کہ میں اپنی مجبوریوں کو بیان کرنا تہذیب کے خلاف سمجھتا ہوں۔ آپ کے شوہر کہاں ہیں ——،،

"وہ اجنتا اور الورا کے غار دیکھتے پھر رہے ہیں۔"

"مجھ سے ان کی ملاقات نہیں ہوئی ہے لیکن اگر آپ اجازت دیں تو یہ جملہ کہہ دوں کہ وہ قدر شناس نہیں ہیں ——— اگر ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو آپ کو چھوڑ کر جنت بھی نہ جاتا ———"

اس نے ہنس کر کہا

"آپ انجینئر کیسے بن گئے ——— آپ کو تو شاعر ہونا چاہیئے تھا"

"آپ سے ملاقات کے قبل میں انجینئر ہی تھا"

"اور اب ———"

"اب تو میں خود ہی نہیں جانتا کہ کیا بن گیا ہوں ——— بہرحال میری ان باتوں کا برا نہ مانیے۔ میں آپ کو کوئی نقصان بھی نہیں پہنچاؤں گا۔ بس اتنا کرم فرمایئے کہ کبھی کبھی جب میں آیا کروں تو مجھ سے ہنس کر دو باتیں کر لیا کیجئے ———"

اور پھر وہ بیرے کو بلا کر اپنے لیے کچھ کھانے کو منگانے لگا۔ پھر اس سے پوچھنے لگا۔

"آپ کے لئے کیا منگاؤں"

"مجھے صرف پانی چاہیئے ———"

"آپ وہ مٹو منگا لیجئے ——— دشواری یہ ہے کہ آپ کے ہوٹل میں پانی کی کوئی قیمت نہیں ہے اور میں آپ کے لیے کچھ خریدنا چاہتا ہوں ——— میرا بس چلتا تو میں یہاں کی تمام چیزوں سے زیادہ یہاں آنے کی قیمت مقرر کرتا"

"وہ کیوں ———"

"یہ لوگ آتے ہیں۔ کھانے کی قیمت ادا کرتے ہیں اور مفت میں آپ کو دیکھ کر چلے جاتے ہیں——"

"آپ تو سچ مچ شاعر بنتے جا رہے ہیں——"

"یہ نہ کہیئے —— میں جو کچھ بنتا جا رہا ہوں، اس کا کوئی نام نہیں دینا چاہتا——"

اور جب بیرا وہ چیزیں لے آیا تو مسعود بڑے آرام سے بیٹھا رہا اور اسے ومٹو پیتے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے بل کی قیمت ادا کی اور خاموشی سے چلا گیا۔ وہ اس کے جانے کے بہت دیر بعد تک اس کی باتوں پر ہنستی رہی۔ اسے مردوں کی فطرت پر ہنسی آتی تھی۔ لیکن نہ جانے کیوں اسے ایسی ہی باتیں پسند تھیں۔ اس نے پرویز پر کبھی اپنی اس خواہش کا اظہار نہیں کیا۔ لیکن وہ چاہتی یہی تھی کہ وہ ایسی ہی باتیں کیا کرے۔

مسعود دیدہ و دانستہ طور پر روز آنے سے گریز کرتا تھا۔

تیسرے ہفتے وہ صرف ایک بار آیا۔ وہ بھی زیادہ دیر نہیں بیٹھا۔ جاتے وقت کہنے لگا۔

"میں ڈھاکہ ٹرانسفر کرانے کی کوشش کر رہا ہوں"

"وہ کیوں——"

"اگر میں یہ کہوں کہ آپ کی وجہ سے تو آپ کیا کہیں گی۔"

"مسعود صاحب، مذاق کی حد ہوتی ہے——"

"میں کہتا نہ تھا کہ آپ یقین نہیں کریں گی"

اور وہ ہنستا ہوا چلا گیا۔ وہ اس کے متعلق سوچنا نہیں چاہتی تھی لیکن وہ باتیں ہی ایسی کرتا تھا۔

چونکہ ہفتے وہ نہیں آیا اور وہ سمجھی کہ وہ ڈھاکہ چلا گیا ہے۔ اس کے چلے جانے سے اسے ایک سکون سا ملا۔ یہ شخص خواہ مخواہ ہی اپنی اہمیت پیدا کر رہا تھا۔ اسے سکون بھی ملا۔ اور اسے صدمہ بھی ہوا ــــــ اس کی وجہ سے وہ بہلی رہتی تھی ــــــ وہ اپنی شاموں کا پروگرام بنانے لگی۔ لیکن جہاں جہاں جا سکتی تھی۔ وہاں سے اس کا دل اکتا گیا تھا۔ ایک دن زہرہ کا فون آیا۔

"ارے تم کہاں رہتی ہو"

"میں تو کہیں نہیں جاتی"

"شام کو سینما چلو گی"

"چلنا ــــــ"

"اچھا میں آجاؤں گی، کہیں جانا نہیں ــــــ"

"تمہارے سیٹھ صاحب کا کیا عالم ہے"

"بس اب زنجیریں کٹنے ہی والی ہیں ــــــ"

"پھر کیا کرو گی"

"تم سے مشورہ کروں گی"

"حمید صاحب سے شادی کر لینا"

"وہ تو یہی چاہتے ہیں ــــــ"

"اور تم نہیں چاہتیں ــــــ"

"سوچتی ہوں کہ وہ دو چار سال میں سارا روپیہ خرچ کر دیں گے پھر میں ان کی محتاج ہو جاؤں گی"

شام کو جب وہ آئی تو بہت دیر تک حمید کی باتیں کرتی رہی۔ حمید سے

وہ اب بھاگنے لگی تھی۔ اتنے دن ہی میں وہ ہزاروں روپے کی شراب پی گیا تھا اور اسے بھی لت ڈال دی تھی۔ سیٹھ ابراہیم کے مرنے کے بعد اسے اور دولت ملنے والی تھی۔ لیکن نہ جانے کیوں وہ اب اس دولت کو برباد نہ کرنا چاہتی تھی۔ فوزیہ اس کی باتیں سنتی رہی۔ اسے نہ جانے کیوں اس پر ترس آرہا تھا۔ یہ عورت اندھیرے میں بھٹک رہی تھی۔ راستہ ٹٹول رہی تھی اور اُسے راستہ نہ ملتا تھا۔

وہ اس کے ساتھ بیٹھا گئی ——— تماشا ختم ہوا تو حمید مل گیا۔ اور وہ اسے دیکھتے ہی سارے گلے بھول گئی اور اس کے ساتھ چلی گئی ——— فوزیہ اپنے ہوٹل واپس آئی۔ دیکھا۔ اسی میز پر جہاں وہ اکثر بیٹھا کرتا تھا۔ مسعود بیٹھا ہے۔

"آپ ڈھاکہ نہیں گئے ———"

"ابھی ٹرانسفر ہی نہیں ہوا ———"

"پھر اتنے دن کہاں رہے ——— ؟"

"کراچی ہی میں رہا اور یہاں نہ آنے کی کوشش کرتا رہا۔"

"تو آپ میری وجہ سے ٹرانسفر کرا رہے ہیں ———"

"آپ کو یقین نہیں آرہا ہے نا"

"لیکن آپ نے یہ نہیں بتایا کہ کیوں ———"

"انسان جب کسی بہت خوبصورت تصویر کو دیکھ لیتا ہے۔ تو اور تصویریں اس کی نظر میں نہیں جچتیں ——— آپ سے ملاقات کے بعد جیسے کراچی میں کسی لڑکی میں کشش ہی باقی نہیں ہے ——— آپ میری باتوں کا برا نہ مانیے۔ آپ اتنی اچھی ہیں۔ اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اور

میری تربیت بھی کچھ ایسے ہاتھوں میں ہوئی ہے کہ دل کی بات کہہ دینے میں مجھے عار نہیں ہے۔ اپنے شوہر کو آجانے دیجئے۔ اگر میں موجود رہا تو میں ان سے بھی یہی کہہ دوں گا۔ اگر وہ برا مانیں گے تو دور ہی دور سے آپ کو دیکھا کروں گا"

"نتیجہ کیا ہوگا"

"ہر کام نتیجہ کے لیے نہیں کیا جاتا ——"

"ممکن ہے —— لیکن کم از کم میں کوئی کام ایسا نہیں جانتی جو کسی نتیجے کی امید میں نہ کیا جاتا ہو ——"

"تو آپ یہ سمجھ لیجئے کہ مجھے خوشی ہوتی ہے ——"

وہ ان باتوں کا سوائے ہنسی کے اور کیا جواب دیتی۔

مسعود کچھ دیر بیٹھا رہا —— پھر چلا گیا۔

دوسرے دن اس کا فون آیا۔

"میری درخواست منظور کر لی گئی ہے ——"

"تو آپ کب جا رہے ہیں"

"دو ایک روز میں چلا جاؤں گا"

"تو ملنے تو آیئے گا"

"مجھ میں اتنی قوت نہیں ہے۔ اسی لیے میں فون ہی پر الوداع کہہ رہا ہوں ——"

"ارے شاعری کو چھوڑیئے —— آیئے گا"

"کوشش کروں گا کہ نہ آؤں ——"

اور وہ ہنسنے لگی —— مسعود نے فون رکھ دیا اور وہ اس شخص

کے پاگل پن پر بہت دیر تک ہنستی رہی۔ دن بھر وہ کئی مرتبہ اسے یاد آیا۔ شام کو وہ خود آ گیا۔ آنکھیں خوشی سے ناچ رہی تھیں۔ ہنس ہنس کر باتیں کرتا رہا۔ فوزیہ نے کہا۔

"تو آپ ڈھاکہ جا رہے ہیں ———"

"کل صبح چلا جاؤں گا"

"اب تو خوش ہیں ———"

"ہاں ——— میں ایک خوشگوار یاد ساتھ لیے جا رہا ہوں ———"

فوزیہ نے اس کی خوب خاطر داری کی۔ وہ ہنس ہنس کر باتیں کر ہی رہا تھا کہ حمید کے ساتھ زہرہ آ گئی۔ زہرہ نہ جانے ایسے مردوں کو کیوں کر بھانپ جاتی تھی۔ فوزیہ نے تعارف کرایا۔ اور جب اس نے یہ کہا کہ مسعود صاحب ڈھاکہ جا رہے ہیں تو زہرہ کا چہرہ اتر گیا۔ حمید کو گھر جانے کی جلدی تھی یا کوئی اور بات تھی۔ وہ تھوڑی دیر کے بعد ہی چلا گیا۔ وہ تینوں گیارہ بجے تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔

فوزیہ نے ہنس کر کہا

"اگر آپ کچھ دن کراچی میں اور رہتے تو زہرہ سے آپ کی خوب چھنتی ———"

زہرہ عجیب انداز سے ہنسنے لگی۔ وہ اس کا اشارہ سمجھ گئی تھی لیکن مسعود کے لیے یہ جملہ بے معنی تھا۔

پھر زہرہ بھی چلی گئی اور مسعود فوزیہ کے ساتھ زینے تک آیا۔ پھر اس کی انگلیوں کو اپنی آنکھوں سے لگا کر چلا گیا۔ فوزیہ رات گئے تک اس کے متعلق سوچتی رہی۔ پھر ایک گہری سانس لے کر سو گئی۔

صبح سات بجے جب وہ نیچے اتری تو مسعود کا پچھلے دس منٹ میں دو مرتبہ فون آچکا تھا۔ وہ حیران تھی کہ کہاں سے فون کر رہا ہے۔ کہ اس کا فون آیا۔

"میں نے آپ کو جگا تو نہیں دیا ——"

"کہاں سے بول رہے ہیں ——"

"ایرپورٹ سے —— جہاز میں بیالیس منٹ باقی ہیں ——"

"کیا میں آجاؤں ——"

"کتنی دیر میں پہنچ پائیں گی"

"بیس منٹ میں"

"تو آجایئے ——"

اور جب وہ موٹر پہ بیٹھ لی اور ملیر روڈ پر آگئی تب اسے خیال آیا کہ وہ ایک پاگل شخص کے ساتھ خود کیوں پاگل بن رہی ہے لیکن اس شخص کی خوشی کی خاطر اسے اپنے پاگل پن پر خوشی ہونے لگی۔ وہ اپنے ساتھ ایک ڈبے میں سینڈوچ، پیسٹریز، ایک تھرماس میں کافی رکھ لائی تھی۔ ایرپورٹ پہنچی تو مسعود کو بہت بے چینی سے انتظار کرتے ہوئے پایا۔

"میں آپ کا یہ احسان عمر بھر نہ بھولوں گا"

"میں آپ کے لیے ناشتہ بھی لائی ہوں"

"آپ کتنی اچھی ہیں ——"

"آیئے ناشتہ کر لیں ——"

اور وہ دونوں اوس سے بھیگی ہوئی گھاس پر بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگے۔ وہ خوب ہنس رہی تھی اور مسعود کو بچوں کی طرح چھیڑ رہی تھی۔ جب وہ کافی کے دو تین گھونٹ پی چکا تو کہنے لگا

"مجھے افسوس ہے کہ تم سے پہلے ملاقات کیوں نہ ہوئی"

"یہ افسوس کا وقت نہیں ہے ——"

"تمہارے شوہر کو واقعی تم سے زیادہ اجنتا اور الورا کے غار عزیز ہیں ——؟"

"یہ ان باتوں کا بھی وقت نہیں ہے ——"

"کاش تم ——"

اور مسعود کی آنکھوں میں آنسو آ گئے —— وہ منہ پھیر کر کچھ لمحوں تک ان آنسوؤں کو خشک کرتا رہا۔ پھر ہنستے ہوئے کہنے لگا

"مجھے معاف کرنا، میں اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکا تھا"

"آپ کا پھر کبھی آنا ہوا تو مجھ سے ضرور ملیے گا"

"اب میں کراچی کبھی نہیں آؤں گا ——"

اور وہ اٹھ کر ٹہلنے لگا —— ایئرپورٹ پر مسافروں کی گہما گہمی بڑھ رہی تھی۔ یکایک مسعود نے کہا

"یہ آپ کی زہرہ کس سے ملنے آئی ہیں ——"

اور فوزیہ گھبرا کر اس سمت دیکھنے لگی۔ زہرہ مسکراتی ہوئی ان ہی دونوں کی طرف آ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں پھولوں کا ایک بڑا سا ہار تھا۔ اس نے بڑی

بے تکلفی سے وہ ہار مسعود کے گلے میں ڈال دیا اور بڑے بے معنی انداز میں ہنسنے لگی۔ اب اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ یہ بتاتی کہ وہ یہاں کس تقریب میں آئی تھی۔ مسافر اندر جا رہے تھے ——— مسعود دونوں سے بڑے تپاک سے ہاتھ ملا کر اندر چلا گیا۔ یہ دونوں دور ہی سے اسے جہاز میں بیٹھے دیکھتی رہیں۔ پھر جہاز چلا گیا۔

زہرہ نے ایک گہری سانس لے کر کہا

"بڑا اچھا جوان تھا"

فوزیہ نے کچھ نہیں کہا۔ اور پھر اپنے کپڑے جھاڑنے لگی۔ زہرہ نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔ آنکھوں میں ایک مسکراہٹ پیدا ہوئی لیکن زہرہ کی سنجیدگی نے اسے کچھ کہنے نہ دیا۔

راستہ میں زہرہ نے کہا

"تم اتنی خاموش کیوں ہو ———"

"نہیں تو ———"

"کیا تم اسے بہت پسند کرنے لگی تھیں ———"

"وہ جتنی بار مجھ سے ملا۔ بڑی دلچسپ باتیں کرتا رہا ———"

"تو تم نے اسے جانے کیوں دیا ———"

فوزیہ نے ایک گہری سانس لے کر کہا

"میں اسے اور زیادہ قریب نہیں آنے دینا چاہتی تھی"

"تو کیا ہو جاتا ———"

"زہرہ، تم نہیں سمجھ سکو گی ——— تمہارے نزدیک میرے شوہر میں اور حمید میں اور مسعود میں کوئی فرق نہیں ہے ———"

زہرہ آنکھیں پھاڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ فوزیہ نے کہا

"لیکن تم کو اب معلوم ہو گیا ہو گا کہ میرے شوہر میں اور حمید میں ایک بہت بڑا فرق ہے ——"

"تو کیا پرویز ——"

"ہاں پرویز نے مجھ سے سب کچھ بتا دیا ہے —— اس کے باوجود میں نے تم سے کچھ نہیں کہا۔ اور شاید کبھی نہ کہتی اگر تم مجھے بھی اپنی طرح نہ سمجھتیں تمھاری آنکھیں بتا رہی ہیں کہ تم میرے اور مسعود کے بارے میں کیا کیا غلط باتیں سوچتی رہی ہو۔"

زہرہ کچھ ایسی چپ ہوئی کہ صدر میں ایک جگہ جب فوزیہ نے موٹر روکی تو وہ چپکی اتری ہوئی چلی گئی۔

* * * * * *

۱۱

جگر لخت لخت

مسعود کے چلے جانے سے اس کی اداسیوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اور وہ اور زیادہ جھنجھلاہٹ محسوس کرنے لگی تھی۔ سوچتی تھی کہ اگر اسے پرویز کی محبت حاصل ہوتی تو ایک اجنبی کے جانے سے اس کی پیاس میں اور زیادہ اضافہ کیوں ہو جاتا ——— زہرہ سے وہ دو دو باتیں کر کے خوش تھی یہ لاوا بہت دن سے پک رہا تھا۔ کیا معلوم کس طرح پھوٹتا اور اس کے

نتائج کیا ہوتے۔

اگر اسلم نہ آجاتا تو اس کی زندگی بالکل ہی بدل گئی ہوتی۔

اسلم یاسمین اور اپنی والدہ کے ساتھ حیدرآباد کا تمام کاروبار ختم کر کے اور مکانات فروخت کر کے آگیا تھا۔ اس کی والدہ تو فوزیہ کے گھر میں رہنے لگیں۔ یاسمین فوزیہ کے کمرے میں آگئی اور اسلم نے پرویز کے کمرے میں اپنا بستر لگا دیا اور فوراً ہی تین چار کمرے بنانے کے انتظامات ہونے لگے ——— یاسمین پرویز کی غیر موجودگی سے اتنی خوش نہیں تھی جتنی پہلی بار کراچی آنے سے خوش تھی۔ فوزیہ نے پرویز کے جن خطوط کو محفوظ کر لیا تھا۔ ان کو پڑھنے لگی ——— یہ خطوط پڑھ کر اسے بڑا تعجب ہوا۔ ایسا تو معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ خط ایک شوہر نے اپنی بیوی کو لکھے ہیں۔ ان میں پیار و محبت کا ایک جملہ بھی نہیں تھا اور نہ اس میں جدائی کی کیفیت ہی موجود تھی۔

کہنے لگی

"سچ بتاؤ آپا، کیا یہ پرویز بھائی کے خط ہیں"

"ہاں، کیوں ———"

"اور انھوں نے تم کو لکھے ہیں ———"

"مجھ ہی کو لکھے ہیں ——— کیوں ———"

"کچھ نہیں، میں یونہی پوچھ رہی تھی ———"

اس وقت اسلم سامنے کرسی پہ بیٹھا ہوا کمروں میں لاگت کا تخمینہ نکال رہا تھا وہ گردن اٹھا کر کہنے لگا۔

"وہ حضرت کب تشریف لا رہے ہیں ———"

"یہ تو نہیں لکھا ہے ——"

اسلم نے کچھ اور کہنا چاہا مگر فوزیہ کی طرف دیکھ کر خاموش ہو رہا۔ بہرحال تین چار دن تک خوب ہنگامے رہے۔ اسلم کے پاس اپنے ذاتی استعمال کا سامان اتنا زیادہ تھا کہ اس کمرے میں رکھنے کی گنجائش نہیں تھی۔ دو الماریاں پرویز کی کتابوں سے بھری ہوئی تھیں۔ اس نے فوزیہ کو بلا کر کہا

"اگر تم اجازت دو تو میں ان کتابوں کو نیچے اسٹور روم میں بھجوا دوں ابھی پرویز صاحب تو آ نہیں رہے ہیں —— ان کے آتے آتے میرے چاروں کمرے تیار ہو جائیں گے"

"اب اس کمرے پر آپ کا اختیار ہے ——"

یہ جملہ کہتے ہوئے بھی فوزیہ کو تکلیف ہو رہی تھی —— وہ یہ کہہ کر نیچے چلی گئی اور اسلم نے نیچے سے چار آدمیوں کو بلوا کر وہ ساری کتابیں نیچے اسٹور روم میں بھجوا دیں۔ اس کے کپڑے الماریوں سے نکال کر صندوقوں میں بند کروا دیئے۔ اور کمرے کا حلیہ ہی بدل دیا۔ کسی ایک چیز سے بھی ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ یہ کبھی پرویز کا کمرہ تھا —— فوزیہ شام کو جب نیچے سے آئی تو اسلم کے کمرے کو دیکھ کر چپ ہو گئی۔ اسلم نے کہا

"کہو، تمھیں یہ سٹنگ پسند آئی"

"ہاں بہت اچھی ہے ——"

اسی وقت یاسمین آگئی —— کہنے لگی

"بھائی جان، یہ آپ نے کیا کر ڈالا —— یہ رہنے کا کمرہ ہے یا کسی فرنیچر کی دوکان کا شوروم ——"

"تم اپنی بدمذاقی اپنے پاس ہی رکھو ــــــــ"

"سچ کہتی ہوں بھائی جان ــــــــ اگر میں یہاں رہوں تو میرا تو ایک دن میں دم الٹ جائے ــــــــ"

"تو یہ تمھارا کمرہ نہیں ہے۔ اور نہ تم کو رہنا ہے،"

"کمرہ تو آپ کا بھی نہیں ہے بھائی جان اور نہ آپ کو یہاں رہنا ہے ــــــــ"

"ٹھہر، گھبراتی کیوں ہے۔ تیری پرویز صاحب جیسے شخص ہی سے شادی کروں گا"

اور یاسمین اداس ہو کر فوزیہ کے کمرے میں آ بیٹھی۔ اور پھر اس کا دم ایسا الٹا کہ اپنی امی کے پاس چلی گئی۔ اور کہتی گئی کہ وہ صبح آئے گی"

فوزیہ گیارہ ساڑھے گیارہ بجے تک ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی پھر کہنے لگی۔

"اچھا، اب صبح ملاقات ہو گی"

"کیا تم بھی کہیں جا رہی ہو"

"اپنے کمرے میں جا رہی ہوں ــــــــ"

"ہاں، میں سمجھا کہ کہیں اور جا رہی ہو ــــــــ"

اور فوزیہ اپنے بستر پر لیٹ کر سوچنے لگی کہ اسلم کو یہ جملہ نہیں کہنا چاہیئے تھا۔ آخر انھوں نے سمجھا کیا ہے ــــــــ رات بھر اس کے ذہن سے اسلم کے جملے کا اثر نہیں گیا۔ صبح ہوتے ہوتے وہ سو گئی اور دس بجے اٹھی۔

اسلم علی الصبح ہی اٹھ کر کہیں چلا گیا تھا۔ جب وہ نہا دھو کر بیٹھی اور

نیچے سے جب اس کے لیے ناشتہ آگیا تو اسلم یاسمین کے ساتھ آیا۔ شاید وہ خود بھی اپنے جملے پر شرمندہ تھا۔ یاسمین جب کسی کام سے دوسرے کمرے میں گئی تو کہنے لگا۔

"شاید تم مجھ سے ناراض ہو ———"

"نہیں تو ———"

"نہ معلوم میرے منہ سے وہ جملہ کیوں نکل گیا تھا۔ جب میں سونے کے لیے لیٹا تو مجھے احساس ہوا اور ساری رات کروٹیں بدلتے گزری ——— اگر تم پرویز صاحب کے آنے تک یہاں نہ رہنا چاہو تو خالہ جان کے پاس چلی جاؤ ——— ورنہ میں یہ تو سوچ ہی چکا ہوں کہ یاسمین کو نہ جانے دوں گا"

"آپ یہ کیوں کہہ رہے ہیں ———"

اسلم نے کوئی جواب نہیں دیا اور نیچے چلا گیا۔

نہ معلوم کس جذبے سے کہے ہوئے اس جملے نے ان دونوں کو ایک دوسرے کا شدید احساس دلوا دیا ——— اس سے پہلے جب اسلم آیا تھا تو رات کے بارہ بارہ بجے تک ساتھ رہتا تھا۔ اور اسے کبھی خیال بھی نہ آیا تھا کہ فوزیہ جوان لڑکی ہے۔ وہ تو اسے اپنی خالہ زاد بہن اور ایک خاص قسم کی ہستی سمجھتا تھا۔ فوزیہ کو بھی اسلم سے ملنے جلنے میں کوئی عار نہیں تھا۔ وہ اس سے بے تکلفی سے باتیں کرتی تھی۔ ہنستی تھی۔ کبھی کبھی تو اس کے گلے لگ جاتی تھی۔ لیکن کسی خیال سے نہیں ——— لیکن نہ جانے کس عالم میں کہے ہوئے اس جملے نے ان دونوں کو بتا دیا تھا کہ اسلم سب کچھ ہوتے ہوئے بھی بہر حال ایک مرد ہے اور فوزیہ ایک نوعمر عورت ہے۔

چنانچہ جب گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹے کے بعد اسلم اوپر آیا تو فوزیہ سے اس سے

آنکھیں چار نہیں کی گئیں۔ اسلم بھی جس بے تکلفی سے بیٹھ جایا کرتا تھا۔ نہ بیٹھ سکا دونوں کمروں کا درمیانی دروازہ کھلا رہتا تھا۔ شام ہونے سے پہلے ہی اسلم نے اسے کسی بہانے سے بند کر دیا۔ اور جس طرح گذشتہ رات کو گیارہ ساڑھے گیارہ بجے تک باتیں کرتا رہا تھا۔ اس نے اپنا یہ رویہ بھی بدل دیا ——— گیارہ بجے تک نیچے رہا۔ فوزیہ یاسمین کے ساتھ اوپر نیچے آتی گئی۔ دس بجے دونوں اپنے کمرے میں سونے لیٹیں۔ یاسمین باتیں کر رہی تھی۔ فوزیہ ہوں ہاں کر رہی تھی۔ اسے اس وقت پرویز کی یاد ستا رہی تھی جس کا تین چار دن سے کوئی خط نہیں آیا تھا۔ اسی طرح گیارہ بج گئے ——— اسلم اپنے کمرے میں آیا۔ وہاں روشنی ہوئی۔ فوزیہ سمجھی کہ وہ کپڑے بدل کر حسبِ معمول باتیں کرنے آئے گا لیکن تھوڑی دیر کے بعد اس کمرے کی بتی بجھ گئی۔ اور ایسی خاموشی چھائی کہ اسے یقین ہو گیا کہ اسلم آتے ہی سو گیا ہے۔

اس طرح ایک ہفتے ہی میں وہ دونوں جس بے تکلفی سے ملتے تھے۔ اتنا ہی اب تکلف سے ملنے لگے۔ اسلم اکثر اس سے تم کہہ کر بات کرتا تھا۔ اب تم کہنے میں بھی اسے تکلف ہونے لگا اور جب کسی سلسلے میں اس نے آپ سے کہہ کر مخاطب کیا تو فوزیہ ہنسنے لگی۔

”کیوں ہنس کیوں رہی ہو ———“

”اسلم بھائی، یہ میں آپ کب سے بن گئی ہوں ———“

اسلم جھینپ گیا۔ کہنے لگا

”اپنے چھوٹوں سے مہذب طریقے سے بات کرنا کوئی بری بات تو نہیں ہے ———“

”لیکن میں اس غیریت کو پسند نہیں کرتی“

"تو کیا میں تم ہی کہا کروں"

"آپ پہلے بھی تو تم ہی کہا کرتے تھے ـــــــ"

"ہاں آں ـــــــ"

"پھر اب کیا ہو گیا ہے ـــــــ"

"ہوا تو کچھ بھی نہیں ہے - نہ جانے میں تم کو آپ کیوں کہنے لگا"

فوزیہ پہلی سی بات پیدا کرنا چاہتی تھی - پہلے اسے اتنا زیادہ خیال بھی نہ ہوتا تھا لیکن اب وہ سوتے وقت اکثر یہ سوچا کرتی تھی کہ اسلم لیٹے ہوئے کیا سوچ رہے ہوں گے ـــــــ کہیں میری کوئی بات ان کو ناگوار تو نہیں گذرتی ـــــــ وہ میری اتنی کھلی ہوئی باہوں کے بلاؤز کا برا تو نہیں مانتے ـــــــ

لیکن وہ جتنی زیادہ کوشش کرتی تھی - اسلم میں وہ سی بات ختم ہوتی جا رہی تھی - اور وہ ڈرتی تھی کہ نہ جانے کیا نتیجہ ہو گا - اور ایک دن وہ نتیجہ بھی سامنے آ گیا -

حمید آیا ہوا تھا اور فوزیہ سے بڑی بے تکلفی سے باتیں کر رہا تھا - جب وہ چلا گیا تو اسلم نے کہا

"مجھے حمید صاحب کی اتنی بے تکلفی پسند نہیں ہے ـــــــ"

"کیوں کیا ہوا ـــــــ"

"وہ تو تم سے ایسی باتیں کر رہے تھے جیسے مدت سے شناسائی ہے ـــــــ"

"ان کی بیوی میری بہت عزیز سہیلی ہے ـــــــ"

"مانا کہ تمہارے اور ان کی بیوی کے بہت پرانے تعلقات ہیں - لیکن

حمید صاحب کو تو خیال ہونا چاہیئے —— تم ان سے زیادہ نہ ملا کرو —— یہ اچھے آدمی نہیں معلوم ہوتے —— میں ان کو ایک عورت کے ساتھ دیکھا کرتا تھا۔ کون تھی وہ ——"

"زہرہ ——"

"ہاں شاید زہرہ ہی نام تھا اس کا ——"

"اس سے حمید صاحب کی شادی ہونے والی ہے ——"

"کیوں، تمھاری سہیلی کو کیا ہوا ——"

"حمید صاحب کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ زہرہ کے پاس لاکھ دو لاکھ روپے ہیں —— پہلے شوہر کا دم لبوں تک آگیا ہے۔ وہ تو بیچارے ایڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ اور حمید صاحب زہرہ کو ٹانگے ٹانگے پھرتے ہیں۔"

"اگر وہ صرف زہرہ تک ہی محدود رہتے تو میں ان پر شبہ نہ کرتا۔ لیکن ابھی پرسوں ایک نئی لڑکی ان کے ساتھ تھی"

"کہاں ——"

"یہیں اس کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے"

"وہ ماہتاب تو نہیں تھی —— نہیں ماہتاب نہیں ہوگی ورنہ وہ مجھ سے ضرور ملنے آتی ——"

"ماہتاب کون ہے؟"

"ان کی بیوی کا نام ماہتاب ہے ——"

"نہیں، وہ ان کی بیوی نہیں تھی۔ بیوی ہوتی ہے تو دیکھنے والے فوراً سمجھ جاتے ہیں ——"

"اونھ، کوئی ہوگی"

تھوڑی دیر تک اسلم خاموش رہا پھر کہنے لگا

"پرویز صاحب اور تمہارے تعلقات کشیدہ تو نہیں ہیں ——"

"نہیں تو ——"

"پھر وہ اتنے عرصے کے لیے ہندوستان کیوں چلے گئے"

"میں نے ان کو بھیجا ہے ——"

"کیوں ——"

وہ سوچنے لگی کہ اسلم کو پرویز کی کمزوریاں بتانا مناسب نہیں ہے کہنے لگی۔

"لوگ تو دنیا زمانہ کی سیر کرنے جاتے ہیں۔ وہ بیچارے تو ہندوستان ہی گئے ہیں ——"

"تمہارے اور ان کے تعلقات ضرور کشیدہ ہیں —— میں نے کبھی تم کو ان کا ذکر کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔"

"کس سے ذکر کرتی"

"انسان ذکر کرنا چاہے تو ہر ایک سے کر سکتا ہے ——"

"ان کا کیا ذکر کیا جائے ——"

"تم نے تو اپنی پسند سے شادی کی تھی"

"جی ہاں ——"

"پھر یہ کیا ہو گیا ——"

"اب آپ کو کیا بتاؤں اسلم بھائی —— بس یہ سمجھ لیجئے کہ ہم دونوں نے ایک دوسرے سے جو امیدیں وابستہ کی تھیں وہ پوری نہیں ہوئیں —— پھر زخم پر زخم لگتے ہی چلے گئے ——"

"اب کیا ارادہ ہے ———"

"مجھے نہیں معلوم ———"

"تمہیں ان کی واپسی کا تو انتظار ہے"

"ہے بھی اور نہیں بھی ہے ———"

"ان کے خط تو آتے رہتے ہیں ———"

"ہاں ———"

اسلم نے بہت دیر تک کچھ نہیں کہا۔ پھر کہنے لگا

"اگر علیحدگی کی نوبت آنا ہے تو تاخیر کس بات کی ہے۔"

"طلاق تو کسی وقت لی جا سکتی ہے۔ لیکن میں یہ نوبت آنے دینا نہیں چاہتی ———"

"نہیں، طلاق تو بڑی اچھی چیز ہے۔ اس سے عمر کا روگ نہیں لگتا۔ شادی تو ایک سماجی سمجھوتہ ہے۔ نبھ گئی تو واہ واہ، نہ نبھی تو تم اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش ———"

"ممکن ہے آپ برا نہ سمجھتے ہوں لیکن دنیا تو برا سمجھتی ہے ———"

"دنیا کی نہ کہو فوزیہ ——— دنیا تو ہر کمزور کو دبانا جانتی ہے ——— اس کے ساتھ تو سختی سے پیش آنا چاہیے اگر تم محض دنیا والوں کے لیے طلاق حاصل کرنا نہیں چاہتیں۔ تو اس حماقت میں زیادہ دن نہ پڑو ———"

فوزیہ نے کہا

"میں طلاق لے کر کیا کروں گی"

"یہ اس وقت دیکھا جائے گا

"میں ایک بار اور آزمانا چاہتی ہوں ———"

"پھر ناکام ہو گی ——— ایک مرتبہ جسے آزما لیا اسے بار بار آزمانا کہاں کی عقل مندی ہے ———"

فوزیہ کچھ چپ ہو گئی ——— اسلم نے کہا

"وہ طلاق دینے میں روڑے ضرور اٹکائیں گے ———"

"کیوں ———"

"تمہاری وجہ سے وہ اس ہوٹل میں برابر کے شریک ہیں۔"

"نہیں، وہ ایسے نہیں ہیں ———"

"تم دیکھ لینا ———"

"میں انھیں خوب اچھی طرح جانتی ہوں اسلم بھائی، اگر ان کو روپے کی پروا ہوتی تو میں ان کو کراچی کے سب سے بڑے ہوٹل کا مالک بنا چکی ہوتی ——— ان سے میری کشاکش کی سب سے بڑی وجہ یہ روپیہ ہی ہے۔ وہ ہوٹل کی ہزاروں روپے کی آمدنی کو چھوڑ کر کسی کالج میں لکچرر بننا چاہتے تھے ——— اگر میں نے ان کا کہنا مان لیا ہوتا تو وہ بہت خوش رہتے اور ہمارے درمیان کوئی دیوار بن نہ کھڑی ہوتیں ——— اب تو اتنی کشاکش درمیان میں آ گئی ہے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا ہوگا۔"

"خیر، تو تم ان سے طلاق لے لینا ———"

"لیکن کیا کروں گی"

"تم اپنی ہی ٹکر کے کسی شخص سے شادی کر لینا ——— عزیزوں ہی میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو تمہارے سامنے سر جھکانے کو تیار رہیں ———"

گفتگو جس موڑ کی طرف جا رہی تھی، اس کا فوزیہ کو اچھی طرح احساس تھا۔ بات جب یہاں تک پہنچ گئی تو اس نے کہا۔

"چھوڑیئے اسلم بھائی، مجھے اپنی موجودہ زندگی میں کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی ــــــ میں دنیا کو یہ کہنے کا موقع دینا بھی نہیں چاہتی کہ میں اپنے کیے پر پچھتائی ہوں ــــــ"

اسلم جو اپنی محبت کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔ اس کے اس جملے سے سرد پڑ گیا۔ اور ہنس کر خاموش ہو رہا۔

اسلم اپنی رہائش کے لیے جو چار کمرے بنوا رہا تھا، وہ تیار ہو گئے تھے۔ وہ پرویز کے کمرے سے اپنا سامان اٹھا لے گیا تھا اور بازار سے اور بہت سا سامان خرید لایا تھا۔ اور ان کی سجاوٹ میں فوزیہ کی پسند کا خاص خیال رکھنا چاہتا تھا۔ گویا اس میں اسے نہیں، فوزیہ ہی کو رہنا ہے اور فوزیہ بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھی۔ ادھر وہ تو اسلم کے کمروں کی سجاوٹ میں لگی ہوئی تھی اور ادھر یاسمین نے اسٹور روم سے پرویز کی تمام کتابیں منگوالی تھیں اور ان کو بڑے لگاؤ سے الماریوں میں رکھ رہی تھی۔ صندوقوں سے کپڑے نکال کر الماریوں میں ٹانگ رہی تھی۔ دیواروں پر سے خاک دھول صاف کر رہی تھی۔ ادھر فوزیہ کو اسلم کے کمروں کی آرائش سے فرصت ملی ادھر یاسمین بھی اپنا کام کر چکی۔ جب فوزیہ اپنے کمرے میں تھک کر لیٹی تو وہ مسکراتی ہوئی فوزیہ کے پاس گئی اور زبردستی اس کا ہاتھ گھسیٹ کر پرویز کے کمرے میں لے گئی ــــــ فوزیہ نے

ہر چیز قرینے سے رکھی ہوئی جو دیکھی تو نہ جانے کیوں اس کا دل بھر آیا۔ اور وہ خاموشی سے آنسو بہانے لگی۔ یاسمین نے کہا

"کیا بات ہے آپا ــــــ"

"نہ معلوم آج کل وہ کہاں ہوں گے، کیسے رہتے ہوں گے، کیا کھاتے ہوں گے"

"وہ کب آنے کو کہہ گئے تھے آپا"

"تمہیں نہیں معلوم یاسمین وہ کیوں گئے ہیں ــــــ"

"تم ان سے لڑی ہو گی، میں پہلے ہی سوچتی تھی کہ تمہارا ان کے ساتھ سلوک اچھا نہیں ہے ــــــ"

فوزیہ یاسمین کے اس جملے سے اور زیادہ رونے لگی۔ اسلم بھی آ گیا اور پرویز کے کمرے کو سجا سجایا دیکھ کر چپ ہو گیا۔ یاسمین کو کیا معلوم تھا کہ اس کے بھائی کے دل میں کیا منصوبے ہیں۔ کہنے لگی

"فوزیہ آپا کو پرویز بھائی یاد آ رہے ہیں ــــــ"

فوزیہ منہ پھیر کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور تکیہ سے منہ چھپا کر خوب ہی روئی ــــــ رونے سے اس کی طبیعت بہت ہلکی ہو گئی۔ ڈیڑھ دو گھنٹے کے بعد وہ اُٹھی۔ نہا کر کپڑے پہنے اور یاسمین کے ساتھ نیچے آئی۔ اس کی ہنسی کو دیکھ کر کوئی سمجھ ہی نہیں پاتا تھا کہ ابھی وہ اتنا رو کر آئی ہے۔ یاسمین پرویز کا ذکر چھیڑتے ڈرتی تھی۔ لیکن اس سے چپ بھی نہ رہا جاتا تھا۔ کہنے لگی۔

"تم نے بتایا نہیں کہ وہ کیوں گئے ہیں ــــــ"

"سچ سچ بتا دوں ــــــ"

"بتاتا ہے تو سچی بات ہی بتاؤ ———"

"ہم دونوں کے درمیان ایک خلیج حائل ہو گئی ہے۔ وہ اس لیے گئے ہیں کہ کچھ عرصہ دور رہیں گے تو شاید یہ خلیج دور ہو جائے ———"

"تم نے ان کو بھیج کر بہت غلطی کی ہے آپا۔"

"کیوں؟"

"کہیں دور رہنے سے ایسی غلط فہمیاں دور ہوتی ہیں ——— اور نہ جانے مجھے یہ کیوں یقین ہے کہ تم ہی نے ان کو یہ راہ دکھائی ہوگی ——"

فوزیہ بڑی حیرت سے یاسمین کی طرف دیکھنے لگی۔ یاسمین نے کہا "میں ان کے ساتھ بہت کم رہی ہوں۔ لیکن اتنا ضرور سمجھ گئی تھی کہ وہ اور مردوں کی طرح نہیں ہیں۔ مجھے یہ کہنے میں بھی عار نہیں ہے کہ ان کی سنجیدگی ان کی خاموشی مجھے اتنی پسند تھی کہ میں یہ سمجھنے لگی تھی کہ مجھے ان سے محبت ہو گئی ہے۔ میں ان کے پاس گھنٹوں بیٹھی رہتی تھی۔ اکیلی بھی رہی۔ لیکن انھوں نے کبھی ان نظروں سے بھی نہیں دیکھا، جن نظروں سے عام مرد نوجوان لڑکیوں کو دیکھا کرتے ہیں۔ وہ مجھے سمجھاتے تھے کہ ان کے ساتھ اتنا زیادہ نہ رہوں دیکھنے والے بدنام کر دیں گے ——— ایسے شریف انسان سے کوئی ایسی سنگین غلطی نہیں ہو سکتی آپا کہ تم ان کو یوں بھول جاؤ۔"

اور اسے مجبوراً کہنا پڑا

"اور یاسمین، اگر انھیں مجھ سے محبت نہ ہو ———"

"تب بھی ان کے ساتھ تمھارا رویہ اچھا نہیں تھا ——— وہ ان مردوں سے تو اچھے ہی تھے جو محبت کا ڈھونگ رچاتے ہیں۔ اور دوسروں کی بہو بیٹیوں کو تاکتے ہیں ———"

"تم ان کی اتنی طرف داری کر رہی ہو، اس سے میں کیا سمجھوں"

"تم کچھ سمجھو اب مجھے اس کی پروا نہیں ہے لیکن خدا کے لیے تم خود کوئی غلطی نہ کر بیٹھنا ———— آج کل بھائی جان تم پر بہت زیادہ فریفتہ ہیں۔ اور تمہارا اور پرویز بھائی کی طرف سے کھٹا ہو چکا ہے۔ کوئی ایسی بات نہ کر بیٹھنا جو تم کو پچھتانا پڑے آپا ———— بھائی جان ایسے مردوں کی کمی نہیں ہے لیکن پرویز بھائی ایسے مرد دنیا میں دو ہی چار ہوں گے"

فوزیہ اور زیادہ حیران رہ گئی ———— وہ اتنے دن سے یاسمین کے ساتھ تھی لیکن اسے گمان بھی نہ گزرا تھا کہ یاسمین اتنی سنجیدگی سے محبت کے مسئلہ پر غور کرتی رہی ہے۔ کہنے لگی

"کیا تمہیں یہ خیال ہے کہ مجھ سے کوئی لغزش ہو جائے گی"

"تم عام لڑکیوں کی طرح نہیں ہو آپا ———— میں جانتی ہوں کہ تم اپنا برا بھلا خوب سمجھتی ہو۔ لیکن حالات کبھی کبھی ایسی شکل اختیار کرتے ہیں کہ انسان کو ہتھیار ڈال دینا پڑتے ہیں ———— میں تو صرف اتنی بات چاہتی ہوں کہ تم ایسے حالات ہی نہ پیدا ہونے دو ————"

اور یہ کہہ کر یاسمین اوپر چلی گئی اور فوزیہ بہت دیر تک اس کی باتوں پر غور کرتی رہی۔ پھر وہ بھی اوپر چلی گئی۔ اور یاسمین کے پاس بچھے ہوئے بستر پر لیٹ کر اپنے حالات کا جائزہ لینے لگی۔ یاسمین جاگ رہی تھی لیکن وہ کچھ بولی نہیں۔ تھوڑی دیر میں دونوں سو گئیں۔

پرویز کو گئے ہوئے تین مہینے ہو گئے تھے۔ شروع شروع میں ہفتہ میں اس کے دو خط ضرور آتے تھے۔ پھر ایک خط آنے لگا۔ پھر دو ہفتوں میں ایک خط اور اس مہینہ ایک بھی خط نہیں آیا تھا۔ آخری خط دہلی سے آیا تھا۔ جس میں اس نے اپنے ویزے کے متعلق لکھا تھا۔ اسے تین مہینہ کی اجازت اور مل گئی تھی۔ اس نے لکھا تھا کہ میں ہندوستان کے ان تمام مقامات پر جانا چاہتا ہوں۔ جہاں مسلمانوں کی عظمت کی یادگاریں رہ گئی ہیں۔ اس نے مزید روپے کے لیے بھی لکھا تھا، فوزیہ نے بمبئی سے دو ہزار روپے کا مزید انتظام کر دیا تھا۔ لیکن ایک ہفتے کے بعد بمبئی سے اطلاع ملی کہ پرویز نے صرف ایک ہزار روپے لیے تھے۔ فوزیہ نے اس کا پتہ معلوم کرنا چاہا لیکن اگلے ہفتہ یہ بھی اطلاع مل گئی کہ پرویز اپنا کوئی پتہ نہیں چھوڑ گیا تھا۔ اور وہ لکھنؤ جا رہا تھا۔

یاسمین سے جب گفتگو ہوئی تھی۔ فوزیہ اپنے اور اسلم کے تعلقات میں زیادہ محتاط ہو گئی تھی۔ اب وہ گھنٹہ دو گھنٹے پرویز کے کمرے میں بیٹھ کر کوئی کتاب پڑھا کرتی تھی۔ کمرے کی اداسی اسے ان لمحات کی یاد دلاتی تھی۔ جو یہاں پرویز کے ساتھ گذرے تھے۔ ان لمحات میں کوئی تو بات تھی جو اس کے دل میں ٹیسیں پیدا کر رہی تھی۔

اسلم اس سے قریب ہوتا جا رہا تھا۔ ایک دن کہنے لگا۔

"تم کتنی قریب ہو اور کتنی دور ہو——"

وہ اس کا اشارہ تو سمجھ گئی تھی لیکن اس پر ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی۔ کہنے لگی

"انسان یا تو دور ہوتا ہے یا قریب ہوتا ہے۔ دونوں باتیں ایک ساتھ

کیونکر ممکن ہیں ــــــــ"

"یہ اپنے دل سے پوچھو ــــــــ"

"پوچھ نہ چکی ہوتی تو آپ سے کیوں پوچھتی ــــــــ"

ایک اور موقع پر جب وہ دو بجے کے قریب نیچے آگئی تھی۔ اور پرویز کے کمرے میں، جس میں اب اسلم بیٹھنے لگا تھا ایک آرام کرسی پر دراز ہو کر چپ چاپ بیٹھی تھی۔ اسلم نے پوچھا

"کیا سوچ رہی ہو ــــــــ"

"کچھ نہیں ــــــــ"

"انسان کبھی خالی دماغ نہیں رہ سکتا۔ جب وہ کچھ نہیں کرتا۔ تو سوچتا رہتا ہے ــــــــ"

"آپ بھی تو اکیلے بیٹھے تھے۔

"میں تمہارے متعلق سوچتا تھا"

"میرے متعلق ایسی کون سی بات ہے جو آپ یہاں اکیلے بیٹھ کر سوچیں ــــــــ"

"تم شاید سمجھنا نہیں چاہتیں ــــــــ"

اسی طرح ایک مرتبہ اور

نوزیہ یاسمین کے ساتھ کلفٹن چلی گئی تھی اور اسی جگہ بیٹھی تھی جہاں اکثر پرویز کے ساتھ بیٹھی رہتی تھی کہ اسلم بھی اس کی تلاش میں وہاں آگیا ــــــــ چاندنی رات تھی۔ سمندر کی لہروں کا مسلسل شور ایک عجیب نغمہ کی سی کیفیت پیدا کیے ہوئے تھا۔ یاسمین نے اپنے بھائی کی طرف دیکھا اور کسی خیال سے مسکرا دی۔ کہنے لگی

"آپ کہاں آ گئے بھائی جان ——"

"یونہی آ نکلا تھا، یہاں تم دونوں نظر آ گئیں ——"

اور وہ اپنے جوتے اتار کر اور پتلون گھٹنوں تک چڑھا کر لہروں میں کھڑا ہو گیا۔ فوزیہ اسے دیکھتی رہی پھر اپنی شلوار کی مہریاں اٹھا کر اور سینڈل کنارے پہ چھوڑ کر یاسمین کا ہاتھ پکڑے پکڑے لہروں میں کھڑی رہی۔ یاسمین اور آگے جانے سے ڈر رہی تھی اور فوزیہ نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا جب فوزیہ بہت آگے بڑھ گئی تو لہروں میں اس کے پیر ڈگمگانے لگے —— اسلم جلدی سے وہاں پہنچا اور اس کو سہارا دے کر کنارے لایا۔

فوزیہ بالکل خاموش تھی۔ اور سمندر کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ یاسمین نے اس کی سینڈلیں اٹھائیں اور فوزیہ کا ہاتھ پکڑ کر موٹر تک لائی۔ اسلم اپنی موٹر میں بیٹھ گیا۔ فوزیہ بہت تیزی سے موٹر چلا رہی تھی۔ یاسمین اپنے بالوں کو اپنی آنکھوں پر سے ہٹاتے ہوئے بولی۔

"یہ تم کو کیا ہو گیا ہے آپا ——"

اور فوزیہ بے ساختہ ہنسنے لگی —— ہوٹل میں آ کر وہ کھلی چھت پر آرام کرسی ڈالے بیٹھی رہی۔ یاسمین کو جب اپنی باتوں کا جواب نہیں ملا تو وہ جا کر لیٹ رہی۔ اسلم جب گیارہ بجے آیا تو فوزیہ کو خاموش بیٹھا دیکھ کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔ کہنے لگا۔

"کیا سوچ رہی ہو فوزیہ؟"

فوزیہ نے خاموشی سے اس کی طرف دیکھا اور نظریں ہٹا لیں۔ اسلم نے نہ جانے کس جذبے میں اس کا ایک ہاتھ تھام لیا۔ فوزیہ خاموش رہی۔

اسلم کی ہمت بڑھی۔ اس نے کہا
"فوزیہ ——— بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کو اگر نہ کہا جائے۔ تو انسان پاگل ہو جاتا ہے"
"اگر ایسی ہی کوئی بات ہے تو کہیئے ———"
"مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے فوزیہ ———"
اور فوزیہ اتنے زور سے ہنسی کہ یاسمین کمرے سے باہر آ گئی۔ کہنے لگی۔
"کس بات پر ہنس رہی ہو آپا ———"
"تمہارے بھائی جان کو مجھ سے محبت ہو گئی ہے یاسمین ———"
اور یاسمین کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اسلم کچھ ایسا گھبرایا کہ اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ یاسمین نے وہاں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا۔ فوزیہ بچی نہیں تھی، وہ اپنا برا بھلا خوب سمجھتی تھی۔ اس نے ایسے حالات ہی کیوں پیدا کیے تھے کہ اس کے بھائی جان کو یہ جملہ کہنے کا موقع ملا تھا ——— اگر اس نے ایسے حالات پیدا کیے ہیں، جب طوفان آ ہی گیا ہے تو اس کے سامنے بند باندھنا بیکار ہے ——— طوفان گذر جانے دو ——— وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد فوزیہ نے کہا۔
"آپ نے دیکھا کہ مجھ سے زیادہ آپ کی بہن کو آپ کے اس جملے پر تعجب ہوا ہے ———"
"اس میں تعجب کی کون سی بات ہے فوزیہ ——— کسی سے محبت کا ہو جانا کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ انسان انسان ہی سے محبت کرتا ہے پتھر کے مجسموں سے نہیں ——— مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے اور میں

تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں"

"میری شادی ہو چکی ہے ——"

"میں جانتا ہوں —— لیکن پھر بھی مجھے تم سے محبت ہے اور میں شادی کرنا چاہتا ہوں"

"یہ کیونکر ممکن ہے ——"

"پرویز تمہارے قابل نہیں ہیں ——"

"یہ آپ کیوں کر کہہ سکتے ہیں ——"

"میری آنکھیں ہیں۔ میں دیکھ سکتا ہوں، میری عقل ہے، میں سوچ سکتا ہوں۔ میں اس سے پہلے بھی ایک مہینے تمہارے ساتھ رہا تھا، وہ پتھر کے مجسموں کی طرح ساکت رہتے تھے —— تین مہینے اب گذر چکے ہیں، وہ ایک خیال، ایک ماضی، ایک یاد بن چکے ہیں —— تم میں زندگی ہے۔ تم میں زندہ رہنے کا جذبہ ہے۔ تم میں ایک اچھی بیوی، ایک اچھی ماں بننے کی صلاحیتیں ہیں۔ میں تمہیں ایک بے حس و حرکت، خاموش اور سرد مجسمے سے وابستہ نہیں دیکھ سکتا ——"

"لیکن آپ کو میری طرف سے فیصلہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے"

"میں تمہاری منت کرتا ہوں فوزیہ ——"

"مجھے آپ کی بات نہ ماننے کا افسوس ہے"

"فوزیہ ——"

"جائیے اور مجھے میرے ماضی، میرے پتھر کے مجسمے، میری یادوں کا بنا رہنے دیجئے ——"

اسلم پر جیسے بجلی گر گئی ——— وہ دو قدم فوزیہ کی طرف بڑھا اور پھر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

فوزیہ اپنے کمرے میں آکر اپنے بستر پر لیٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ یاسمین پاس لیٹی رہی۔ اس نے کچھ نہیں کہا۔

دوسرے دن

اسلم دن بھر باہر ہی رہا۔ فوزیہ بھی نیچے نہیں اتری۔ شام کو یاسمین نے کہا

"نیچے چلو آپا، کہیں تفریح کرنے چلیں"

"تم جاؤ یاسمین ——— مجھے میرے حال پر چھوڑ دو ———"

"نہیں، تمہیں اکیلا چھوڑنا مناسب نہیں ہے"

"کیوں، تم کو اب کیا خدشہ ہے، تم نے خود دیکھ لیا کہ میں نے تمہارے بھائی جان کی محبت کو ٹھکرا دیا ہے"

"تم نے ٹھکرایا نہیں آپا، تم نے ان کی محبت کو اور تیز کر دیا ہے"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو ———"

"تم دیکھ لینا ———"

فوزیہ کھو کھلا قہقہہ مار کر ہنسی۔ کہنے لگی

"تم کو کسی سے محبت ہے یاسمین؟"

"مجھے ——— ؟ کسی سے نہیں ——— میں نے وہ حالات ہی پیدا نہیں کیے جو کسی کو مجھ سے محبت جتانے کا موقع ملے۔"

"تم نے کہا تھا کہ تمھیں پرویز سے ———"

"وہ میری نادانی تھی۔ پرویز بھائی میرے نہیں بن سکتے۔"

"اس لیے تم کو ان سے محبت نہیں رہی ———"

"وہ جب تمھارے نہ بن سکے تو میرے کیا بن سکتے ہیں آپا ——— ان کو کوئی شدید صدمہ پہنچا ہے۔ وہ جیسے کھو گئے ہیں۔ انھیں خود سے بھی محبت نہیں رہی ہے ——— تم نے ان کو بھیج کر بہت غلطی کی ہے آپا، تمھیں ان کی روح کو جھنجھوڑ کر بیدار کرنا چاہیئے تھا۔ ان کو اپنے میں جذب کر لینا چاہیئے تھا ——— تم نے یہ تو کیا نہیں، ان کو اتنی دور بھیج دیا۔ وہ اب واپس نہیں آئیں گے آپا، ممکن ہے پاکستان آجائیں۔ کراچی بھی آجائیں۔ اس ہوٹل میں بھی آجائیں۔ اس کمرے میں بھی آکر رہنے لگیں۔ لیکن وہ تمھارے پاس واپس نہیں آئیں گے ———"

"ایسا نہ کہو یاسمین، مجھے ان سے محبت ہے ———"

"تم کو ان سے محبت بھی نہیں ہے آپا ——— میری صاف گوئی کا برا نہ ماننا ——— تمھیں ان سے محبت نہیں ہے۔ تم کو اس شخص سے محبت تھی جو تمھارے اشاروں پر ناچتا تھا، تم نے کہا، ملازمت چھوڑ دو، اس نے ملازمت چھوڑ دی، تم نے کہا ہوٹل کے مالک بن جاؤ، وہ مالک بن گیا، لیکن جب اس نے تم سے یہ چاہا کہ تم اس کی محبوبہ بنو، اس کا تراشا ہوا ہیرا بنو تو تم نے بننے سے انکار کر دیا اور اس شخص نے بھی تمھارے اشاروں پر چلنا چھوڑ دیا۔ اور وہ چلا گیا تاکہ تم کسی اور کو تلاش کر لو ———"

"ایسا نہ کہو یا سمین ——"

"سبھی باتوں کو سننے سے انکار نہ کرو آپا —— اس سے تم کو فیصلہ کرنے میں آسانی ہو گی —— تم نے وہ حالات پیدا کیے کہ بھائی جان تم سے محبت کرنے لگے —— تم پرویز بھائی کے جانے کے بعد بھی یہیں رہیں جہاں بھائی جان سوتے جاگتے تم کو دیکھتے رہے۔ اگر میں تمہاری جگہ ہوتی تو ان کے ساتھ چلی جاتی۔ اگر ساتھ نہ جاتی تو ان کی ماں کے پاس جا کر رہنے لگتی۔ اور دنیا پر واضح کر دیتی کہ پہلے میں کسی کی بیوی ہوں پھر اس ہوٹل کی مالکہ ہوں، پہلے کسی کی بیوی ہوں پھر ایک حسین عورت ہوں ——"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو ——"

"تم بھائی جان سے خود بھی محبت کرنے لگی ہو آپا ——"

"یہ غلط ہے ——"

"اپنے دل سے پوچھو آپا —— میں اسی وقت سمجھ گئی تھی جب تم آ کر اپنے بستر پر لیٹ کر رو رہی تھیں —— تم اپنے ماضی کو دفن کر رہی تھیں تم اپنی گذشتہ محبت پر آنسو بہا رہی تھیں۔ تم نے اس ایک لمحہ سے ایک زندگی ختم کر دی ہے اور دوسری زندگی شروع کر دی ہے —— ممکن ہے ابھی تمہارا دل بھی میری ان باتوں کی گواہی نہ دے۔ لیکن ہوا یہی ہے —— تم اسی لمحہ سے بھائی جان کی بن چکی ہو، جس لمحہ سے وہ کلفٹن میں سمندر کی لہروں سے تم کو سہارا دے کر لائے تھے۔ اور تم فیصلے کی آخری منزل سے گذر رہی تھیں"

فوزیہ خاموش ہو گئی۔ وہ احتجاج کرنا چاہتی تھی۔ لیکن ان باتوں میں سچائی تھی۔ لیکن وہ ضدی لڑکی تھی اس لیے اس نے الفاظ سے اپنی شکست کا

اعتراف نہیں کیا۔

یاسمین کے ساتھ ایک دن سینما دیکھنے ضرور چلی گئی۔

یہ اس کی ضد ہی تھی جو اسلم کی محبت کا اقرار کرنے میں حائل تھی۔ ایک مہینہ اسی ضد میں گذر گیا۔ وہ اس بات پر خوش تھی کہ اسلم نے پھر اپنی محبت کا اظہار نہیں کیا۔ اور ہوٹل کو ترقی میں لگا رہا ہے۔ فوزیہ اس کی ایک ایک جنبش، ایک ایک حرکت پر نظر رکھنے لگی۔ اس نے ہوٹل میں کئی تبدیلیوں کا مشورہ دیا۔ ہال کو ایر کنڈیشنڈ بنانے کی تجویز پیش کی۔ ملحقہ پلاٹ کو بھی حاصل کرنے کی کوشش کی ـــــــ فوزیہ، اس کے پاپا اور اسلم میں گھنٹوں باتیں ہوتیں رہتیں۔ اسلم بڑے خلوص بڑی ملائمت سے پیش آتا ـــــــ فوزیہ اور یاسمین کو لے کر پارٹیوں میں بھی گیا فوزیہ سے اکیلے میں بھی باتیں کیں۔ لیکن ایک بار بھی اس نے اپنی محبت کی طرف اشارہ نہیں کیا۔

ایک دن یاسمین نے کہا

"تم نے دیکھا آپا، بھائی جان کی محبت میں اور اضافہ ہو گیا ہے ـــــــ"

"لیکن پھر انھوں نے ایک بار بھی اپنی محبت کا اظہار نہیں کیا"

"جانتی ہو اس کی کیا وجہ ہے ـــــــ"

"تم محبت کے معاملے میں مجھ سے زیادہ تجربہ رکھتی ہو"

"وہ جانتے ہیں کہ تم بھی ان سے محبت کرنے لگی ہو ——"

"یہ وہ کیسے جانتے ہیں ——"

"جب میں جانتی ہوں تو بھلا وہ نہ جانتے ہوں گے ——"

"تم غلط بھی سمجھ سکتی ہو ——"

اس کے جواب میں یاسمین ہنسنے لگی —— اور فوزیہ باوجود ارادہ کے جھینپ گئی۔

"مجھے کرنا کیا چاہیئے ——"

"اگر تم ان کی طرح عملی دنیا میں رہنا پسند کرتی ہو تو ان سے شادی کر لو ——"

"لیکن میری شادی تو ہو چکی ہے"

"پرویز بھائی سے طلاق لے لو ——"

"یہ مجھ سے ——"

"ہو گا کیسے نہیں —— اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں ہے ——"

"تم تو پاگل ہو ——"

یاسمین پھر ہنسنے لگی —— پھر وہ پرویز کے کمرے میں چلی گئی۔ جس کو اب اس نے اپنا کمرہ بنا لیا تھا۔ اس کے تمام کپڑے صندوقوں میں بند کر دیئے تھے، کتابوں کو بڑی احتیاط سے پیک کر دیا تھا۔ فوزیہ کے پوچھنے پر کہنے لگی۔

"وہ جب آئیں گے تو ان کو اپنا سامان بندھا ہوا تیار ملے گا"

"اور اگر انھوں نے طلاق نہ دی ——"

"تم کہو گی تو دے دیں گے"

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم مجھ سے زیادہ ان کو جانتی ہو ——"

"میں نے تمھاری باتوں ہی سے ان کو سمجھا ہے ——"

"تو میں تمھارے بھائی جان سے اقرار کر لوں"

"اقرار تو تم کر ہی چکی ہو ——"

"میں نے تو کبھی اقرار نہیں کیا ——"

یاسمین کی ہنسی اس کے سوال کا جواب تھی —— فوزیہ سوچنے لگی کہ اب وہ زیادہ دن تک اسلم کو مایوس نہ کرے گی۔ لیکن جس دن اس نے یہ فیصلہ کیا، اسی دن بلائے ناگہانی کی طرح مسعود آگیا۔

وہ نیچے یاسمین کے ساتھ بیٹھی کسی دلچسپ موضوع پر باتیں کر رہی تھی کہ مسعود مسکراتا ہوا اس کے سامنے آیا۔ اور وہ حیرت سے کہنے لگی۔

"آپ تو کہتے تھے . . "

"میں آنے پر مجبور تھا"

"اس وقت آپ جانے پر مجبور تھے ——"

مسعود نے ہنس کر کہا

"مجبوریاں ایک کل تھوڑی بیٹھتی ہیں —— لیکن آپ گھبرائیے نہیں میں زیادہ دن نہیں رہوں گا"

یاسمین بڑے غور سے ان دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔ فوزیہ نے کہا۔

"میری بہن سے ملیے، ان کا نام یاسمین ہے"

"میرا نام مسعود ہے ——— میری حیثیت ایک بنجارے کی سی ہے۔ کبھی یہاں، کبھی وہاں ———"

فوزیہ نے کہا

"مسعود صاحب مجھے بہت پسند کرتے ہیں۔ کہتے ہیں میں ایک خوبصورت تصویر ہوں جس کو دیکھنے کے بعد اور تصویروں کا رنگ پھیکا پڑ جاتا ہے۔ کیوں مسعود صاحب یہی کہتے ہیں نا؟"

"آپ دونوں کیا کھائیں پئیں گی؟"

فوزیہ نے کہا

"یاسمین، بتا دو ——— مسعود صاحب ہمارے ہی ہوٹل میں ہماری ہی خاطر مدارات کرنے کے عادی ہیں ———"

"میں تو آلو کے کچالو کھاؤں گی"

اس پر فوزیہ اور مسعود دونوں کو ہنسی آ گئی ——— مسعود نے جیبیں ٹٹولیں۔ اور معذرت کر کے باہر چلا گیا۔ فوزیہ نے یاسمین سے کہا۔

"جس طرح تم کو ایک زمانے میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ تم پرویز سے محبت کرنے لگی ہو اسی طرح ایک زمانے میں مجھے مسعود صاحب کے بارے میں یہی غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی ———"

"یہ تمہارے امیدوار تو نہیں ہیں؟"

"نہیں ———"

مسعود واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں سگرٹ کا ڈبہ تھا۔ اور اسی وقت اسلم بھی آ گیا۔ فوزیہ نے ان دونوں کا تعارف کرایا۔ یاسمین نے کہا۔

"یہ تعارف ادھورا ہے آپا ———"

"تو تم ہی تعارف کرادو ———"

"مسعود صاحب، اسلم صاحب میرے بھائی جان اور فوزیہ آپا کے ہونے والے شوہر ہیں۔"

اس کے اس جملے پر جتنا مسعود کو تعجب ہوا، اتنا ہی اسلم کو بھی ہوا۔ اور فوزیہ گھبرا گئی

مسعود نے دوبارہ اسلم سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا

"تب تو مجھے آپ سے مل کر اور بھی خوشی ہوئی ہے ———"

اسلم جواب حیران ہونے کے بجائے مسکرانے لگا تھا۔ کہنے لگا۔

"سچ پوچھیے تو اس لمحے سے پہلے مجھے بھی نہیں معلوم تھا۔ میں بھی آپ سے مل کر خوش ہوں کہ آپ کی بدولت میری یہ الجھن تو دور ہوئی ———"

اور اسلم سے بیٹھا نہیں گیا۔ وہ چلا گیا۔ مسعود بھی اتنا گھبرایا تھا کہ وہ بھی چلا گیا۔ فوزیہ نے کہا

"یاسمین، یہ کیا حرکت تھی"

"میں یہ حرکت کرنے پر مجبور تھی آپا مسعود صاحب کے بہلانے میں بھائی جان کے خلفشار کو دور کرنا چاہتی تھی۔"

فوزیہ ہنسنے لگی اور اس کے ساتھ اوپر آگئی۔

دوسرے دن صبح ہی صبح مسعود پھر آ گیا۔ گیارہ بجے جب فوزیہ یاسمین کے ساتھ بازار سے آئی تو مسعود کو دیکھ کر خود ہی اس کی میز

کے پاس چلی گئی۔

"آپ کب سے بیٹھے ہیں۔"

"ابھی آیا تھا"

"آج مجھے خاطر داری کرنے دیجئے ـــــــ"

"میں معذرت کرنے آیا ہوں"

"کس بات کی"

"کل میں اچانک چلا گیا تھا، کہیں آپ کچھ اور نہ سوچیں۔ مجھے آپ کے شوہر سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے ـــــــ"

یاسمین نے کہا

"پھر ملاقات کرا دوں"

"ابھی تو ملاقات ہوئی تھی ـــــــ وہ میرے پاس بہت دیر تک بیٹھے رہے"

فوزیہ نے کہا

"آپ کہہ رہے تھے کہ پھر کہیں جا رہے ہیں؟"

"ڈھاکہ میں میری صحت ٹھیک نہیں رہی تھی مجھے کراچی پھر بھیجا جا رہا تھا لیکن میں نے لاہور میں اپنی تقرری منظور کر لی ہے"

"تو کب تک جانا ہے ـــــــ"

"شاید آج ہی چلا جاؤں، یا کل پرسوں ـــــــ"

"ممکن ہے نہ جائیں ـــــــ"

"نہیں، یہ ممکن نہیں ہے ـــــــ"

"آپ کل یہاں سے کہاں گئے تھے؟"

"میں فیبر ٹیبر ہال چلا گیا تھا ——— اور ہاں، وہاں زہرہ صاحبہ سے میری ملاقات ہوئی تھی ———"

"وہ اکیلی تھی؟"

"نہیں، حمید صاحب بھی تھے۔ حمید صاحب تو نشہ میں اتنے بدمست ہو رہے تھے کہ ان سے سنبھلا بھی نہیں جاتا تھا ——— بڑی مشکل سے میں نے سہارا دے کر وکٹوریہ میں بٹھایا اور زہرہ صاحبہ کے کہنے سے ان کے گھر تک چھوڑ آیا ———"

"وہاں ان کی بیوی سے ملاقات ہوئی تھی"

"ہاں، مجھے تو یقین نہیں آتا تھا کہ وہ ان کی بیوی ہیں ———"

"کیوں ———"

"جس شخص کی بیوی ایسی ہو وہ ———"

اور وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ پھر دھیمی آواز سے کہنے لگا۔

"لیجئے ——— وہ یہاں بھی آ گئیں ———"

فوزیہ نے مڑ کر دیکھا۔ زہرہ مسکراتی ہوئی چلی آ رہی تھی ——— وہ ایک عرصے کے بعد یہاں آئی تھی اس لیے کچھ شرمندہ بھی تھی۔ کچھ جھجک بھی رہی تھی ——— فوزیہ کو اب کوئی گلہ نہ رہا تھا۔ کہنے لگی

"آؤ زہرہ تمہارا ہی ذکر ہو رہا تھا ———"

زہرہ مسکرا کر مسعود کی طرف دیکھنے لگی۔ یاسمین کو نہ جانے کیا بات بری معلوم ہوئی کہ وہ اٹھ کر چلی گئی ——— فوزیہ کچھ دیر تک بیٹھی پھر ان دونوں کو باتیں کرتے چھوڑ کر اوپر چلی گئی ——— اس وقت زہرہ نے اپنے لیے اور مسعود کے لیے کھانا منگوایا تھا۔ اوپر پہنچی تو یاسمین نے

کہا۔

"مسعود صاحب گئے ——"

"نہیں، زہرہ سے باتیں کر رہے ہیں اور اس کے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں۔"

"وہ بیچارے بہت نیک اور سید ھے معلوم ہوتے ہیں۔"

"تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ زہرہ ——"

"زہرہ صاحبہ حمید صاحب سے بھی اکتا گئی ہیں کیا ——"

"مجھے معلوم نہیں —— ہو بھی سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مسعود سے محض دلچسپی لے رہی ہو ——"

"میں انھیں زہرہ سے بچانا چاہتی ہوں"

"کیوں ——"

یاسمین نے کوئی جواب نہیں دیا اور نیچے چلی گئی ——

زہرہ بڑے مزے سے باتیں کر رہی تھی۔ ظالم کی باتوں میں اتنی کشش تھی کہ مسعود دلچسپی نہ رکھتے ہوئے بھی دلچسپی لے رہا تھا۔ پھر بھی یاسمین کے پہنچ جانے سے جیسے اسے ایک اطمینان سا ہوا —— زہرہ کو یاسمین کی کیا پروا تھی —— دراصل اب اسے کسی کی پروا نہیں رہی تھی۔ اس نے مسکرا کر کہا

"آؤ یاسمین —— فوزیہ کو کہاں چھوڑ آئیں ——"

"وہ اوپر ہیں —— میرا دم گھبرا گیا۔ میں نیچے آ گئی ——"

بیرے نے اس کے لیے بھی کچھ لا کر رکھ دیا —— زہرہ مسعود سے باتیں کرتی رہی۔ اور جب بل آیا تو بڑی بے پروائی سے سو روپے کا نوٹ

رکھ کر کہنے لگی

"مجھے اس ہوٹل کی ایک ہی بات پسند ہے۔ کھانا اچھا ہونے کے باوجود بہت سستا ہے۔"

بیرا بقیہ رقم لایا۔ زہرہ نے بیرے کو چار روپے کچھ آنے بخشش اور پانچ دس دس کے نوٹ اٹھا کر مسعود سے کہنے لگی۔

"تو چل رہے ہیں ——"

یاسمین نے کہا

"کہاں لیے جا رہی ہو ——"

"مسعود صاحب کراچی آئے ہیں۔ ہمارے مہمان ہیں۔ اگر ان کی خاطر داری نہ کی گئی تو سمجھیں گے کہ کراچی والوں کے پاس دل نہیں ہے ——"

یاسمین نے ہنس کر کہا

"کراچی ہی میں ایسے لاکھوں افراد ہیں جن کو یہ شکایت ہے کہ جن لوگوں کے پاس پیسہ ہے ان کے پاس دل نہیں ہے"

"تم مہاجرین کی طرف اشارہ کر رہی ہو —— دراصل انہی لوگوں نے کراچی کو گندہ کر رکھا ہے —— ورنہ غیر منقسم ہندوستان میں کراچی سب سے ستھرا شہر تھا۔ یہاں آنے والوں پر حکومت کی طرف سے پابندیاں ہونا چاہئیں —— جس کو دیکھو، کراچی چلا آتا ہے۔ جیسے پاکستان میں صرف کراچی ہی ایک شہر ہے ——"

مسعود بڑی دلچسپی سے اس کی باتیں سنتا رہا۔ پھر کہنے لگا

"اب تو مجھے اجازت ہی دیجئے زہرہ صاحبہ ——"

"شام کو لکژری میں بڑا اچھا ڈانس ہے۔ آیئے گا"

"ضرور آؤں گا"

اور وہ دونوں کو تعظیم پیش کرتا ہوا چلا گیا۔

یاسمین نے کہا

"حمید صاحب نظر نہیں آئے"

"کہیں ہوں گے ——"

"کیوں، ان کی طرف سے اتنا تغافل کیوں برت رہی ہو ——"

زہرہ اسے غور سے دیکھنے لگی۔ پھر قہقہہ مار کر ہنسی اور چلی گئی

شام کو یاسمین فوزیہ کو زبردستی لکژری لے گئی۔ لیکن وہاں زہرہ نظر نہیں آئی۔ اور نہ مسعود ہی آئے۔ دس بجے وہاں سے لوٹی۔ حمید اس کے ہوٹل میں بیٹھے ہوئے اسلم سے باتیں کر رہا تھا۔ فوزیہ نے ماہتاب کی خیریت پوچھی تو پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ زیادہ دیر نہ ٹھہر سکا۔ فوزیہ اوپر گئی۔ یاسمین بہت دیر تک نیچے ہی رہی۔ پھر اوپر آئی اور پانچ چھ منٹ تک ٹہلتی رہی۔ پھر کہنے لگی۔

"آخر وہ دونوں گئے کہاں ہیں ——"

"تم کو ان کی اتنی کیوں فکر ہے ——"

"آپا، تم اتنی بے حس کیوں ہو گئی ہو ——"

"مسعود بچے نہیں ہیں۔ انھیں زہرہ کے متعلق سب کچھ معلوم ہے"

یاسمین خاموش ہو گئی اور پھر جیسے اپنے آپ ہی سے روٹھ کر کمرے میں جا لیٹی —— فوزیہ بھی کچھ بے قرار تھی۔ کل رات جب سے

یاسمین نے اسلم سے اس کی طرف سے حامی بھر دی تھی۔ اس کو سکون ملنے کے بجائے ایک الجھن سی پیدا ہو گئی تھی۔ اسی لیے کل رات جب اسلم کے آنے کا وقت ہوا تو وہ سونے کے لیے لیٹ گئی۔ وہ دن بھر کسی نہ کسی عنوان سے یہی سوچتی رہی تھی کہ کیا اس کا یہ اقدام صحیح ہو گا۔

پرویز کی طرف سے اُسے کوئی امید نہیں تھی۔ اس شخص کو اگر اس کا بننا ہوتا تو کب کا بن چکا ہوتا۔

وہ اسی خیال میں غرق تھی کہ اسلم نے کہا

"کیا سوچ رہی ہو فوزیہ ——"

وہ اسلم کی آواز سے چونک پڑی۔ ایک گہری سانس لے کر کہنے لگی۔

"کچھ نہیں —— آپ کب آئے ——"

"ابھی تو آکر بیٹھا ہوں ——"

"میں سمجھی بہت دیر سے آئے ہوئے ہیں ——"

"میں بہت خوش ہوں فوزیہ کہ تم نے میرے حق میں فیصلہ کیا ہے۔"

فوزیہ نے کچھ نہیں کہا۔ اور اپنے نام کے حروف جلتے بجھتے دیکھتی رہی پھر کہنے لگی۔

"میں وعدہ نہیں کرتی کہ میں ایک اچھی بیوی بن سکوں گی"

"مجھے یقین ہے۔"

"ابھی تو مجھے طلاق حاصل کرنا ہے ——"

"ان کا پتہ بھی ہے کوئی ؟"

"معلوم ہو جائے گا"

"تم چاہنا تو ان کو ایک ایسی رقم دے دینا کہ وہ اپنا چھوٹا موٹا کاروبار کر سکیں ——"

"اگر آپ ان کو پورا ہوٹل بھی دے دیں تب بھی وہ نہیں لیں گے"

"تم انھیں اتنا اچھی طرح سمجھتی ہو ——"

"میں نے ان سے شادی کی تھی، ان کے ساتھ ایک عرصے تک رہی ہوں انھیں روپے کی ضرورت ہوتی تو وہ مجھے کیوں ٹھکراتے ——"

اسلم تھوڑی دیر خاموش رہا۔ پھر کہنے لگا

"تم چاہو تو اب بھی شادی کرنے سے انکار کر سکتی ہو ——"

فوزیہ بڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اسلم نے کہا

"تمھاری باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تم اب بھی ان کو چاہتی ہو ——"

ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہنے لگی۔

"نہیں، وہ مجھ سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اور آپ میری زنجیروں میں گرفتار ہونا چاہتے ہیں۔ انھیں نجات حاصل کر لینے دیجئے۔"

"ان کا آخری خط کب آیا تھا؟"

"ایک مہینہ ہو چکا ہے۔"

"کب تک آنے کا امکان ہے ——"

"معلوم نہیں ——"

"تم ان کو لکھو گی تو وہ وہیں سے طلاق نامہ بھیج دیں گے ——"

"ہاں ——"

"تو میں ان کا پتہ لگواتا ہوں ——"

اور اسلم نے اس کے ہاتھ کی انگلیوں کو اپنے ہونٹوں سے لگالیا۔ اور فوزیہ اپنے کمرے میں چلی آئی۔

یہ تیسرے دن کی بات ہے۔ شام کا وقت تھا
فوزیہ پرویز کے آئے ہوئے خط کو پڑھ رہی تھی کہ نیچے سے بیرے نے آکر کہا

"آپ کا فون آیا ہے"

"کون ہے ——"

"کوئی صاحبہ ہیں ——"

وہ یہ سوچتی ہوئی نیچے گئی کہ زہرہ کو ایسی کیا ضرورت پڑی تھی کہ اسے اوپر سے بلوایا تھا۔ ریسیور کانوں سے لگایا تو ایک عورت کی گھبرائی ہوئی آواز نے کہا۔

"کیا آپ ہی فوزیہ ہیں"

"آپ کون ہیں —— میں فوزیہ ہی بول رہی ہوں"

"کیا وہاں حمید صاحب ہیں"

"نہیں تو ——"

"میں سول ہسپتال سے بول رہی ہوں —— ایک حادثہ ہوگیا ہے حمید صاحب کی سخت ضرورت ہے۔ ان کے دونوں بچے —— شدید زخمی

ہو گئے ہیں۔ ان کی بیوی کے بھی شدید چوٹ آئی ہے ——"

"حمید صاحب تو نہیں ہیں۔ میں آتی ہوں ——"

وہ جلدی سے کپڑے بدل کر اور یاسمین کو ساتھ لے کر سول ہسپتال پہنچی۔ اس درمیان میں دونوں بچے تو دم توڑ چکے تھے۔ ماہتاب بیہوش تھی اور اُسے آکسیجن دی جا رہی تھی —— معلوم ہوا کہ موٹر رکشا ایک بس سے ٹکرا گیا۔ رکشا والا تو صاف بچ گیا۔ رکشا چکنا چور ہو گیا۔ ماہتاب کی داہنی ٹانگ میں بہت بڑا زخم آیا تھا۔ دونوں بچے چونکہ بس کے نیچے آ گئے تھے اس لیے ان کی ہسپتال آتے آتے ہی حالت غیر ہو چکی تھی۔ ماہتاب کو اس وقت تک ہوش تھا۔ اس نے نرس کو فوزیہ کا فون نمبر دیا تھا اور حمید صاحب کا نام بتایا تھا۔

فوزیہ بہت پریشان ہوئی۔ حمید صاحب کو اطلاع دینا ضروری تھی۔ وہ یاسمین کو ساتھ لے کر پہلے پرویز کے گھر آئی۔ اس کی امی کو اطلاع کی اور جب وہ ہسپتال جانے کے لیے تیار ہو گئیں تو ان کو ہسپتال چھوڑتی ہوئی حمید کی تلاش میں نکلی۔ کہیں نو بجے حمید زہرہ کے ساتھ نظر آئے۔ دونوں شراب پئے ہوئے تھے۔ حمید کی حالت تو غیر ہو رہی تھی۔ اس نے ان سے حادثے کی اطلاع کی۔ کچھ دیر تک تو وہ سمجھے ہی نہیں۔ پھر جب اس نے ان کے دونوں بچوں کے انتقال کی خبر سنائی تو ان کا سارا نشہ ہرن ہو گیا۔ زہرہ کو چھوڑ کر وہ ہسپتال آئے —— بچوں کو دیکھا۔ بہت روئے۔ ماہتاب کے پیر کا اپریشن کیا گیا تھا۔ اس لیے اس وقت اس سے ملنے کی اجازت نہیں ملی —— بچوں کی لاشیں بھی نہیں ملیں۔ صبح تک انتظار کرنے کو کہا گیا ——

ایک بجے فوزیہ یاسمین کے ساتھ واپس آئی ——— وہ اتنا تھک گئی تھی کہ اس پر ایک غشی سی طاری ہوگئی ——— صبح سات بجے پھر ہسپتال گئی۔ حمید صاحب تو بچوں کی لاشوں کو گھر لے گئے۔ وہ ماہتاب کے پاس گئی ——— جس کو رات کے دو بجے ہوش آیا تھا۔ خون اتنا بہا تھا کہ بالکل زرد پڑ گئی تھی۔ اس سے بچوں کی موت کو چھپایا گیا تھا ——— فوزیہ کتنی دیر بیٹھی رہی۔ ماہتاب بچوں ہی کی باتیں کرتی رہی۔ فوزیہ اس کے لیے اسپیشل وارڈ کا انتظام کر کے واپس گھر آگئی۔ وہ حمید صاحب کے گھر نہیں گئی۔ شام کو دوبارہ ہسپتال گئی۔ پرویز کی امی موجود تھیں۔ ماہتاب کی مومانی اور دوسرے عزیز موجود تھے لیکن حمید نہیں تھے۔ معلوم ہوا کہ وہ قبرستان ہی سے کہیں چلے گئے تھے۔ ماہتاب کو بچوں کی موت کی اطلاع مل چکی تھی اور اس وقت سے جو اسے چپ لگی تھی تو اتنی شدید تکلیف میں بھی اس کے منہ سے ایک لفظ نہیں نکلا۔

ایک ہفتے تک فوزیہ برابر ہسپتال جاتی رہی۔ اس دوران میں حمید دو ایک بار ہی ماہتاب کے پاس گئے۔ وہ بھی زیادہ دیر نہیں ٹھہرے۔ کچھ روپے دے دلا کر آگئے اور پھر انھوں نے کوئی خبر نہیں لی۔ معلوم ہوتا تھا کہ بچوں کی بدولت ماہتاب سے جو تعلق باقی تھا۔ وہ بھی ختم ہو گیا تھا بچوں کے غم کو شراب سے دور کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ ماہتاب نے بھی حمید کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا اور چونکہ وہ فوزیہ سے پرویز کی محبت کا اعتراف کر چکی تھی۔ اس لیے پرویز کے متعلق پوچھنے کا سوال ہی نہیں تھا۔

ایک دن فوزیہ نے خود ہی کہا۔

"تم کو تو معلوم ہو گا کہ پرویز مجھے چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔"
بہت آہستہ سے گردن ہلانے لگی۔
"لیکن تم نے یہ نہیں سنا ہو گا کہ میں ان سے طلاق لینے والی ہوں"
ماہتاب اپنی حیرانی نہ چھپا سکی۔
"کیوں؟"
"میں نے ان کو اپنے رنگ میں رنگنا چاہا لیکن وہ بہت ضدی نکلے۔ میں کہاں تک اپنا خون پانی ایک کروں۔ اس لیے میں نے علیحدہ ہو جانے کا ارادہ کر لیا ہے ——"
"نہیں، نہیں ایسا نہ کرنا"
"تو کیا اپنی غلطی کو عمر بھر نبھائے جاؤں —— مجھ میں تمہارے ایسا صبر و تحمل نہیں ہے —— میں نے انہیں خواہ مخواہ ہی تم سے چھین لیا اگر ان کی شادی تم سے ہو گئی ہوتی تو جو کچھ ہوا ہے۔ وہ کچھ بھی نہ ہوتا —— میں نے پرویز صاحب سے شادی کر کے غلطی کی، تم نے حمید صاحب کا ساتھ دے کر غلطی کی۔
ماہتاب کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن کہہ نہ سکی۔ فوزیہ نے کہا
"حمید صاحب کے متعلق تو تم کو سب کچھ معلوم ہو گا۔"
وہ گردن کی جنبش سے اقرار کرنے لگی۔
"جیسے حمید صاحب ویسی زہرہ بھی ہے۔"
"کیا وہ زہرہ سے شادی کرنا چاہتے ہیں؟"
"ہاں، دونوں کو سیٹھ ابراہیم کے مرنے کا انتظار ہے —— تم غالباً حمید پر اتنا اختیار نہیں رکھتیں کہ وہ زہرہ سے شادی نہ کریں ——"

"نہیں، میرا ان پر کوئی اختیار نہیں ہے ــــــــ"

"پھر تم انھیں شادی کر لینے دینا ــــــــ خود تمھارے متعلق میں نے ایک فیصلہ کیا ہے ــــــــ"

لیکن ماہتاب نے اس کا یہ جملہ نہیں سنا۔ وہ جانے کیا سوچنے لگی تھی پھر چونک کر کہنے لگی۔

"نہیں، وہ زہرہ سے شادی نہیں کر سکیں گے"

"تم ان کو روک سکو گی!"

"مجھے زہرہ سے ملا دو ــــــــ"

"زہرہ سے ملنا بے کار ہے، اگر اس میں ذرا بھی احساس ہوتا تو کم از کم وہ پرویز پر ــــــــ"

اور وہ آگے کہتے کہتے رک گئی ــــــــ اسے ایک دم سے احساس ہوا تھا کہ اسے ماہتاب سے ان دونوں کے متعلق نہیں بتانا چاہیئے تھا ــــــــ ماہتاب نے کہا

"تم کچھ پرویز صاحب کے متعلق کہہ رہی تھیں!"

"زہرہ نے پرویز کو بھی حاصل کرنے کی کوشش کی تھی"

ماہتاب اور حیران رہ گئی ــــــــ کہنے لگی

"تم نے برداشت کیسے کیا؟"

"جیسے تم حمید صاحب کے متعلق سب کچھ جانتے ہوئے بھی ان کی بنی رہی ہو ــــــــ"

ماہتاب نے بات کاٹ کر کہا

"لیکن حمید صاحب اور پرویز صاحب میں ایک فرق ہے ــــــــ"

فوزیہ اب اس موضوع سے تنگ آگئی تھی۔ کہنے لگی۔

"بہرحال تم حمید صاحب کو شادی کر لینے دینا"

ماہتاب پرویز کے متعلق سوچنے میں غرق تھی۔ کہنے لگی

"کیا تم کو پرویز صاحب سے محبت نہیں رہی ——"

"میں خالی خولی محبت کو لے کر کیا کروں گی —— بہرحال جو فیصلہ میں کر چکی ہوں۔ ممکن ہے وہ فیصلہ غلط ہو۔ لیکن میں اپنا فیصلہ بدلوں گی نہیں۔ پرویز آئیں گے تو میں ان کو تمہارے پاس پہنچا دوں گی —— اور ہمیشہ کے لیے ان کو بھول جاؤں گی۔"

۱۳

اندھیرا

دو ہفتے کے بعد ماہتاب اپنے گھر چلی گئی ——— اس عرصہ میں فوزیہ کو پرویز کا پتہ بھی مل گیا۔ اور اس نے ایک مختصر سے خط میں اس سے طلاق حاصل کرنے کی خواہش بھی کر دی۔ یہ خط بھی چلا گیا۔ دو تین دن میں اس کے جواب آنے کی توقع تھی کہ ایک اور ہنگامہ پیش آیا۔ حمید کو پولیس نے گرفتار کر لیا۔ اس وقت وہ اس کے ہوٹل میں بیٹھا تھا، اور دو ڈھائی

گھنٹے میں زہرہ کو کئی بار فون کر چکا تھا کہ ایک انسپکٹر کے ساتھ دو سپاہی آئے اور اسے سیٹھ ابراہیم کو زہر دینے کے الزام میں گرفتار کر لے گئے ——
فوزیہ کو ایک گھنٹے کے بعد معلوم ہوا کہ جس وقت وہ یہاں آیا تھا اس کے آدھے گھنٹے کے بعد سیٹھ ابراہیم چل بسے تھے۔ اور جو ڈاکٹر صبح شام ان کو دیکھنے آیا کرتا تھا، وہ ابھی وقت آیا تھا، اسے معلوم ہوا کہ زہرہ کے ساتھ جو صاحب آیا جایا کرتے تھے۔ وہ اپنے ہاتھ سے کوئی دوا پلا گئے تھے۔ ڈاکٹر نے فوراً ہی پولیس کو فون کیا۔ زہرہ ایسی ڈری کہ اس نے حمید کے آنے اور سیٹھ ابراہیم کو ایک دوا پلانے کا اقرار کر لیا تھا، لیکن اس سے صاف مکر گئی تھی کہ اُسے یہ علم تھا کہ حمید زہر دے رہے ہیں —— حمید کی گرفتاری کا وارنٹ جاری ہو گیا۔ اسی وقت اتفاق سے حمید نے زہرہ کو فون کیا۔ اس طرح پولیس کو معلوم ہو گیا کہ وہ فوزیہ ہوٹل میں موجود ہے۔ فوراً ایک انسپکٹر اور دو سپاہی پہنچے۔ حمید نے لاکھ بہانے کیے۔ گھبراہٹ میں یہ تک کہہ دیا کہ وہ صبح سے زہرہ کے گھر گیا ہی نہیں تھا۔ یہیں ہوٹل میں اس کا بیان قلم بند کیا گیا۔ اور پھر چوکی لے جایا گیا۔ ادھر لاش کو پوسٹ مارٹم کرنے کے لیے بھیج دیا گیا۔ اور حمید کی نقل و حرکت کی تفتیش شروع ہو گئی۔ ادھر زہرہ حمید کے آنے اور دوا کے نام سے زہر پلانے کا اقرار کر چکی تھی۔ سیٹھ ابراہیم کے ملازم نے حمید کے لیے خود دروازہ کھولا تھا —— دوسرے دن پوسٹ مارٹم کی رپورٹ آگئی۔ اور حمید کو عدالت کے سامنے پیش کر دیا گیا جہاں سے ایک ہفتہ کے ریمانڈ پر پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔

اور یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ فوزیہ کو دو دن تک ماہتاب کے پاس جانے کا خیال نہیں آیا —— تیسرے دن جب اخبار میں اس قتل کی

بڑی بڑی سرخیوں میں تفصیلی خبر شایع ہوئی اور اس میں اس ہوٹل کا بھی ذکر آیا تو فوزیہ کو ماہتاب کا خیال آیا ـــــــ وہ اس کے گھر گئی۔ وہ دن سے اس کا رو تے روتے برا حال ہو گیا تھا۔ فوزیہ کے گلے لگ کر خوب روئی کہنے لگی۔

"تم حمید کو بچا لو فوزیہ ـــــــ خدا کے لیے بچا لو ـــــــ"

"پاگل ہوئی ہو ـــــــ میں کیسے بچا سکتی ہوں ـــــــ اور تم کیوں روتی ہو ـــــــ انھوں نے تم کو کون سے چین دیئے تھے جو تم ان کی گرفتاری پر زار و قطار رو رہی ہو ـــــــ"

"میں ان سے خود انتقام لیتی فوزیہ ـــــــ انھوں نے میری زندگی برباد کی ہے۔ میں ان کی زندگی اپنے ہاتھوں برباد کرتی ـــــــ لیکن میں اس طرح نہیں چاہتی ـــــــ"

"یہ تمہاری ہی آہیں ہیں جنھوں نے حمید کو اپنی آگ میں جلا دیا ہے ـــــــ"

"نہیں، نہیں، میں ایسا نہیں چاہتی ـــــــ"

"ذرا ہوش میں آؤ ماہتاب ـــــــ میں کیا کر سکتی ہوں، تم بھی کیا کر سکتی ہو ـــــــ انھوں نے بیان ہی ایسا دیا تھا جس کی تردید فوراً ہو گئی ـــــــ زہرہ نے خود اقرار کر لیا ہے کہ وہ اس صبح آئے تھے اور اس نے اپنی آنکھوں سے ان کو پھر بلاتے دیکھا ہے ـــــــ"

"زہرہ کو تو ان سے محبت تھی ماہتاب ـــــــ"

"زہرہ کو ویسی محبت نہیں تھی کہ وہ الزام اپنے سر اوڑھ لیتی ـــــــ ظاہر ہے کہ پھر تو اس پر شبہ ہوتا"

"پولیس کو اس پر شبہ نہیں ہے ——"

"وہ تو یہ کہتی ہے کہ اسے ذرا بھی خبر نہیں تھی کہ حمید صاحب اسے کیا پلا رہے ہیں۔ وہ تو یہ سمجھتی تھی کہ وہ کوئی دوا لائے ہیں —— سیٹھ ابراہیم نے دو ایک روز پہلے حمید سے ایک دوا کی فرمائش بھی کی تھی۔"

"مجھے تو زہرہ کے بیان پر یقین نہیں آتا۔"

"یقین تو مجھے بھی نہیں ہے۔ لیکن قانونی زد سے بچنے کے لیے اس کا یہ بیان کافی ہے —— اب جب مقدمہ چلے گا تو وکیل صفائی اس کے بیان پر جرح کرے گا، پھر کچھ راز فاش ہو تو ہو، ورنہ بظاہر تو وہ صاف بچ گئی ——"

"میرے پاس اتنا پیسہ کہاں ہے کہ میں کوئی اچھا وکیل کروں ——"

"تم روپے کی پرواہ نہ کرو —— لیکن یہ بتاؤ کہ تم حمید کو بچانا کیوں چاہتی ہو ——"

"وہ صرف میرے گناہگار ہیں۔ میں خود ان کو سزا دینا چاہتی ہوں ——"

"اپنا یہ پاگل پن رہنے دو —— ویسے میں ان کی صفائی کے لیے بڑے سے بڑا بیرسٹر مہیا کر دوں گی —— لیکن تم کہیں ایسی حماقت نہ کر بیٹھنا کہ میرے منصوبوں پر پانی پھر جائے۔"

ماہتاب کو حمید کے بچانے کی اتنی دھن تھی کہ اس نے یہ نہیں پوچھا کہ اس کے کیا منصوبے ہیں اور اس کے منصوبوں سے اس کا کیا تعلق ہے۔ وہ اسے تسلی دے کر چلی آئی۔

چوتھے دن پرویز کا ایک رجسٹری خط ملا۔ جس میں طلاق نامہ تھا اور ساتھ ہی

ایک مختصر خط تھا جس میں اس کے اس دانشمندانہ اقدام پر مبارکباد دی گئی تھی۔ اور لکھا تھا کہ اگر اس کا خط نہ ملتا تو شاید وہ دو ایک ہفتہ میں واپس آجاتا۔ لیکن اب تین مہینے ویزا بڑھانے کی کوشش کرے گا اور کچھ نہیں لکھا تھا۔ خط کے نیچے ایک سطر میں یہ بھی لکھا تھا کہ یہاں ان کو اپنے عزیزوں سے کچھ روپیہ مل گیا تھا۔ وہ دو ہزار روپیہ جو اس نے لیا تھا۔ واپس کر رہا ہے۔

فوزیہ نے وہ طلاق نامہ اسلم کے سامنے رکھ دیا

اسلم خوشی سے اچھل پڑا ـــــ کہنے لگا

"پرویز تو واقعی فرشتہ نکلے ـــــ میں ڈرتا تھا کہ وہ ایک کثیر رقم مانگیں گے۔"

"اب تو ان کی طرف سے ایسے بڑے خیالات نکال دیجئے"

"وہ ہیں کہاں ـــــ؟"

"بمبئی میں ہیں۔ تین مہینے اور رہیں گے۔"

"اگر ان کو روپے کی ضرورت ہو ـــــ"

"انھوں نے وہ روپیہ بھی واپس کر دیا ہے جو انھوں نے بمبئی سے لیا تھا"

"پھر اب ـــــ"

"اماں کہتی تھیں کہ طلاق کے تین مہینے بعد تک شادی نہیں ہو سکتی۔"

"ان حالات میں ہو سکتی ہے ـــــ میں کسی سے پوچھوں گا"

"تو جلدی کیا ہے ـــــ"

"جب شادی ہونا ہی ہے تو دیر کیوں کی جائے ـــــ پہلے تم

کسی اور کی تھیں۔ اب میری ہو ـــــ میری ہو کر مجھ سے دور رہو۔"

فوزیہ جھینپ گئی ـــــ اسلم کہیں چلا گیا ـــــ اس وقت یاسمین موجود نہیں تھی۔ جب وہ واپس آئی اور فوزیہ نے اسے طلاق نامہ کے متعلق بتایا تو یاسمین یہ خط لے کر پڑھنے لگی۔ پھر پوچھنے لگی۔

"تم نے جواب بھی دیا ـــــ"

"جواب کیا دوں ـــــ"

"اچھا میں خط لکھوں گی ـــــ"

"میں نے اس سے پہلے بھی دو ایک بار بڑی سنجیدگی سے سوچا ہے کہ یاسمین تم کو پرویز صاحب سے کس حد تک محبت تھی اور ہے ـــــ"

"اگر تم مجھ سے پوچھو آپا تو میں بتا نہ پاؤں گی۔"

"کہیں ایسا تو نہیں ہے ـــــ"

یاسمین اس کے گلے لگ گئی۔ کہنے لگی

"نہیں، نہیں، لیکن اب اور بات ہے ـــــ مجھے خود معلوم نہیں کہ آئندہ میں ان سے کس قسم کی محبت کروں گی ـــــ اس وقت تو وہ مجھے فرشتہ کی شکل میں نظر آرہے ہیں اور دنیا کی کوئی عورت فرشتہ سے انسانی محبت کرنا نہیں چاہتی ـــــ"

یاسمین پرویز کا خط لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی ـــــ فوزیہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ اس کی زندگی کا ایک اہم باب ختم ہو گیا تھا۔ اور وہ نہیں جانتی تھی کہ اسلم سے شادی کے بعد اس کی کیا زندگی ہو گی۔

دوسرے دن وہ ماہتاب کے پاس گئی۔ اسے جمیلہ کے بچانے کی ایسی دھن سوار تھی کہ جب اس نے طلاق نامہ کا تذکرہ کیا تو اس نے محض سن

لیا۔ پھر کہنے لگی

"میں آج حمید سے ملنے گئی تھی۔ ان کو مقدمے کے فیصلہ تک جیل میں بھیج دیا گیا ہے ——— بہت رو رہے تھے۔ کہتے تھے کہ زہرہ نے ان سے وہ زہر منگوایا تھا کیونکہ سیٹھ ابراہیم کچھ دن سے اچھے ہونے لگے تھے۔ اور اسے یہ خدشہ تھا کہ کہیں وہ بالکل تندرست نہ ہو جائیں اور بہت عرصے تک زندہ نہ رہیں۔ وہ ان کے روپے سے پچاس ہزار سے زیادہ خرچ کر چکی تھی"

"اگر کوئی ثبوت موجود ہے تو زہرہ بھی پھنسے گی"

"کیا یہ ثبوت کافی نہیں ہے کہ زہرہ ان سے شادی کرنا چاہتی تھی"

"ہو سکتا ہے لیکن زہرہ اس سے انکار بھی کر سکتی ہے ———"

"تم گواہی تو دے سکتی ہو ———"

"میں ہی کیا، اور لوگ بھی گواہی دیں گے لیکن ہماری گواہی کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ حمید صاحب نے جان بوجھ کر انھیں زہر دیا تھا، وہ اس الزام سے تو بری نہیں ہو سکتے یہ اور بات ہے کہ زہرہ پر بھی شریکِ جرم ہونے کا مقدمہ چلے ———"

"اس سے ان کی سزا میں تو کمی ہو جائے گی"

"تم مقدمہ تو شروع ہونے دو ———"

"تم نے کہا تھا کہ ان کی صفائی کے لیے بہت اچھا بیرسٹر کرو گی"

"ہاں ——— وقت آنے دو ———"

"اب مقدمہ شروع ہونے والا ہے ———"

"میں بیرسٹر کا انتظام کر دوں گی ——— لیکن میں تو تمہارے پاس کسی اور

ہی کام سے آئی تھی"

"تمہیں مجھ سے کیا کام ہو سکتا ہے——"

"تم نے شاید توجہ نہیں دی - میں نے کہا تھا کہ پرویز صاحب نے مجھے طلاق نامہ بھیج دیا ہے اور میں جلد ہی اسلم سے شادی کرنے والی ہوں——"

"تم خوش ہو؟"

"میں کہہ نہیں سکتی - بہرحال زندگی میں اتنی اہم تبدیلی سے ڈری ہوئی ہوں——"

ماہتاب کچھ دیر تک کچھ سوچتی رہی - پھر کہنے لگی

"وہ کب آئیں گے؟"

"وہ تین مہینے تک اور رک گئے ہیں——"

"وہ آئیں گے بھی"

"ہندوستان میں ہمیشہ تو رہ نہیں سکتے——"

"وہ کراچی کے علاوہ بھی کہیں رہ سکتے ہیں——"

"یہ تم کیوں پوچھ رہی ہو——؟"

"یونہی——ایک خیال آگیا تھا——"

"کیا؟"

"تم نے ان سے طلاق لے لی ہے——جب تم نے ان سے شادی کی تھی تو میں خوش ہوئی تھی - اب——"

"اسی لیے تو تمہارے پاس آئی ہوں——تم حمید صاحب کو چھوڑ دو——"

ماہتاب باوجود انتہائی غموں کے ہنسنے لگی۔ لیکن اس کی ہنسی کے پیچھے چھپے ہوئے آنسو فوزیہ سے چھپ نہ سکے۔ کہنے لگی۔

"جب وہ تم کو چھوڑنے پر تیار ہو گئے تو مجھے اپنا لینے پر کب تیار ہوں گے ـــــــ انھوں نے تمھاری دولت کی پروا نہیں کی۔ تمھارے حسن کی پروانہ کی، تمھاری محبت کی پروانہ کی تو اب میرے پاس کیا ہے۔ میں اس وقت ان کو محبت نہ دے سکی جب وہ تڑپتے تھے تو اب کیا دے سکوں گی۔ جب کہ میرا دل بجھ گیا ہے۔ میں ایک قاتل کی بیوی ہوں۔"

"ایسا نہ کہو ماہتاب ـــــــ ان سے طلاق لینے میں جہاں اور باتیں تھیں۔ وہاں مجھے تم دونوں کی شادی کرانے کا خیال بھی تھا ـــــــ یہ تو محض اتفاق ہے کہ حمید صاحب نے زہرہ سے شادی نہ کی، اس کے شوہر کو زہر دے کر مار دیا۔ اس صورت میں وہ خود ہی تم کو چھوڑ دیتے، اور اگر جرم ثابت ہو گیا تو ـــــــ"

"ایسا نہ کہو ـــــــ"

"بہر حال تم کو میرا کہنا ماننا پڑے گا۔"

"تم اس وقت مجھ سے ساحل کے بارے میں پوچھ رہی ہو جب کہ میں بھنور میں پھنسی ہوئی ہوں۔"

"تم کم از کم میرا دل رکھنے کے لیے ہی وعدہ کر لو ـــــــ"

"اگر اس سے تم کو سکون ملے تو لو، میں وعدہ کیے لیتی ہوں۔ لیکن میں جانتی ہوں کہ اب میرے پاس دل نہیں ہے۔ وہ امنگ نہیں ہے وہ جذبہ نہیں ہے ـــــــ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ ہم دونوں مل کر ان کے لیے کسی ایسی لڑکی کو تلاش کریں۔ جو شکست نہ کھائے ہوئے ہو

—— جو اپنی محبت کی توانائی سے انھیں سنبھال لے —— وہ بھی شکست کھائے ہوئے ہیں۔ اگر میں ان سے شادی کر لوں گی تو ان کو سہارا کیا دے پاؤں گی۔ یہ پشیمانی میرا ساتھ کب چھوڑے گی کہ میں نے ان کی محبت کو ٹھکرا دیا تھا ——"

فوزیہ اس کی باتوں کو سنتی رہی۔ لیکن اس نے اس کی ہاں میں ہاں نہیں ملائی —— وہ اس کا وعدہ لے کر ایسا محسوس کر رہی تھی جیسے اس نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔ امانت واپس کر دی ہے۔ پرویز کو اسی آغوش کے سپرد کر دیا ہے جس کی جدائی نے پرویز کو کیا سے کیا بنا دیا تھا۔

اسلم شادی کی تیاریاں کر رہا تھا، نئے بنے ہوئے کمروں میں دوبارہ رنگ ہو رہا تھا —— پردے بدلے جا رہے تھے۔ فرنیچر خریدا جا رہا تھا، کپڑے سل رہے تھے۔ فوزیہ اپنی ماں کے پاس رہنے لگی تھی ایک تو اسے اسلم سے فطری شرم سی آنے لگی تھی دوسرے اس کی ماں بھی چاہتی تھیں کہ شادی کے بعد وہ جب ان کمروں میں جا کر رہے تو اسے ایک دوسرے گھر کا احساس ہو —— فوزیہ نے تقریباً ہوٹل میں آنا بند کر دیا تھا۔ وہ ماہتاب کے پاس زیادہ وقت گذارتی تھی جو حمید کے گھر سے اپنے ماموں کے گھر چلی گئی تھی اور بڑی بے چین رہتی تھی فوزیہ اس سے پرویز کی باتیں کرتی تھی اور وہ روز بروز اس بات پر زور دیتی

جاتی تھی کہ پرویز کی شادی کسی اور لڑکی سے ہونا چاہیئے۔ فوزیہ مخالفت کرتی تھی۔ کہتی تھی کہ اگر پرویز اسے حاصل نہ کر سکا تو وہ خود اپنی نئی زندگی میں خوش نہ رہے گی —— وہ اسے لیے لیے گھومتی رہتی تھی۔ ماہتاب حمید سے ملنے کئی بار جا چکی تھی۔ نہ جانے وہ اس شخص کو کیوں بچانا چاہتی تھی جو اس کی تباہی کا موجب تھا۔ اس پر قتل کا مقدمہ شروع ہونے والا تھا۔ فوزیہ نے شہر کے سب سے بڑے بیرسٹر کو اس کی صفائی کے لیے منتخب کر لیا تھا۔ حالانکہ حمید کے بری ہونے کی عشر عشیر بھی توقع نہیں تھی۔

ایک دن وہ ماہتاب کے ساتھ ایک ورائٹی شو میں گئی۔ وہاں زہرہ نظر آ گئی۔ خوب سرخ و سفید ہو رہی تھی۔ اس کو نہ اپنے بیوہ ہونے کا صدمہ تھا اور نہ حمید کی گرفتاری کا کوئی غم تھا۔ اس کے شوہر کا قتل کیا ہوا تھا کہ اس کی شہرت میں چار چاند لگ گئے تھے۔ وہ چٹخارے لے لیکر اپنے شوہر کے قتل کا واقعہ بیان کرتی۔ جہاں جاتی تھی سیٹھ ابراہیم کے قتل کے چرچے چھڑ جاتے تھے

فوزیہ کو دیکھ کر مسکراتی ہوئی اس کی طرف آئی۔ کہنے لگی

مائی ڈیر فوزیہ —— میں تمہیں مبارکباد دینے آنے والی تھی"

پھر جب اس کی نظریں ماہتاب پر پڑیں تو ایک لمحہ کے لیے آنکھوں کا رنگ بدل گیا۔ جیسے وہ اسے پہچاننے کی کوشش کرنے لگی۔ فوزیہ نے کہا۔

"تم کو شاید پہچاننے میں دشواری ہو رہی ہے زہرہ —— یہ مسز حمید ہیں ——"

"کیا واقعی، مائی ڈیر مسز حمید، مجھے بہت افسوس ہے ——"

ماہتاب خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔ زہرہ زیادہ دیر وہاں ٹھہری نہیں۔ نوجوان لڑکیوں کی ایک ٹولی میں چلی گئی۔ جو اس سے اس کے بیوہ ہونے کے واقعات پوچھ رہی تھیں۔

ماہتاب نے کہا

"زہرہ پر تو کوئی اثر نہیں ہے ——"

"اس پر اثر کیوں ہونے لگا —— چار پانچ لاکھ روپے اس کے پاس ہیں۔"

"اُسے حمید صاحب کی گرفتاری کا بھی کوئی صدمہ نہیں ہے ——"

"اسے صدمہ کیوں ہوگا، وہ تو دل سے چاہتی ہوگی کہ حمید صاحب کو پھانسی کی سزا ہو جائے ——"

دونوں ایک میز پر بیٹھ کر کچھ کھانے لگیں —— تھوڑی دیر میں زہرہ پھر ان کے قریب آئی —— کہنے لگی

"حمید کی صفائی کے لیے کسی وکیل کو کیا گیا ہے یا نہیں ——"

"وقت آئے گا تو سب کچھ ہو جائے گا۔"

وہ ماہتاب کی طرف دیکھ کر کہنے لگی

"تم کو ان کی گرفتاری کی وجہ سے بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہوگا"

فوزیہ نے طنزاً کہا

"نہیں تو ——"

اس پر زہرہ قہقہہ مار کر ہنسی۔ پھر کہنے لگی

"اگر کچھ روپے کی ضرورت ہو تو مجھے رنگ کر دینا ——"

ماہتاب سے برداشت نہ ہو سکا۔ اس نے گرم گرم چائے کی پیالی اسے کھینچ ماری ——— زہرہ ایک چیخ مار کر پیچھے ہٹی۔ وہ اتنے زور سے چیخی تھی کہ آس پاس کے لوگ جمع ہو گئے اور ورائٹی شو میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ سب اسی جگہ کھچ آئے جہاں یہ دونوں تھیں۔ بہت سے لوگ زہرہ سے ناواقف تھے۔ بہت سے لوگ واقف تھے۔ ماہتاب سے کوئی بھی واقف نہیں تھا۔ زہرہ کا غصے سے برا حال تھا۔ اتنے لوگوں کی موجودگی میں وہ اپنی ذلت کو کیسے برداشت کرتی ——— اس گھما گھمی میں چند بچے رونے لگے ——— اور ایک شور ہونے لگا۔

فوزیہ ماہتاب کا ہاتھ پکڑ کر مجمع میں غائب ہو گئی ——— زہرہ کا نہ جانے کیا حشر ہوا۔

راستہ میں فوزیہ نے کہا

"تمہیں اپنے جذبات پر قابو رکھنا چاہیئے تھا ماہتاب"

ماہتاب کا چہرہ اب تک سرخ ہو رہا تھا۔ کہنے لگی

"اصل قاتل تو زہرہ ہے ——— اگر حمید صاحب کو وہ روپے کی لالچ نہ دیتی اور شادی کا وعدہ نہ کرتی تو حمید صاحب کبھی ایسا سنگین جرم نہیں کر سکتے تھے ———"

"تم زہرہ اور حمید کو اب عدالت پر چھوڑ دو ———"

"زہرہ کو اب تک گرفتار کیوں نہیں کیا گیا ———"

"وقت آنے پر وہ بھی آزاد نہ رہے گی"

فوزیہ اسے اپنے ہوٹل میں لائی۔ اسلم آنکھیں بچھانے لگے یاسمین بھی اوپر سے آ گئی۔ پھر وہ زبردستی دونوں کو اوپر لے گئی اور اس

کے بھائی جان فوزیہ کے خیر مقدم کے لیے جو انتظامات کر رہے تھے وہ دکھانے لگی۔ پھر کہنے لگی۔

"آپا، آج صبح مسعود صاحب آئے تھے ——"

"وہ ایک دم سے کہاں غائب ہو گئے تھے"

"میں نے پوچھا تو کہنے لگے کہ جس دن فوزیہ نے لکشری میں ان کی دعوت کی تھی۔ اسی دن سہ پہر کی گاڑی سے وہ لاہور چلے گئے تھے ——"

"خیر، چلو تم ان کو بچانا چاہتی تھیں۔ وہ خود ہی بچ نکلے ——"

"شام کو پھر آئیں گے"

"چلو، اچھا ہے، ذرا لطف رہے گا، بڑے مزے کی باتیں کرتے ہیں ——"

اسلم کے آجانے سے فوزیہ شرما کر نیچے آگئی۔ وہاں سے ماہتاب تو اپنے گھر چلی گئی۔ فوزیہ یاسمین کے ساتھ الفنسٹن اسٹریٹ کی ایک دوکان سے کچھ کپڑے خریدنے چلی گئی۔

شام کو مسعود سے ملاقات ہوئی۔

"آپ ہوائی جہاز کی کمپنی میں کیا ملازم ہیں کہ خود ——"

ہنس کر کہنے لگا

"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ میں ایک بنجارا ہوں —— مجھے کہیں قرار نہیں ہے ——"

"لاہور بھی چھوڑ دیا ——"

"ایک ہفتے کے لیے آیا ہوا ہوں —— یہاں کچھ کام ہے ——"

فوزیہ نے ہنس کر کہا

"یاسمین کو آپ کی بہت فکر تھی۔ وہ آپ کو زہرہ سے بچانا چاہتی تھی"

"ہاں زہرہ کا کیا عالم ہے ——"

"آپ نے اخبارات میں نہیں پڑھا"

"ایک مرتبہ کچھ پڑھا تو تھا، کسی نے ان کے شوہر کو قتل کر دیا ہے نا"

"اس کے شوہر کو کیوں قتل کیا ہے، زہرہ کو مکمل آزادی دلا دی ہے ——"

"بڑی زندہ دل عورت ہے ——"

فوزیہ نے شرارت سے کہا

"آپ کے لیے میدان صاف ہے ——"

"کیوں، ان کے تو کوئی کرم فرما تھے ——"

"انہی نے تو یہ ستم فرمایا ہے ——"

"کیا واقعی ——"

"ہاں ——"

"بڑا بے وقوف آدمی تھا —— آپ ہی بتاتی تھیں کہ زہرہ کے شوہر خود مرنے والے ہیں۔ اس سے کچھ دن انتظار بھی نہیں ہوا ——"

"کہاں مر رہے تھے۔ وہ تو اچھے ہو رہے تھے ——"

"تو یہ بات ہے ——"

اور مسعود کچھ سوچنے لگا ——— پھر خود ہی ہنس کر کہنے لگا۔

"میں بھی کتنا نادان ہوں، زہرہ کے متعلق سنجیدگی سے سوچنے لگا"

فوزیہ بار بار گھڑی کی طرف دیکھ رہی تھی، یاسمین نے پوچھا۔

"تمہیں کس کا انتظار ہے آپا"

"ماہتاب نے آنے کو کہا تھا ———"

پھر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ اسلم بھی اس محفل میں شامل ہو گیا جس سے باتوں میں اور زندگی پیدا ہو گئی۔ مسعود گیارہ بجے تک رہا۔ پھر چلا گیا۔ فوزیہ بھی اپنے گھر آ گئی۔ اسلم اسے پہنچا گیا تھا۔

مسعود روز ہوٹل آتا رہا۔ فوزیہ سے تو ملاقات بہت کم ہوتی تھی یاسمین سے اس کی بے تکلفی بڑھتی جا رہی تھی۔ لیکن وہ اب بھی فوزیہ ہی کا مداح تھا۔ اور جیسے وہ کہا کرتا تھا کہ فوزیہ سے ملاقات کے بعد کوئی لڑکی اس کی نگاہوں میں جچتی نہیں تھی۔

ایک دن جب فوزیہ نے کہا

"تم نے اپنے متعلق کیا سوچا ہے؟"

"میں کیا سوچوں گی"

"تم محبت کو نظریاتی طور پر تو سمجھتی ہو مکمل دنیا میں کب آنے کا ارادہ ہے"

"تم لوگوں نے محبت کر کے کیا پا لیا ——"

"ہم نے کچھ نہیں پایا ہے تو تم پا لو گی ——"

یاسمین ہنس کر اس موضوع کو ٹالنے لگی۔

فوزیہ نے کہا

"مسعود کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے ؟"

"وہ دلچسپ آدمی ہیں ——"

"اگر میں ان سے تمہاری شادی کرا دوں تو ——"

"وہ مجھے پسند نہیں کرتے ——"

"پسند کیوں نہیں کرتے —— اگر پسند نہ کرتے ہوتے تو روز یہاں کے چکر کیوں لگایا کرتے ——"

یاسمین کچھ سوچنے لگی۔ پھر انکار میں گردن ہلانے لگی۔

"نہیں، میں ان سے شادی کرنا نہیں چاہتی ——"

"تو تمہارے لیے آسمان سے کوئی اترے گا"

"تمہیں میری کیوں پڑی ہے —— جب میں شادی کروں گی تو ایک ہفتہ قبل بتا دوں گی کہ میں کس سے شادی کر رہی ہوں ——"

فوزیہ خاموش ہو رہی —— اسی وقت مسعود آ گئے —— فوزیہ دو چار منٹ بیٹھی۔ پھر ماہتاب کے گھر چلی گئی —— ماہتاب اپنے سے بیزار بیٹھی تھی۔ کل سے حمید کا مقدمہ شروع ہونے والا تھا۔ کہنے لگی۔

"کل گیارہ تاریخ ہے ——"

"مجھے معلوم ہے کہ کل مقدمہ شروع ہو گا ——"

"میرا تو دم گھبرا رہا ہے ——"

"اسی لیے تو تم کو لینے آ گئی ہوں —— چلو —— کہیں گھومیں پھریں گے، طبیعت بہل جائے گی ——"

ماہتاب اس کے ساتھ اسی حالت میں چلنے پر تیار ہو گئی —— لیکن فوزیہ نے اس کے بال سنوار ے، کپڑے بدلوائے اور بازار کے دو ایک چکر کاٹنے کے بعد ہوٹل گئی۔ دیکھا۔ مسعود بیٹھا ہوا یاسمین سے باتیں کر رہا ہے —— اس نے ماہتاب کا تعارف کرایا۔ مسعود ایک بار پہلے بھی اسے دیکھ چکا تھا۔ لیکن اس وقت اس نے غور نہیں کیا تھا —— اس وقت ماہتاب کے چہرے کی سنجیدگی، آنکھوں کا ٹھہراؤ اپنے سے بیزاری کی وجہ سے ایک عجیب والہانہ انداز —— اس کی آنکھوں کا رنگ بدلنے لگا۔ ہونٹوں کی مسکراہٹ بدلنے لگی۔ کہنے لگا

"معاف کیجئے گا، میں حمید صاحب کو اب تک نادان ہی سمجھتا تھا لیکن اب تو انھیں سنگدل سمجھتا ہوں —— سنگدل اور لالچی ——"

ماہتاب اس کی صاف گوئی پر حیران رہ گئی۔

فوزیہ نے کہا

"ماہتاب سے حمید صاحب کی برائیاں نہ کیجئے ——"

"کیوں"

"یہ ان کو بچانے کے لیے دن رات آنسو بہایا کرتی ہیں ——"

مسعود چپ ہو رہا۔ فوزیہ نے کہا

"آپ نے ان کی نادانی کے متعلق کچھ کہا نہیں ——"

"میں ذرا محبت کے بارے میں سوچنے لگا تھا —— پھر یہ سوچ رہا تھا

کہ عورت مرد کی اچھائیوں سے محبت کرتی ہے یا برائیوں سے ——— اگر برائیوں سے محبت کرتی ہو تو میں بھی شراب پینے لگوں، جوا کھیلنے لگوں، رہبراؤں اور مشتریوں کے گرد چکر لگایا کروں، ممکن ہے کوئی عورت مجھ سے بھی محبت کرنے لگے ———"

ماہتاب مسعود سے زیادہ واقف نہیں تھی۔ لیکن جس انداز سے وہ باتیں کر رہا تھا۔ اس سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان لوگوں سے کافی بے تکلف ہے ———

پھر سب نے مل کر کھانا کھایا۔ کافی پی ——— اس کے بعد فوزیہ مسعود اور ماہتاب کو لے کر ماہتاب کے گھر گئی ——— اسے وہاں چھوڑا ——— مسعود کے گھر گئی ——— وہ جمشید روڈ پر اپنے ایک عزیز کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا۔ مسعود نے کچھ دیر بیٹھنے کی خواہش کی ——— وہ اندر گئی ——— مسعود نے اپنی عزیزہ سے اس کا تعارف کرایا۔ باتوں کا رخ پھر ماہتاب کی طرف پلٹ گیا۔ مسعود کی عزیزہ چائے پلانے پر بضد تھیں اور چائے بنانے چلی گئی تھیں۔ مسعود نے کہا

"میں نے اخباروں میں جو خبر پڑھی ہے اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حمید بچیں گے نہیں ———"

"ہاں بچنے کی کوئی امید نہیں ہے ———"

"اگر پھانسی نہ ہوئی تو عمر قید تو ہو ہی جائے گی۔"

"شاید ———"

"تو کیا ماہتاب عمر بھر ان کا انتظار کرتی رہے گی ——— اگر حمید کو ان سے محبت ہوتی تو میں یہ سوال نہ کرتا۔ لیکن ان حالات میں ———"

"میں حمید سے طلاق دلوانے کا ارادہ رکھتی ہوں"

"اس کے بعد؟"

فوزیہ کچھ سوچنے لگی۔ پھر مسکراتے ہوئے بولی

"آپ بہت زیادہ دلچسپی لے رہے ہیں ———"

"میں یہ بتا ہی چکا ہوں کہ میں اپنے دلی جذبات چھپانا نہیں چاہتا ———"

"تو کیا ماہتاب سے آپ شادی کرنا چاہتے ہیں ———؟"

"بہت خوشی سے"

"کیوں اس میں ایسی کون سی بات ہے؟"

"جب عورت ایک مرد کی ٹھکرائی ہوئی ہوتی ہے تو وہ دوسرے مرد پر جان نثار کرنے کے لیے تیار ہو جاتی ہے۔ مجھے بھی کسی ایسی ہی لڑکی کی تلاش ہے ——— میں بڑی عجیب طبیعت رکھتا ہوں۔ میں کسی ایسی لڑکی سے شادی نہیں کرنا چاہتا جو کسی اور مرد سے محبت نہ کر چکی ہو، میں تو یہاں تک کہنے کو تیار ہوں کہ جب تک وہ ایک مرد کے ساتھ زندگی کے گرم و سرد سے نہ گذر چکی ہو ——— خیالی محبت کے لیے تو ———"

فوزیہ نے بات کاٹ کر کچھ کہنا چاہا۔ مسعود نے کہا

"میں سمجھ رہا ہوں کہ آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔ نہیں، بازاری عورتیں چونکہ ایک مرد تک محدود نہیں رہتیں۔ اس لیے وہ کسی ایک مرد کی بیوی بھی نہیں بن سکتیں ——— آپ یہی کہہ رہی تھیں نا ———"

اتنے میں مسعود کی عزیزہ چائے لے آئیں۔ آتے ہی کہنے لگیں

"مسعود بھائی، کیا فلسفہ بگھار رہے ہیں ــــــ"

پھر فوزیہ کی طرف دیکھ کر کہنے لگیں

"یہی کہہ رہے ہوں گے کہ وہ کسی بیوہ یا مطلقہ عورت سے شادی کرنا چاہتے ہیں ــــــ بیوہ بھی نہیں، مطلقہ ہو تو زیادہ بہتر ہے ــــــ"

"بھابی، تم اس فلسفہ کو کیا سمجھو، تم نے تو ہوش بھی نہیں سنبھالا تھا کہ اپنے کو بیوی بنا ہوا پایا۔ بھائی صاحب موجود ہوتے تو میں کہتا کہ اپنی آغوش میں ایک بچہ کو کھیلتے ہوئے دیکھا ــــــ"

اس پر فوزیہ اور مسعود کی بھابی ہنسنے لگیں۔ اور بات ٹل گئی ــــــ

فوزیہ جب چائے سے فارغ ہو کر موٹر میں آکر بیٹھی اور مسعود موٹر تک آیا تو کہنے لگی

"ماہتاب کے خواب دیکھنا چھوڑ دیجئے ــــــ اس کی شادی پرویز صاحب سے ہوگی"

"آپ کے پہلے شوہر سے؟"

"جی نہیں، اس کے سب سے بڑے قدر دان سے"

مسعود چپ ہو گیا۔ فوزیہ نے موٹر اسٹارٹ کی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ جو شخص ماہتاب کا قدردان تھا۔ خود اس کا ٹھکرانے والا تھا اسے وہ لمحات یاد آنے لگے جو اس نے پرویز کے ساتھ گذارے تھے۔ ایک لمحہ ایسا بھی گذرا جب وہ یہ سوچنے لگی کہ وہ اسلم سے شادی نہیں کرے گی پرویز اور ماہتاب کی شادی کرا کے کہیں روپوش ہو جائے گی، لیکن یہ لمحہ بھی گذشتہ لمحوں کی طرح گذر گیا۔ اور اسے اس خیال پر ہنسی آنے لگی کہ مسعود کو یہ کیا ہو گیا ہے۔ یاسمین سے شادی کی خواہش نہیں کرتا، جو اس کے لیے بے قرار

سی رہنے لگی ہے اور ماہتاب کی آرزو کر بیٹھا ہے۔ جس نے اپنے دل کے کواڑ بند کر لیے ہیں۔

دوسرے تیسرے دن مسعود نہیں آیا۔ چونکہ اس نے ایک ہفتہ ہی ٹھہرنے کو کہا تھا۔ اس لیے یہ سمجھا گیا کہ وہ لاہور واپس چلا گیا ہے ——— حمید کے مقدمہ کی وجہ سے اس کے متعلق زیادہ سوچنے کا موقع بھی نہیں ملا۔ کل اتوار تھا اور منگل تک پیشی بڑھ گئی تھی دو دن سے فوزیہ ماہتاب کو اپنے گھر ہی لے گئی تھی۔ دو دن تک حمید ہی کی باتیں ہوتی رہیں۔ اس شام کو جب فوزیہ ماہتاب کو لے کر ہوٹل گئی تو راستہ میں اس نے مسعود کا لطیفہ سنایا۔ وہ سمجھتی تھی کہ ماہتاب بہت ہنسے گی۔ لیکن ماہتاب خاموش رہی اور جب وہ خود ہنسی تو ان نظروں سے اسے دیکھنے لگی کہ اس میں ہنسی کی کون سی بات ہے۔

ہوٹل پہنچی تو یاسمین کا چہرہ اترا ہوا نظر آیا۔ کہنے لگی

"تم تو کہتی تھیں کہ مسعود چلے گئے ———"

"ہاں، چلے ہی گئے ہوں گے"

"ابھی ابھی شبنم آپا کا فون آیا تھا۔ کیفے گرینڈ سے بول رہی تھیں میں نے پوچھا کہ فوزیہ آپا سے کچھ کہنا ہو تو بتا دیں۔ میں کہہ دوں گی، کہنے لگیں کہ کوئی خاص بات نہیں تھی۔ زہرہ کے متعلق کچھ کہنا تھا۔ میں نے پوچھا۔ زہرہ کے متعلق کیا بتانا تھا ——— کہنے لگیں کہ تم لوگوں نے مسعود صاحب کا تعارف کرایا تھا نا ——— میں جہاں کھڑی ہوں وہاں سے وہ میز نظر آ رہی ہے۔ جس پر وہ زہرہ کے ساتھ بیٹھے کچھ کھا رہے ہیں اور خوب ہنس ہنس کر باتیں کر رہے ہیں ———"

فوزیہ نے یہ سنا تو اس کا چہرہ اتر گیا۔
پھر کتنی دیر باتیں ہوئیں۔ تینوں میں سے کسی نے بھی مسعود کا حوالہ نہیں دیا۔ جیسے سب اپنی اپنی جگہوں پر مسعود ہی کے متعلق سوچ رہی تھیں اور ایک دوسرے سے چھپانا چاہتی تھیں۔
واپسی میں فوزیہ نے کہا
"مسعود صاحب کو واقعی اس بات کا صدمہ پہنچا ہے کہ تمھاری شادی ان سے نہ ہو سکے گی"
ماہتاب نے چمک کر کہا
"تم ہر وقت میری شادی کی کیوں باتیں کیا کرتی ہو ——— یہ اچھی رہی کہ کوئی شخص شراب پئے۔ اس لیے کہ اس نے مجھ سے شادی کر لی ہے، کوئی شخص آوارہ عورتوں سے ملے، اس لیے کہ وہ مجھ سے شادی نہیں کر سکتا ——— میں نہ ہوئی کوئی جادوگرنی ہو گئی کہ ایک دنیا میرا ہی دم بھرتی ہے ——— "
فوزیہ خاموش ہو گئی۔ وہ جانتی تھی کہ اس نے ماہتاب کو صدمہ پہنچایا ہے اس بے چاری کے اپنے غم کیا کم ہیں کہ وہ خواہ مخواہ مسعود کا بوجھ اس پر ڈالنا چاہ رہی ہے ———
اگلا ہفتہ پورا کا پورا عدالت میں گذرا۔ ماہتاب چونکہ اتنی بے قرار تھی اس لیے فوزیہ بھی اس کے ساتھ عدالت جاتی تھی۔ فوزیہ کی وجہ سے سب ہی کو اس مقدمہ سے دلچسپی ہو گئی تھی۔ اخبارات نے مقدمہ کی تفصیل شائع کر کے تماش بینوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا تھا۔ زہرہ کی شہرت بڑھ رہی تھی اور شہرت کے ساتھ ہی ساتھ اس کی عیاشیوں میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ ایک دن وہ شراب

میں بدمست ہوٹل میں آگئی۔ آتے ہی ایک بیرے سے الجھ پڑی۔

"جاؤ ہوٹل کے مالک کو بھیجو ——"

اس وقت ہوٹل میں فوزیہ اور یاسمین دونوں میں سے کوئی بھی نہیں تھا۔ اسلم کو بیرا بلا لے گیا۔ زہرہ نے ایسے جوش میں یہ جملہ کہا تھا کہ قریبی میز پر بیٹھے ہوئے سب ہی لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اسلم کو دیکھ کر کہنے لگی۔

"آپ ہی اس ہوٹل کے مالک ہیں ——"

"فرمایئے ——"

"آپ ہوٹل کے مالک نہیں ہیں۔ اس لڑکی کو بھیجئے ——"

"فوزیہ موجود نہیں ہے ——"

"آپ کون ہیں ——"

اسلم سمجھ رہا تھا کہ وہ اپنے ہوش میں نہیں ہے۔ اس نے مسکرا کر کہا

"آیئے۔ میں آپ کو فوزیہ کے پاس لے چلوں ——"

"نہیں، میں نہیں جاؤں گی اسے بلایئے ——"

"وہ تو موجود نہیں ہے ——"

"میں یہ میز خریدنا چاہتی ہوں۔ یہ کرسی خریدنا چاہتی ہوں، یہ سامنے ٹنگی ہوئی تصویر خریدنا چاہتی ہوں"

زہرہ لوگوں کی تفریح کا مرکز بنتی جا رہی تھی۔ اتنے میں فوزیہ ماہتاب اور یاسمین کو لے کر آگئی۔ اور جانے کہاں سے مسعود بھی آگیا۔ مسعود کو دیکھ کر زہرہ نے کہا

"آؤ، مسعود میں تمہارے لیے یہ میز، یہ کرسی، یہ تصویر خرید رہی ہوں
مسعود جو خود بھی کہیں سے پی کر آیا تھا۔ ہنستے ہوئے کہنے لگا
"ضرور خریدو زہرہ، ضرور خریدو ——— میں تو کہتا ہوں کہ تم یہ ہوٹل ہی خرید لو ———"

"ہاں، میں یہ ہوٹل خریدوں گی، میں یہ ہوٹل خریدوں گی"

فوزیہ نے اسلم کی طرف دیکھا۔ اب یہ باتیں تماشے کی حد سے تجاوز کرتی جا رہی تھیں۔ وہ آگے بڑھی اور اس نے نرمی سے زہرہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا

"چلو، میں تمہارے گھر پہنچا دوں ———"

"تم آ گئیں، فوزیہ ——— تم ہی فوزیہ ہو نا، میں کہہ رہی تھی، میں یہ ہوٹل خریدنا چاہتی ہوں ———"

"چلو، میں تمہارے گھر پہنچا دوں"

زہرہ بچوں کی طرح ہنسنے لگی۔ فوزیہ کے شانوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر کہنے لگی

"میرا گھر کہاں ہے فوزیہ ——— میرا گھر کہاں ہے ———"

فوزیہ بڑی مشکل سے اسے باہر لے جانے میں کامیاب ہوئی مسعود بھی پیچھے پیچھے ہو لیا لیکن پھر ایک دم سے ماہتاب کو دیکھ کر رک گیا۔ اگر یاسمین بیچ میں نہ آ جاتی تو اس نے ماہتاب کا دامن پکڑ ہی لیا تھا ———

اسلم کا اشارہ پا کر دو بیروں نے مسعود کو سہارا دیا اور باہر لے گئے۔

فوزیہ زہرہ کو اس کے گھر پہنچا کر واپس آئی تو ماہتاب یاسمین سے باتیں کر رہی تھی۔ زہرہ نے جو ہنگامہ برپا کر دیا تھا۔ اس کے کچھ کچھ اثرات اب بھی

موجود تھے۔ وہ بیٹھی ہی تھی کہ مسعود پھر آگیا۔ اور اس کے پاؤں پڑنے لگا۔ وہ اتنا زیادہ پئے ہوئے تھا کہ اسے ذرا بھی ہوش نہیں تھا۔ دو بیرے اسے باہر پہنچا آئے ——— پھاٹک پر جا کر وہ بیروں سے الجھنے لگا۔ ایک کی تو اس نے پگڑی اتار کر پھینک دی ——— اچھا خاصا ہنگامہ ہو گیا ——— فوزیہ کو پھر جانا پڑا ——— وہ اسے بھی موٹر میں بٹھا کر اس کے گھر چھوڑ آئی ——— یہ سب کچھ ہو گیا۔ لیکن ماہتاب اور یاسمین دونوں میں سے کسی نے اس واقعہ پر گفتگو نہیں کی۔

فوزیہ نے تھوڑی دیر کے بعد کہا

"مسعود زہرہ سے شادی کر رہے ہیں ———"

یاسمین نے کہا

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"ان کی بھابھی کہتی تھیں ——— بیچاری میرے پیچھے پڑ گئیں کہ میں یہ شادی نہ ہونے دوں ———"

ماہتاب بولی

"لیکن زہرہ شادی کیسے کر سکتی ہے ———"

"اگر وہ کرے تو کوئی تعجب نہیں ہے ———"

یاسمین نے کہا

"یہ مسعود صاحب کو کیا ہو گیا ہے ———"

فوزیہ نے کوئی جواب نہیں دیا، یاسمین اپنی جگہ روٹھ گئی ——— دیر بھی بہت ہو گئی تھی۔ وہ ماہتاب کے ساتھ گھر آ گئی۔

مسعود اور زہرہ کی شادی کی بات زیادہ عرصہ چھپی نہیں رہی، پوچھتے

پانچویں دن شام ایک اخبار نے نہ جانے کہاں سے بھنک پاکر یہ خبر شایع کردی

ادھر مقدمہ ہوتا رہا، ادھر یہ خبر پھیلتی رہی۔ فوزیہ مسعود کے پاس گئی۔ اتفاق سے وہ موجود تھا اور اپنے ہوش میں تھا۔ کہنے لگا

"کیسے تشریف لائیں ——"

"کیا یہ سچ ہے کہ آپ زہرہ سے شادی کر رہے ہیں ——"

"اس میں تعجب کی تو کوئی بات نہیں ہے —— مجھے کسی نہ کسی لڑکی سے تو شادی کرنا ہی تھی ——"

"کیا وہ آپ کے آئیڈیل پر پوری اترتی ہے"

"وہ محبت میں تجربہ کار ہے۔ شادی میں تجربہ کار ہے"

"اور قاتل بھی ہے ——"

"ممکن ہے —— مجھے کیا واسطہ، اس نے مجھے تو قتل نہیں کیا ——"

"یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں ——"

مسعود ہنسنے لگا۔ پھر سگرٹ کے دو چار گہرے گہرے کش لے کر کہنے لگا۔

"کسی پر اتنا سنگین الزام لگاتے ہوئے آپ کو احتیاط کرنا چاہیئے۔ اگر سیٹھ ابراہیم کے قتل میں اس کا ہاتھ ہوتا۔ تو وہ آزاد نہ گھومتی ——"

وہ جس سنجیدگی سے باتیں کر رہا تھا، فوزیہ کو تعجب ہو رہا تھا۔ وہ پہلا سا مسعود ہی نہیں رہا تھا۔ اتنے دن ہی میں زہرہ نے اسے بالکل بدل دیا تھا۔ وہ چلی آئی۔

اگلے ہفتہ اور بھی ہنگامہ گذرا۔

حمید نے عدالت کے سامنے اپنا بیان دے دیا تھا اور عدالت سے زہرہ کی گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوگیا تھا۔ پولیس نے بھی اسے عین اس وقت گرفتار کیا جب وہ اخبارات کے دو نمائندوں کو اپنا بیان دے رہی تھی۔ مسعود پاس ہی بیٹھا انگور کا ایک ایک دانہ اٹھا کر کھا رہا تھا کہ دو سپاہی اور ایک انسپکٹر پہنچ گیا۔ اور جب زہرہ کو وارنٹ دکھایا تو وہ زور سے ہنسی، پھر چیخیں مار کر رونے لگی۔ اور مسعود کے چمٹ گئی۔ مسعود نے اپنے ہاتھوں کے سہارے سے اسے پانچویں منزل سے اتارا اور پولیس کار میں بٹھایا

دوسرے ہی دن حمید کے بیان کے ساتھ ہی ساتھ زہرہ کی گرفتاری کی خبر بھی شائع ہوئی۔ ماہتاب نے پڑھی تو بجائے ہنسنے کے اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ حمید نے اپنے بیان میں اپنے جرم کا اقرار کر لیا تھا۔ اس بیان میں اس نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہے۔

اسی دن وہ فوزیہ کے ساتھ اس سے ملنے گئی۔ حمید بالکل بدل گیا تھا۔ کہنے لگا۔

"میں نے تم کو بیوہ ہونے سے بچا لیا ہے ——"

"میں طلاق لینا نہیں چاہتی ——"

حمید ہنسنے لگا اور پھر فوزیہ سے کہنے لگا۔

"آپ اپنے بیرسٹر کو ہٹا لیجئے ———— میں خود اپنی صفائی پیش کرنا چاہتا ہوں"

"نہیں، آپ قانون کی پیچیدگیوں سے واقف نہیں ہیں ————"

"میں نے جرم کیا ہے۔ مجھے اقرار ہی تو کرنا تھا۔ وہ کر چکا ———— جو روپیہ آپ میرے وکیل پر صرف کر رہی ہیں۔ اسے کسی نیک کام میں صرف کیجئے۔"

ماہتاب نے پھر کچھ کہنا چاہا۔ حمید نے کہا

"میں نے جب تمہاری وہ باتیں نہیں مانیں جن میں میری بھلائی تھی۔ تو وہ بات کیوں مانوں گا جس میں تمہاری بھلائی نہیں ہے"

ماہتاب رونے لگی۔ فوزیہ اسے بڑی مشکل سے گھر لائی۔

۱۳

اجالا

مسعود اس دن سے غائب ہوگیا تھا۔ جس سے یاسمین بہت اداس رہنے لگی تھی۔

ایک مہینے کے بعد وہ مدت بھی پوری ہوگئی جو طلاق کے بعد گذارنا ضروری ہے۔ اور اسلم نے فوزیہ سے کہا

"اب تو زیادہ انتظار نہ کراؤ ـــــــــــ"

"آپ نے شادی کے بہت انتظامات کیے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ چپکے سے شادی ہو جائے ——— صرف دو چار لوگ شامل ہوں ———"

"جیسے تمھاری مرضی ———"

فوزیہ کی ماں خوب دھوم دھام سے شادی کرنا چاہتی تھیں۔ لیکن فوزیہ کے آگے ان کی ایک نہ چلی۔ چنانچہ

ایک دن چند لوگوں کی موجودگی میں نکاح ہو گیا۔ اور فوزیہ اپنے گھر سے ہوٹل میں چلی گئی ——— ماہتاب نے اپنے گھر جانا چاہا لیکن وہ اسے اپنے ساتھ ہوٹل میں لے آئی ——— وہ تین کمرے جو اس نے اپنی رہائش کے لیے بنائے تھے۔ وہ اب یاسمین کے قبضہ میں تھے۔ ماہتاب اس کمرے میں رہنے لگی جس میں پرویز رہا کرتا تھا۔ یاسمین کی وجہ سے پرویز کی یاد تازہ رہا کرتی تھی جو ہفتہ دو ہفتے کے بعد پرویز کو خط لکھتی رہتی تھی۔ پرویز کا خود کوئی خط نہیں آیا تھا۔

ایک دن جب ماہتاب عدالت سے لوٹی تو فوزیہ اور یاسمین چپکے چپکے کچھ باتیں کر رہی تھیں۔ ماہتاب کو دیکھتے ہی فوزیہ نے کہا

"پرویز صاحب لاہور آ گئے ہیں، ان کا خط آیا ہے ———"

خط یاسمین کے نام تھا۔ لکھا تھا

"تمھارے خط برابر ملتے رہے۔ میں نے جواب دینا مناسب نہیں سمجھا۔ یہ خط بھی مجبوراً لکھ رہا ہوں۔ میں لاہور ہی میں رہنے کا ارادہ کر چکا ہوں۔ یہاں ایک کالج میں مجھے ملازمت بھی مل جائے گی جس کے لیے مجھے چند ضروری کاغذات کی ضرورت ہے جو میرے اور کاغذات میں ایک نیلے لفافے میں رکھے ہوئے ہیں۔ تم ان کو رجسٹری سے بھیج دو۔

اپنی آپا کو مناسب الفاظ میں میرا سلام کہہ دینا۔ اور اگر شادی ہوگئی ہو تو مبارکباد پیش کر دینا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اتنے دن بھی ان کی راہ کی رکاوٹ بنا رہا۔

شرمسار

پرویز

ماہتاب نے وہ خط یاسمین کے حوالے کر دیا۔ تھوڑی دیر تک دونوں کچھ سوچتی رہیں۔ پھر ماہتاب ایک گہری سانس لے کر اٹھی اور اپنے کمرے میں چلی گئی ——— یاسمین نے وہ ضروری کاغذات تلاش کر کے لفافے میں رکھ دیئے تھے۔ اس پر پرویز کا پتہ لکھا تھا ——— وہ ان کاغذات کو دیکھ ہی رہی تھی کہ فوزیہ آ گئی۔ کہنے لگی

"ان کا پتہ موجود ہے ——— میں سوچتی ہوں کہ تمہیں لاہور چلا جانا چاہئے"

"نہیں۔ میں نہیں جاؤں گی، رجسٹری ہی سے بھیجے دیتی ہوں ———"

"دیکھو، میرا کہنا مانو ———"

"مجھ میں ابھی ان کا سامنا کرنے کی طاقت نہیں ہے۔"

"ارے جاؤ بھی، اس میں طاقت کی کیا بات ہے ———"

ماہتاب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ——— لیکن وہ گردن سے انکار کرنے لگی۔ فوزیہ اس انکار کو سمجھ نہ سکی۔ بہر حال اسی دن وہ کاغذات رجسٹری سے روانہ کر دیئے گئے۔ یاسمین نے ایک خط بھی لکھ کر رکھ دیا تھا جسے ماہتاب نے نکال کر پھاڑ دیا۔ اس میں ماہتاب کی طلاق کے بارے میں تفصیل تھی۔

چھ مہینے تک مقدمہ چلتا رہا۔

جس دن فیصلہ سنایا جانے والا تھا اس دن عدالت کھچا کھچ بھری تھی۔ اخبارات نے اس واقعہ کو بہت اچھالا تھا۔ زہرہ کی کئی تصویریں بھی شایع ہو چکی تھیں۔ اسی لیے جب اسے پولیس کار میں جیل سے عدالت میں لایا گیا تو اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے ہزاروں کا مجمع تھا۔ پولیس کو عدالت کے کمرے تک لے جانے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑا

ماہتاب کے ساتھ فوزیہ، اسلم، یاسمین سب ہی گئے تھے

عدالت نے دونوں کو عمر قید کی سزا سنا دی۔ جسے سنتے ہی زہرہ تو بیہوش ہو گئی۔ حمید چپ چاپ کھڑا رہا۔ پھر ماہتاب کی طرف دیکھتا ہوا چلا گیا۔ جو بت بنی ہوئی بیٹھی تھی۔

سزا کے ساتھ ہی ساتھ عدالت نے دونوں کو ایک ہفتے کے اندر اپیل کرنے کی اجازت بھی دی تھی۔

ماہتاب راستہ بھر خاموش رہی۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر رونے لگی۔ فوزیہ نے سمجھایا تو کہنے لگی۔

"فیصلہ کے خلاف اپیل دائر کر دو۔۔۔۔۔"

"اپیل کا بھی انتظام ہو جائے گا لیکن تم کو اب حمید صاحب سے تعلق کیا ہے ۔۔۔۔۔"

"مجھے معلوم ہے کہ وہ میرے اب کوئی نہیں رہے ہیں لیکن کیا میں ان

کو بھول سکتی ہوں۔ ان کی خاطر میں نے پرویز کو ہمیشہ کے لیے کھو دیا ہے ——"

"ہمیشہ کے لیے کہاں کھویا ہے پگلی، آج تم لاہور جاؤ، ان کو حاصل کر لو گی"

"میں ان کو حاصل کر کے کیا کروں گی فوزیہ —— اب میں وہ نہیں رہی جسے وہ چاہتے تھے۔ شاید وہ بھی اب وہ نہیں رہے ہیں جن کو میں چاہتی ہوں۔"

"تم فضول باتیں نہ کرو —— اگر تم ایک ہفتے کے اندر نہ چلی گئیں تو میں تم کو خود لے چلوں گی"

"نہیں، نہیں، مجھے ان کے پاس نہ بھیجو "

"کیوں؟"

"میں کہہ چکی ہوں کہ جس پرویز سے مجھے محبت تھی وہ پرویز اب باقی نہیں ہیں۔ جس ماہتاب پہ وہ جان چھڑکتے تھے۔ وہ زخموں سے چور ہو چکی ہے۔ اس کے دل پر اتنے گھاؤ ہیں کہ یہ گھاؤ بھرتے بھرتے ایک عمر گذر جائے گی۔"

"تم یوں نہیں مانو گی، مجھے پرویز کو خط لکھ کر بلانا پڑے گا"

"تم چاہے لکھ کر دیکھ لو —— وہ نہیں آئیں گے"

"وہ آئیں گے کیسے نہیں ——"

ماہتاب پہلے تو جھجکی۔ پھر جانے کیوں اسے یقین ہو گیا کہ پرویز اسے لینے نہیں آئے گا۔

فوزیہ نے اسی دن ایک خط لکھا۔ جس میں ماہتاب کے متعلق پوری تفصیل بیان کی اور بعد میں لکھا

"میری بھی یہی خواہش ہے کہ آپ دونوں ایک دوسرے کے

ہو جائیں ——— آپ میری راہ کے نہیں، میں آپ کی راہ

کی رکاوٹ تھی ——"

خط چلا گیا ——— ماہتاب کو تو جواب کا انتظار ہی نہیں تھا۔ فوزیہ اسی

دن سے انتظار کرنے لگی۔

دوسرے دن حمید کی اپیل دائر کرنے کے انتظامات ہوئے۔ لیکن حمید

راضی نہ ہوا۔ زہرہ کی طرف سے اپیل دائر کر دی گئی۔ اور وہ منظور بھی ہو گئی

حمید کو ملتان کی جیل میں بھیج دیا گیا اور زہرہ اپیل کی سماعت تک کراچی جیل ہی

میں رہی۔

ایک ہفتہ گذر گیا۔ لیکن پرویز کا کوئی جواب نہیں آیا۔ فوزیہ حیران تھی۔ ماہتاب

مسکرا رہی تھی کہنے لگی۔

"جواب کا انتظار کرنا بیکار ہے فوزیہ ——— وہ نہیں آئیں گے۔"

"اگر پرویز نہیں آئے تو میں ان سے نفرت کرنے لگوں گی"

"عجیب بات ہے فوزیہ ——— میں یہ کہنے والی تھی کہ اگر وہ آ گئے تو میں

ان سے نفرت کرنے لگوں گی"

"آخر تم دونوں کی یہ محبت کیسی ہے ———"

"میں بتاؤں ——— ہم دونوں ایک دوسرے سے دور رہنے کے عادی

ہو گئے ہیں۔ ہماری محبت بھی شاید اسی وقت تک قائم ہے جب تک ہم ایک دوسرے

سے دور رہیں گے ———"

یاسمین جو کچھ دنوں سے خاموش رہنے لگی تھی کہنے لگی

"میں نہیں مانتی ——— انہیں وہ خط ملا ہی نہیں ہے ورنہ وہ ضرور

آتے ———"

"تم دوسرا خط بھیج کر دیکھ لو ـــــــ"

"میں خط بھیجنے سے بہتر یہ سمجھتی ہوں کہ تم کو لاہور لے چلوں ـــــــ"

فوزیہ نے کہا

"ہاں ـــــــ تم ماہتاب کو لاہور لے جاؤ ـــــــ"

ماہتاب اپنی بڑی عجیب مسکراہٹ سے دونوں کے لیے معمہ بنی ہوئی تھی۔ کہنے لگی

"اچھا چل کر دیکھ لو ـــــــ"

"آج ہی چلو ـــــــ"

"اتنی جلدی نہیں۔ ایک خط اور بھیج کر دیکھو۔ پھر چلنا ـــــــ"

یاسمین نے ایک لمبا چوڑا خط لکھا۔ اسے بھیج دیا گیا۔ ایک ہفتے تک جواب کا انتظار رہا۔ جس دن یاسمین فوزیہ کو لے کر جانے والی تھی اور بازار سے کچھ ضروری سامان خریدنے گئی ہوئی تھی کہ اس کی نظریں مسعود پر پڑیں جو ایک دوکان کے سامنے چپ چاپ کھڑا تھا۔ فوزیہ بھی ساتھ تھی۔ کہنے لگی۔

"یہ بنجارے صاحب پھر آ گئے ـــــــ چلو، ممکن ہے ان کی پرویز صاحب سے ملاقات ہوئی ہو ـــــــ"

تینوں مسعود کے پاس گئیں۔ وہ انھیں دیکھ کر گھبرا گیا۔ پھر ہنسنے کی کوشش کرتے ہوئے کہنے لگا

"میں ہوٹل آنے ہی والا تھا"

"آپ آئے کب ـــــــ"

"آج صبح ہی تو آیا ہوں ـــــــ اور سچ پوچھیے تو آپ ہی کے ایک کام

کے ایک سلسلے میں آیا ہوں ——"

"میرا کام ——"

"مجھے پرویز صاحب کے متعلق کچھ بتانا ہے ——"

"کیا حال ہے ان کا ——"

"چلیے، ہوٹل چلیے، وہاں اطمینان سے بتاؤں گا ——"

راستہ میں فوزیہ نے بہت پوچھنا چاہا۔ لیکن مسعود نے بتایا نہیں۔ وہ خود بھی اتنا بدل گیا تھا کہ اس کو یقین ہی نہیں آتا تھا کہ یہ وہی مسعود ہے جس کو رخصت کرنے وہ ایرپورٹ گئی تھی۔

ہوٹل میں آکر مسعود نے کہا

"آپ کا بھیجا ہوا خط میں نے پڑھ لیا تھا اس لیے میں آگیا ——"

"پرویز کیوں نہیں آئے ——"

"وہ —— ان کی طبیعت اچھی نہیں ہے ——"

"بیمار ہیں، اسی وجہ سے انھوں نے جواب نہیں دیا"

"شاید ——"

"انھوں نے آپ سے جواب لکھوا کیوں نہ دیا ——"

"وہ مجھے پہچانتے نہیں ——"

"پھر آپ نے وہ خط ——"

"وہ پہلے مجھے پہچانتے تھے۔ میرے گھر کے قریب ہی رہتے تھے اکثر باتیں ہوتی تھیں۔ لیکن پھر انھوں نے مجھے پہچاننا چھوڑ دیا ——"

"لیکن کیوں ——"

"وہ مینٹل ہاسپیٹل میں ہیں ——"

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ ——"

"جی ہاں، انھیں شاید کوئی ایسا صدمہ پہنچا ہے کہ وہ اپنا دماغی توازن کھو چکے ہیں ——"

ماہتاب نے کہا

"فوزیہ میں آج ہی لاہور جا رہی ہوں ——"

مسعود بولا

"ہاں بیٹے، لیکن شاید وہ آپ کو بھی نہ پہچانیں —— ممکن ہے آپ کو دیکھنے سے ان کی حالت اور خراب ہو جائے —— ویسے ڈاکٹروں نے اطمینان دلایا ہے۔ اگر ان کو کوئی اور صدمہ نہ پہنچا تو ——"

"لیکن ان کو صدمہ کیا پہنچا ہوگا، میں نے تو انھیں سب سے بڑی خوشخبری سنائی تھی۔"

"دماغ کو صدمہ دونوں طرح سے پہنچتا ہے۔ انتہائی خوشی سے بھی، انتہائی غمی سے بھی —— ان کی پہلے ہی دماغی حالت اچھی نہیں تھی۔ مجھے چونکہ ان سے خاص تعلق ہو گیا تھا اس لیے میں اپنا زیادہ تر وقت انہی کے پاس گزارا کرتا تھا۔ وہ بیٹھے بیٹھے ہنسنے لگتے تھے —— میں نے جب کبھی آپ کا ذکر کیا تو چپ ہو ہو گئے —— کئی مرتبہ انھوں نے یہ کہا کہ انھیں اس بات کا صدمہ ہے کہ وہ اتنے دن تک آپ کی راہ کی رکاوٹ کیوں بنے رہے —— کبھی کہتے تھے کہ انسان کا حساس ہونا بہت برا ہے —— میں نے ایک مرتبہ ماہتاب صاحبہ کا ذکر چھیڑا۔ اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ حمید صاحب طلاق دے چکے ہیں۔ ہر بار انھوں نے یہی جواب دیا کہ وہ کسی اچھی لڑکی کے لائق نہیں رہے ہیں۔ زہرہ کے نام سے تو وہ اتنا گھبراتے

تھے کہ ہمارے گھر کے سامنے والے گھر کا نام زہرہ منزل تھا۔ جہاں وہ آ کر بیٹھا کرتے تھے۔ وہاں کی کھڑکی سے وہ نام لکھا ہوا نظر آتا تھا۔ آتے ہی کھڑکی بند کر دیتے تھے۔ اور نظریں جھکا کر گھر میں آ جاتے تھے۔۔۔۔۔۔"

ماہتاب نے کہا

"میں ضرور جاؤں گی، انھیں میری ہی وجہ سے صدمہ پہنچا ہے، میری ہی وجہ سے یہ صدمہ دور ہوگا۔۔۔۔۔۔"

محزبہ نے کہا

"تمھارا جانا مناسب نہیں ہے ماہتاب۔۔۔۔۔۔"

یاسمین بولی

"میں چلی جاؤں آپا۔۔۔۔۔۔"

مسعود نے کہا

"لیکن آپ بھی بہت احتیاط سے پیش آئیے گا۔۔۔۔۔۔"

"میں ان کو یہاں لے آؤں گی، یہاں ان کا علاج ہو جائے گا۔"

"علاج تو وہاں سے بہتر نہ ہو سکے گا، ہاں، جب ڈاکٹر مطمئن ہو جائیں تو لے آیئے گا۔"

"تم ناصر بھائی کے یہاں ٹھہرنا۔۔۔۔۔۔ وہ تو لاہور کے ایسے شیدا نکلے کہ پھر کراچی آنے کا نام نہیں لیا۔۔۔۔۔۔"

مسعود نے کہا

"میں آپ کے بھائی جان سے واقف ہوں۔ لیکن تعلقات نہ بڑھا سکا۔ وہ بڑے مصروف رہتے ہیں۔۔۔۔۔۔"

ماہتاب چپ ہو رہی۔۔۔۔۔۔ یہ عجیب بات تھی کہ اس کی وجہ سے پرویز کو

یہ صدمہ پہنچا تھا اور اسی کو رو کا جا رہا تھا۔ لیکن کیا کرتی۔ پرویز کی بھلائی اسی میں تھی کہنے لگی

"اچھا، میں ان کے سامنے نہیں آؤں گی دور سے دیکھ لیا کروں گی، مجھے لے چلیے ———"

"ہاں، اس صورت میں آپ چل سکتی ہیں ———"

پرویز کا ایسا ذکر چھڑا تھا کہ فوزیہ مسعود سے کچھ اور باتیں بھی نہ کر سکی۔ یاسمین اور ماہتاب اسی رات کو مسعود کے ساتھ چلی گئیں۔

ناصر نے یاسمین کو بچپن ہی میں دیکھا تھا۔ پھر بھی وہ اسے پہچان گیا۔ ماہتاب اس کے لیے بالکل نئی شکل تھی۔ یاسمین نے جب اس کا تعارف کرایا اور پرویز کا ذکر کیا تو ناصر نے کہا

"میں کل ہی تو ان سے ملنے گیا تھا معلوم نہیں انھوں نے مجھے پہچانا یا نہیں۔ آنکھیں بند کیے پڑے رہے ———"

ماہتاب نے کہا

"وہ اچھے بھی ہو جائیں گے ———"

"شاید ——— علاج تو ہو رہا ہے ———"

ناصر نے فوراً ہی اپنے بنگلے کے دو کمرے ٹھیک ٹھاک کرائے اور ان دونوں کو ان میں ٹھہرایا۔ مسعود یہ کہہ کر اپنے گھر آ گیا کہ اب تو کل ہی

ہسپتال جانا ممکن ہے ——— وہ دونوں آرام کرلیں۔ شام کو وہ آنے کی کوشش کرے گا۔ وہ ماہتاب کے لاہور آجانے سے خوش بھی تھا اور گھبرایا ہوا بھی تھا۔ اسی لڑکی کی بدولت تو بھٹکتا ہوا زہرہ کے پاس پہنچ گیا تھا اور چونکہ لاہور میں بھی زہراؤں اور مشتریوں کی کمی نہ تھی۔ اس لیے اسے اکثر ماہتاب کی یاد آتی رہتی تھی۔ اس لڑکی سے وہ اچھی طرح واقف نہیں تھا۔ پرویز اور ماہتاب کی محبت کی داستانیں بھی اس کے کانوں تک نہیں پہنچی تھیں۔ وہ تو یہی سمجھنے سے قاصر تھا کہ فوزیہ نے پرویز سے شادی کیوں کی تھی، ماہتاب نے حمید کا ساتھ کیوں دیا اور اب وہ ایک پاگل شخص کے ساتھ زندگی برباد کرنے کے لیے اتنی بے قرار کیوں تھی ——— یہ کیسی محبت ہے۔ یاسمین کے بارے میں شروع ہی سے اس کے ذہن میں یہ خیال بیٹھ گیا تھا کہ یہ لڑکی بس فلسفہ بگھارنا جانتی ہے ——— اور اسے نہ جانے کیوں ایسی لڑکیوں سے ڈر لگتا تھا جو فلسفہ کی باتیں کرتی ہیں۔

شام کو جب وہ ناصر کے گھر گیا تو وہ دونوں دو تین گھنٹے آرام کے بعد نہا دھو کر بیٹھی تھیں۔ ناصر اسی وقت اسٹوڈیو سے آئے تھے۔ اور اپنی نئی فلم کی شوٹنگ کا حال بیان کر رہے تھے مسعود بھی اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ اور خود بھی باتوں میں شریک ہو گیا۔ اندھیرا ہونے پر ناصر ان تینوں کے ساتھ مال روڈ کی سیر کرنے نکلے۔ ان کے بے شمار دوست تھے۔ لاہور بھی بمبئی کی طرح فلمی دنیا کا اڈا بنتا جا رہا تھا۔ ناصر چونکہ اچھے کیمرہ مین تھے اس لیے ان کے سب ہی سے تعلقات تھے۔ ویسے بھی وہ بہت خوش اخلاق تھے۔ وہیں ایک ہوٹل میں چاروں نے کھانا کھایا۔ ناصر نے سینما چلنے کی دعوت دی، لیکن ماہتاب اور یاسمین سینما جانے کے موڈ میں نہیں تھیں۔ اس لیے ٹہلتے ہوئے گھر واپس

آئے۔ گھر کی موڑ پر مسعود رخصت ہو گیا۔ یہ دونوں آکر اپنے اپنے بستروں پر لیٹ رہیں۔ اکیلے نیند نہ آتی تھی اس لیے بارہ بجے کے قریب یاسمین اپنا بستر بھی ماہتاب کے کمرے میں لے گئی ــــــ اور جب تھوڑی دیر تک باتیں کر چکی تو اسے تو نیند آ گئی ــــــ ماہتاب اس کے سونے کے بہت دیر بعد تک جاگتی رہی۔

دوسرے دن یاسمین مسعود کے ساتھ ہسپتال گئی۔ ڈاکٹر نے پرویز سے ملنے کی بڑی مشکل سے اجازت دی۔ یاسمین دھڑکتے دل کے ساتھ اندر گئی۔ وہ تو پرویز کو پہچان بھی نہ سکی۔ ایک سال میں اس میں حیرت انگیز تبدیلیاں واقع ہو گئی تھیں۔ آنکھوں کے گرد بڑے بڑے حلقے پڑ گئے تھے۔ پرویز اس کو بھی نہ پہچان سکا۔ مریض کے پاس زیادہ دیر بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی اس لیے وہ دونوں باہر آ گئے۔ ڈاکٹر سے دوبارہ ملے۔ اس نے اطمینان دلایا۔ اور کہا کہ اگر تین مہینے تک وہ یہاں رہ گیا۔ تو اس قابل ہو سکے گا کہ سب کو پہچاننے لگے۔ یاسمین نے کہا

"تین مہینے کے بعد بھی کیا وہ بالکل اچھے نہ ہوں گے"

ان کا دل بہت کمزور ہے، ہم بجلی کے تیز شاک نہیں لگا سکتے ان کو پہلے ہی علاج کرانا چاہیے تھا"

"کیسا علاج ــــــ؟"

ڈاکٹر ان دونوں کی طرف دیکھنے لگا۔ کہنے لگا

"تو کیا آپ لوگوں کو معلوم نہیں ہے ــــــ"

"کیا ــــــ"

"ان کو ٹی۔ بی ہے ــــــ"

"ٹی، بی!"

"لیکن گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے ——— مرض ابھی ابتدائی منزل میں ہے۔ علاج ہو گیا تو ٹھیک ہو جائیں گے"

"کتنے دن سے ہے ———"

"میرا اندازہ ہے دو ایک سال سے ہو گی ———"

یاسمین مسعود کا منہ دیکھنے لگی ——— پھر باہر آ گئی ——— اسے ایسا صدمہ ہوا تھا کہ بہت دیر تک تو باہر کھڑی رہی۔ پھر کہنے لگی۔

"ماہتاب کو معلوم ہو گا تو وہ اور پریشان ہو جائے گی"

"تو انھیں نہ بتایئے گا"

"ہاں، ماہتاب کو معلوم نہ ہونا چاہیئے ———"

گھر آئی تو ماہتاب بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ یاسمین نے بتایا کہ پرویز نے اسے پہچانا تو نہیں لیکن ڈاکٹر کہتا ہے کہ پہلے سے ان کی حالت اچھی ہے ایک دو ہفتوں میں وہ پہچاننے لگیں گے۔ اس کے بعد ان کو ہسپتال سے گھر لایا جا سکتا ہے۔

"جب وہ پہچانتے نہیں تو میرے جانے میں کیا ہرج ہے ———"

"ممکن ہے کہ تم کو پہچان لیں ———"

"میں دروازہ ہی سے دیکھوں گی"

"ہاں، یہ ہو سکتا ہے۔ اب چلیں گے تو ساتھ چلنا ———"

"کل ———"

"اب تو تین دن کے بعد ہی جا سکتے ہیں ———"

اور یاسمین نے باتوں کا رخ بدل دیا ——— ماہتاب کی بے چینی دیکھی

نہ جاتی تھی۔ یہ اس کے ساتھ کتنا بڑا ظلم تھا کہ یاسمین تک پرویز کو دیکھ آئی تھی۔ اور وہ ایک جھلک تک سے محروم تھی۔

یاسمین نے اسی دن ماہتاب سے چھپا کر فوزیہ کو خط لکھا جس میں پرویز کی حالت بیان کی۔ اور یہ بھی لکھا کہ تین مہینے تک وہ کسی کو پہچان نہ سکیں گے۔ اس لیے کسی نہ کسی بہانے ماہتاب کو بلا لو تاکہ اسے پرویز کی ٹی۔ بی کے متعلق نہ معلوم ہو سکے۔ یہ خط لکھ کر جب وہ پوسٹ کر آئی تو اسے خود بھی رات بھر نیند نہ آئی۔ پرویز کی حالت پر اس کا دل بھر آتا تھا۔ بیچارے سے پہلے اس کی محبوبہ چھنی، پھر بیوی چھنی اور اب ہوش و حواس بھی چھن گئے تھے۔

تیسرے دن ماہتاب بھی یاسمین، ناصر اور مسعود کے ساتھ ہسپتال گئی۔ وہ تینوں کمرے کے اندر چلے گئے۔ اسے دروازے ہی پر کھڑی رہنے کی ہدایت دی گئی ——— پرویز چپ چاپ ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔ یہ تینوں اس سے باتیں کر رہے تھے اور وہ اپنے ہاتھوں کو بار بار دیکھے جا رہا تھا۔ پھر اپنے حلق پر ہاتھ رکھ لیتا تھا جیسے اس کی سانس گھٹی جا رہی تھی ——— اسے یاسمین کی طرح پرویز کو پہچاننے میں دشواری نہیں ہوئی۔ ان حلقوں میں دھنسی ہوئی آنکھوں میں پہلے سے انداز نظر آئے ——— صرف یہ آنکھیں اور حیران ہو گئی تھیں۔ چونکہ وہ ساتھ تھی اس لیے وہ تینوں پرویز کے کمرے سے نکل کر سیدھے باہر آ گئے۔ ڈاکٹر کے پاس نہیں گئے۔ حالانکہ وہ کہتی بھی رہی کہ ڈاکٹر سے آج کی رپورٹ تو لے لو۔ پوچھ تو لو کہ حالت میں کتنا فرق آیا۔ لیکن ان تینوں نے کوئی بہانہ کر دیا۔ اور وہاں سے اس کا دل بہلانے کے لیے سیدھے سینما پہنچے۔ ماہتاب مخالفت کرتی رہی لیکن ان تینوں کے آگے اس کی ایک نہ چلی۔

تین ہفتے تو ہسپتال کی ہیرا پھیری میں گذر گئے۔ ماہتاب سے تو کہا جاتا رہا کہ پرویز دن بدن اچھا ہو رہا ہے لیکن اور سب لوگ جانتے تھے کہ اگر ایک طرف سے اس کا دماغی توازن ٹھیک ہو رہا ہے تو دوسری طرف ایک غم اندر ہی اندر گھن کے کیڑے کی طرح اس کے پھیپھڑوں کو چاٹ رہا ہے۔ وہ اندر ہی اندر کھوکھلا ہوتا جا رہا ہے۔

عزیزہ ماہتاب کو بلانے کے دو خط بھیج چکی تھی لیکن ماہتاب نے کراچی واپس جانے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ کہتی تھی کہ وہ پرویز کو لے کر جائے گی
وہ گھنٹوں چپ چاپ پڑی رہتی۔ یاسمین جو ان تین ہفتوں میں بڑے انوکھے انداز میں ناصر کے قریب ہو گئی تھی۔ وہ اسے سمجھاتی، اس کا دل بہلانے کے سامان مہیا کرتی۔ ماہتاب اس کے کہنے سننے سے لارنس گارڈن، شالیمار اور ایسے ہی دوسرے مقامات پر جاتی لیکن اس کو کوئی خوشی نہ ہوتی ——
اس کے یہ غم ہی تھے جو مستو کو اس کے قریب لا رہے تھے اور چونکہ اُسے یقین ہو گیا تھا کہ ماہتاب اسے حاصل نہ ہو سکے گی اس لیے وہ چار چار چھ چھ دن کے لیے غائب ہو جاتا، زہرہ نے شراب کی لت ڈال دی تھی، یہ ایسی لت تو نہیں تھی جس پر وہ قابو نہ پا سکتا۔ لیکن وہ اس کے سرور میں اپنے کو ماہتاب کے قریب پاتا۔ اس سرور کی کیفیت ہی میں وہ اس سے اپنی محبت جتاتا۔ اس سے شادی کے وعدے لیتا۔ —— چھٹے ساتویں دن

جب ماہتاب کی یاد بہت ستاتی تو وہ ناصر کے گھر جاتا، اگر یاسمین اور ماہتاب کو کہیں جانا ہوتا تو ساتھ چلا جاتا۔ ورنہ ایک آدھ گھنٹہ بیٹھ کر اور ماہتاب کی تمنا کو اور زیادہ ہوا دے کر اور اپنے زخموں کو اور ہرا کر کے واپس چلا جاتا۔

ناصر بظاہر محبت کے قائل نہیں تھے۔ لاہور میں کتنی ہی زہرہ جبینوں کا ساتھ ہوا تھا، فلمی زندگی کے سستے رومانوں نے ناصر کو محبت کی ہنسی اڑانے کا اور زیادہ موقع دیا تھا۔ لیکن جب سے یاسمین آئی تھی۔ وہ اس کی فلسفیانہ باتوں میں ایک خاص کشش پاتے تھے۔ انھیں یہ لڑکی اور لڑکیوں سے مختلف نظر آتی تھی۔

ایک دن کہنے لگے

"اگر پرویز بیمار نہ پڑتے تو شاید تم لاہور بھی نہ آتیں"

"آپ نے بھی تو کراچی نہ آنے کی قسم کھا لی ہے۔ آپ فوزیہ کی شادی تک میں نہیں آئے ــــــ"

"اور تم کچھ دنوں میں چلی جاؤ گی"

"ظاہر ہے کہ میں اس بار مستقل رہنے کے ارادے سے نہیں آئی تھی ــــــ"

ناصر اپنے نزدیک اپنی محبت کا اظہار کر رہے تھے۔ ایک دن یاسمین اور ماہتاب کے ساتھ وہ شالیمار باغ گئے ــــــ اتفاق سے وہاں مسعود بھی موجود تھا۔ مسعود ماہتاب کو اس باغ کی عظمت رفتہ کے قصے سنانے لگا۔ اور ہر سال ہونے والے میلے کا ذکر کرنے لگا۔ ناصر نے آہستہ سے یاسمین کا ہاتھ پکڑ لیا ــــــ یاسمین نے ان کی آنکھوں میں دیکھا۔ اور مسکرا کر خاموش ہو رہی ــــــ ماہتاب مسعود سے باتیں کرتے ہوئے آگے بڑھ گئی تھی۔

یاسمین نے کہا

"کاش کہ ان دونوں کی شادی ہو جاتی ——"

"لیکن ماہتاب ——"

"میں پہلے یہ ضرور چاہتی تھی کہ ماہتاب پرویز بھائی کو حاصل کرے —— لیکن اب میں چاہتی ہوں کہ وہ مسعود کے ساتھ شادی کر کے از سر نو زندگی شروع کرے —— پرویز دو چار سال زندہ رہیں گے، ماہتاب اب تک خوشیوں سے محروم رہی ہے، کیا اس کی قسمت میں ساری عمر کے لیے آنسو ہی آنسو ہیں ——"

"مسعود صاحب بھی اسے بہت چاہتے ہیں ——"

"انھوں نے تو ماہتاب کی خاطر اپنی زندگی برباد کر لینے کی ٹھان لی ہے وہ شراب بھی پینے لگے ہیں۔ اگر ماہتاب کو ہمیشہ کے لیے کھو بیٹھے تو ان کی رہی سہی خودداری بھی ختم ہو جائے گی ——"

ناصر نے اس کے ہاتھ کو آہستہ سے دبایا۔ جس پر وہ شرما گئی۔ کہنے لگی۔

"میں لاہور ہفتے دو ہفتے کے لیے آئی تھی لیکن اب ایک مہینے سے زیادہ ہو گیا ہے ——"

"کراچی کیوں جانا چاہتی ہو؟ وہاں تمہارا کسے انتظار ہے ——"

"وہاں میری اماں ہیں، بھائی جان ہیں، بھابی ہیں ——"

"اور تو کوئی نہیں ہے ——"

یاسمین کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی —— کہنے لگی

"یوں تو سہیلیوں اور دوستوں کی ایک فوج ہے ——"

ناصر اپنی صاف گوئی کی عادت کے باوجود اپنے دل کی بات نہ کہہ سکے۔ شاید یہی محبت تھی۔ ہنس کر کہنے لگے۔

"مجھے تو ان سب لوگوں کی قسمت پر رشک آتا ہے۔ جن کے متعلق تم سوچتی ہو، جن کو یاد کرتی ہو"

یاسمین کی ہتھیلیاں جلنے لگیں مسکرا کر خاموش رہی۔

ناصر میں ایک ہی وقت میں اس سے آگے بڑھنے کی طاقت نہیں تھی۔۔۔ وہ گھبراہٹ میں سگرٹ سلگانے لگے ۔۔۔ اور ماہتاب اور مسعود کے پاس چلے گئے۔

یاسمین نے اسی دن فوزیہ کو ایک خط لکھا۔

"آپا ۔۔۔ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ شادی سے ایک ہفتہ قبل تم کو بتاؤں گی کہ میں کس سے شادی کر رہی ہوں میں نے ابھی ان سے بھی اقرار نہیں کیا ہے۔ صرف تم کو بتا رہی ہوں۔ اگر تم میری بھابی ہو تو میں تم سے کیوں پیچھے رہوں، میں بھی تمھاری بھابی کیوں نہ بن جاؤں

میں نہیں جانتی کہ شادی کیسے طے کرتے ہیں۔ تم بھائی جان کے مشورہ سے بقیہ منزلیں طے کر لو۔ میں ہفتے دو ہفتے تک ان کو اور نہیں بتاؤں گی ہاں اگر وہ ضبط نہ کر سکے اور خود ہی کہہ بیٹھے تو مشرقی لڑکی ہونے کے باوجود میں اقرار کر لوں گی۔

پرویز صاحب کی حالت میں کوئی قابل ذکر تبدیلی نہیں آئی ہے ۔۔۔ مسعود ماہتاب کے قریب آتے جا رہے ہیں ماہتاب کو خبر نہیں ہے۔ سچ پوچھو تو اسے کسی بات کی خبر نہیں

ہے۔ وہ یہ تک نہیں جانتی کہ جس چراغ کو وہ جلائے رکھنے کی کوشش کر رہی ہے وہ آندھیوں کی زد میں آچکا ہے۔

اگر تم کو بھائی جان کی کاروباری زندگی سے کچھ فرصت ملے تو ہفتے دو ہفتے کے لیے آجاؤ ——— یہاں کا خوش گوار موسم تمھارا منتظر ہے۔ بادل گھر گھر کر آنے لگے ہیں۔ کراچی والے تو ان امنڈی ہوئی گھٹاؤں سے محروم ہیں۔ وہاں تو بس ہوا ہے۔ ایک ہی سمت سے چلنے اور چلے جانے والی ہوا ——— مجھے تو لاہور کے لوگ بھا گئے ہیں۔ ان سے محبت ہو گئی ہے۔ ان کے ساتھ رہنے بسنے کا ارادہ کر چکی ہوں ———

تمھاری یاسمین"

جب وہ خط سپرد ڈاک کر چکی تب اسے شرم آنے لگی ——— فوزیہ ناصر کی سگی بہن تھی۔ ایک طرح اس نے اپنی شادی کا خود پیغام دیا تھا۔

وہ ماہتاب کو اپنے دل کی بات بتا کر اس کے غموں کو ہلکا کرنا چاہتی تھی چنانچہ جب رات کو سونے کے لیے لیٹی تو کہنے لگی ———

"میں تمھاری بہت ممنون ہوں ماہتاب، تمھاری وجہ سے میں لاہور آئی اور اپنی زندگی کی سب سے بڑی الجھن کو دور کرنے میں کامیاب ہو گئی ———"

ماہتاب اس کا اشارہ سمجھی نہیں۔ کہنے لگی

"تمھیں کون سی الجھن تھی ———"

"وہی الجھن جو ہر لڑکی کو رہا کرتی ہے جب تک وہ مناسب مرد سے شادی نہیں کر لیتی ———"

ماہتاب نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"تو کس کو منتخب کیا تم نے ——"

"ناصر ——"

اور ماہتاب واقعی حیران رہ گئی —— وہ ان دونوں کو اکثر باتیں کرتے دیکھتی ضرور تھی لیکن ناصر کے رہن سہن کے طریقوں سے معلوم ہوتا تھا کہ جس طرح انھوں نے اب تک شادی نہیں کی ہے، وہ آئندہ بھی نہیں کریں گے۔ اس کا خیال بار بار مسعود کی طرف جاتا تھا۔ جو دوڑ دوڑ کر یہاں آتا تھا، ظاہر ہے ایک یاسمین ہی تھی جس کی کشش اسے کھینچ لاتی تھی۔ کہنے لگی۔

"میں مبارکباد دیتی ہوں، مجھے تمھارے فیصلہ سے اتفاق بھی ہے لیکن ——"

"لیکن کیا ——"

"میرا خیال تھا کہ تم مسعود صاحب سے شادی کروگی"

یاسمین ایک قہقہہ مار کر ہنسی۔

ماہتاب نے کہا

"میں سچ کہتی ہوں —— میں ہی سمجھتی تھی کیونکہ ناصر بھائی مجھے ان مردوں میں نظر نہیں آتے، جو شادی کے قائل ہوں۔ ممکن ہے میرا خیال غلط ہو اور میں نے انھیں قریب سے دیکھا نہ ہو —— اس کے برخلاف مسعود ——"

یاسمین بولی

"بعض اوقات وہ مرد ہی اچھے شوہر ثابت ہوتے ہیں جو شادی کے قائل نظر نہیں آتے —— مسعود صاحب کو میں بہ حیثیت دوست کے

پسند کرتی ہوں اور یہ بھی یقین کرتی ہوں کہ وہ ایک اچھے شوہر ثابت ہوں گے
—— لیکن میرا تجربہ بتاتا ہے کہ لڑکی کو اس مرد سے شادی کرنا چاہیئے جس
نے کسی اور سے محبت نہ کی ہو —— مسعود صاحب عملی اور نظریاتی دونوں
طریقوں سے میرے آئیڈیل سے مختلف ہیں۔ انھوں نے کسی اور سے
محبت کی ہے۔ کرتے ہیں۔ کرتے رہیں گے۔ وہ اسی سے شادی کر کے خوش
رہ سکتے ہیں ——"

"کیا تم اسے جانتی ہو؟"

"میں ہی کیا، تم بھی جانتی ہو —— تم مجھ سے بہتر طریقہ سے جانتی ہو، بلکہ
میں تو یہاں تک کہنے پر تیار ہوں کہ مسعود صاحب سے زیادہ تم اس لڑکی
کے قریب ہو ——"

ماہتاب چکرا گئی۔ اس کا ذہن اپنی طرف نہیں گیا اور نہ جا سکتا تھا۔ فوزیہ کا بھی
سوال نہیں تھا۔ کہنے لگی

"میں اب تک تمھارا اشارہ نہیں سمجھی ——"

"جب وہ وقت آئے گا، جب وہ لڑکی اپنی الجھنوں سے نکل لے گی، تب
میں بتاؤں گی —— بس کیا وہ خود ہی بتا دے گی ——"

اور یاسمین ہنسنے لگی —— ماہتاب نے بھی زور نہیں دیا۔ اس نے
یاسمین کو گلے ضرور لگا لیا۔ اور اسے اس کے انتخاب پر مبارکباد دی۔ اور
اس کی کامیابی کی دعائیں دینے لگی۔ یاسمین نے ہنس کر کہا۔

"اور لطف یہ ہے کہ ناصر صاحب کو علم نہیں ہے —— وہ بھی مجھ
سے شادی کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ اپنی بات کہنے سے قاصر ہیں —— میں
بھی اس وقت تک نہیں بتاؤں گی جب تک ان کی خواہش الفاظ میں ڈھلتا نہ

سیکھ لے گی ــــــــ مرد کو اتنا شرمیلا نہیں ہونا چاہیئے۔ دل کی بات زبان پر آنا چاہیئے۔ نہ معلوم کتنے افراد کی زندگی محض اس صلاحیت یا ہمت کی کمی کی وجہ سے برباد ہو چکی ہے اور ہوتی رہتی ہے ــــــــ اس سلسلے میں مسعود صاحب اچھے ہیں۔ ان کو جس لڑکی سے محبت تھی اور ہے ــــــــ وہ اس سے اگر خود نہیں، تو کسی اور سے کہلوا چکے ہیں ــــــــ"

یہ صاف صاف اشارہ ماہتاب کی طرف تھا۔ لیکن ماہتاب پرویز کے خیال میں اتنی کھوئی ہوئی تھی کہ وہ بالکل نہ سمجھ سکی۔ کہنے لگی

"مجھے مسعود صاحب سے ہمدردی ضرور ہے ــــــــ میں چاہتی ہوں کہ ان کی شادی کسی اچھی لڑکی سے ہو جائے ــــــــ"

یاسمین دل ہی دل میں ہنسنے لگی ــــــــ ناصر کے آجانے سے باتوں کا یہ سلسلہ ٹوٹ گیا۔

دوسرے دن ہسپتال جانا تھا ــــــــ پرویز کی حالت جو اچھی ہو رہی تھی ماہتاب کو وہاں جانے سے روکا جا رہا تھا ــــــــ چنانچہ اس دن بھی مسعود اور یاسمین ماہتاب کو گھر پر چھوڑ کر پرویز کو دیکھنے گئے۔ پرویز اب تک پہچانتا نہ تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ پہلے تو چپ چاپ بیٹھا رہتا تھا۔ اب سوال کرنے پر لفظ دو لفظ کا بے ربط جواب بھی دے دیتا تھا۔

مسعود نے پوچھا

"مجھے پہچانتے ہیں"

"نہیں۔"

"اور یاسمین کو؟"

"یاسمین، نہیں ــــــــ"

"آپ کا نام کیا ہے"

"نہیں ــــــــ"

"آپ جلدی سے اچھے ہو جائیں گے ــــــــ"

"ہاں"

"پھر آپ کو ایک خوشخبری سنائیں گے ــــــــ"

"ہاں"

یاسمین نے کوئی بات نہیں کی، ان اداس آنکھوں میں کتنی بے کسی تھی۔ ان باتوں میں ربط کی کتنی کمی تھی ــــــــ کبھی اسے اس شخص کی خاموشی، اس کی سنجیدگی بہت پسند تھی۔ اتنی پسند تھی کہ وہ اپنی پسند کو محبت کہنے لگی تھی۔ اور اب اس کا دم الٹا جارہا تھا۔ وہ باہر آگئی ــــــــ مسعود اداس ہو گیا۔ کہنے لگا

"میں جب یہ سوچتا ہوں کہ پرویز ایک لڑکی کے قسمت بنے ہوئے ہیں تو ان کی حالت پہ مجھے اور ترس آتا ہے ــــــــ"

"کیا آپ چاہتے ہیں کہ ماہتاب پرویز سے شادی کرلے ــــــــ"

"وہ خود چاہتی ہیں۔"

"آپ کیا چاہتے ہیں ــــــــ؟"

مسعود نے ایک گہری سانس لی۔ اور پھیکی سی ہنسی کے ساتھ کہنے لگا

"آپ نے جون آف آرک کا نام تو سنا ہوگا"

"سنا تو ہے۔ جسے فرانس کی محبت کے جرم میں جلا دیا گیا تھا۔"

"مجھے جون آف آرک سے عشق ہے، وہ نہیں جو فرانس کی خاطر جلا دی

گئی تھی، بلکہ جو ایک گرتی ہوئی دیوار کے سائے میں بیٹھی ہے۔ یہ دیوار کسی وقت بھی گر سکتی ہے۔ ——— لیکن اسے اٹھائے کون، وہ سمجھتی ہے کہ اس دیوار میں دب کر محبت کا نام روشن کر دے گی۔ یہ نہیں سمجھتی کہ محبت مرنے میں نہیں، زندہ رہنے، دوسروں کی زندگی میں شمعیں جلانے اور زندگی کے تسلسل کو برقرار رکھنے کا نام ہے ———"

"آپ نے کبھی اسے سمجھانے کی کوشش کی ———"

"نہیں ———"

"آپ کے منہ میں تو زبان ہے ———"

"لیکن اس کے پاس سننے کے لیے کان نہیں، سمجھنے کے لیے عقل نہیں۔ زندہ رہنے کا جذبہ نہیں ———"

"تو آپ پسپائی اختیار کر چکے ہیں ———"

"نہیں ———"

"تو آپ کوشش کیے جایئے۔ میں آپ کی مدد کروں گی، فوزیہ بھابھی آپ کی مدد کریں گی ———"

"کیا وہ آ رہی ہیں؟"

"ہاں، میں نے ان کو بلایا ہے ——— اس سلسلہ میں ایک خوش خبری سنا دوں ——— میں ناصر صاحب سے شادی کر رہی ہوں"

"کیا واقعی ——— میں مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ لیکن ناصر بھی عجیب آدمی ہیں۔ آج ان کے پاس آدھا گھنٹہ گذرا۔ لیکن انھوں نے ذکر نہیں کیا"

یاسمین نے ہنس کر کہا

"ان کو خود معلوم نہیں ہے ———"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے ——"

"یہ حقیقت ہے۔ جب تک وہ اپنی خواہش کو زبان نہ دیں گے، میں ان سے اقرار نہیں کروں گی۔ سب سے کہتی پھروں گی۔ ایک وہی ایسے ہوں گے جن کو علم نہ ہو گا ——"

"واقعی آپ بڑی بامذاق ہیں۔ میں تو صرف فلسفی سمجھتا تھا —— آپ نے اچھا کیا بتا دیا۔ اب ذرا لطف رہے گا۔ آپ کو ان سے شادی کرنا بھی چاہیئے تھی۔ یوسف بے کارواں بنے گھومتے رہتے تھے —— تو فوزیہ کب تک آ رہی ہیں ——"

"کل پرسوں ان کا خط آئے گا یا وہ خود آ جائیں گی۔"

"تو میں اپنی آس نہ توڑوں ——"

"نہیں ——"

مسعود نے راستہ ہی میں بڑی پُر تکلف چائے پلائی اور ماہتاب کے سامنے دو چار منٹ بیٹھ کر اور پرویز کی جھوٹی سچی باتیں بیان کر کے چلا گیا۔

اگلے ہفتے فوزیہ کے بجائے اس کا خط پہنچا۔

مجھے تمہارے فیصلے سے پورا پورا اتفاق ہے۔ یہاں سارے معاملات طے کر لیے گئے ہیں۔ میں نے زور دیا ہے

کہ شادی لاہور ہی میں ہو اس لیے دو ہفتے کے بعد ہم سب لوگ آئیں گے۔ یہ عرصہ بھائی جان کو اور زیادہ ستانے کے لیے کافی ہے ———

پرویز کی حالت پڑھ کر مجھے جو افسوس ہوا ہے۔ اس کا تم اندازہ لگا سکتی ہو۔ وہ بڑے ضدی ہیں۔ جو چاہتے تھے۔ وہی ہو رہا ہے۔ وہ اپنے احساس کے شعلوں سے بچنا چاہتے تھے۔ پاگل ہو کر بچ گئے ہیں۔ اور نہ معلوم کیا چاہتے تھے۔ جب میں آگے سوچنا چاہتی ہوں تو میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے۔ انھوں نے ماہتاب کو کھو دیا تھا۔ میں سوچتی ہوں کہ اگر مسعود نے بھی ماہتاب کو کھو دیا تو ان کی بھی ایک دن یہی حالت ہو گی ——— فی الحال میں ان دونوں کے متعلق زیادہ نہیں سوچ سکتی۔

تمھاری فوزیہ"

یاسمین نے یہ خط پڑھ کر کھلا ہوا چھوڑ دیا تاکہ ماہتاب کی نظر بھی پڑ جائے اور اس کے دل میں مسعود کا خیال پیدا ہو سکے۔ ماہتاب مسعود کے ساتھ ہسپتال گئی ہوئی تھی۔ اور اس دن یہ سوچ کر کہ پرویز جب کسی کو نہیں پہچانتے تو اسے بھی نہیں پہچانیں گے۔ ان کے کمرے میں چلی گئی تھی۔ پرویز نے اس کی طرف دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ ماہتاب کے دل کی دھڑکنوں میں اضافہ ہو گیا۔ کہنے لگی

"مجھے آپ نے پہچانا"

"تم کون ہو؟"

"میں ماہتاب ہوں، اپنی ماہتاب کو بھول گئے گیا ——"

"تم کون ہو؟"

"میں ماہتاب ہوں، ماہتاب ہوں جس سے آپ کو محبت تھی —— میں آزاد ہو گئی ہوں، میں آزاد ہو گئی ہوں ——"

"تم کون ہو؟"

"آپ کون ہیں؟"

"میں —— میں —— میں کون ہوں —— مجھے نہیں معلوم، میں کون ہوں، تم کون ہو ——"

ماہتاب کی آواز بھرا گئی —— آنکھوں میں آنسو آ گئے —— پرویز اس کی طرف سے منہ پھیر کر دیوار کی طرف دیکھنے لگا تھا اور چپکے چپکے کچھ کہہ رہا تھا اور ہنس رہا تھا۔ مسعود نے بڑی محبت سے ماہتاب کا ہاتھ پکڑ لیا اور باہر لایا —— وہ اسے بہت دیر تک لارنس گارڈن میں ایک اونچے سے ٹیلے پر بٹھائے رہا اور خود کچھ دور پر بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔ ماہتاب نے کچھ دیر کے بعد کہا۔

"وہ مجھے بھی نہیں پہچانتے ——"

"وہ اپنے کو بھی بھول چکے ہیں ——"

"اب کیا ہو گا"

"وہ اسی طرح خوش ہیں —— کبھی کبھی تو میں بھی سوچتا ہوں کہ مجھ سے میرا ادراک چھن جائے —— میں نے شراب بھی پی کر دیکھی ہے۔ لیکن اس میں اتنا نشہ نہیں ہوتا جتنا ادراک کے چھن جانے میں نشہ ہوتا ہے شراب دنیا کو بھلا دیتی ہے۔ ادراک کی کمی خود سے ناآشنا کر دیتی ہے۔"

"وہ تو اس لیے پاگل ہوئے کہ ــــــــ"

اور ماہتاب آگے کہتے کہتے رک گئی۔

مسعود نے کہا

"جھجکتی کیوں ہو۔ وہ اس لیے پاگل ہوئے کہ تم کو نہ پا سکے ــــــــ"

"شاید ــــــــ"

"میں بھی اسی وجہ سے پاگل ہو جاؤں گا ــــــــ"

"مسعود صاحب ــــــــ"

"دیکھو ماہتاب ــــــــ میری محبت کو ٹھکرانا تمہارے اختیار میں ہے اور مجھے تم سے کوئی گلہ بھی نہیں ہے۔ لیکن اگر تم یہ چاہو کہ میں بھی تم سے محبت نہ کروں تو یہ تمہارے اختیار میں نہیں ہے۔ خدا کرے پرویز اچھے ہو جائیں۔ خدا کرے تم ان سے شادی کر کے ہنسی خوشی زندگی گذار سکو لیکن تمہیں فراموش نہ کر سکوں گا ــــــــ"

ماہتاب نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے اور گردن ہلا کر کہنے لگی

"خدا کے لیے ایسا نہ کہیے ــــــــ"

"زبان سے نہیں کہوں گا لیکن میرے دل کی زبان پر تو میرا بھی اختیار نہیں ہے ــــــــ"

ماہتاب چلنے کے لیے اٹھ بیٹھی۔ راستہ بھر روٹھی رہی مسعود بھی خاموش بیٹھا رہا۔ اور بنگلہ کے باہر ہی سے واپس چلا گیا۔

ماہتاب اندر گئی تو ناصر کو اس نے کمرے میں ٹہلتے ہوئے دیکھا۔ یاسمین بڑے آرام سے کرسی پر بیٹھی تھی ــــــــ ماہتاب کے کانوں میں پرویز اور مسعود دونوں کی ملی جلی آوازیں گونج رہی تھیں۔ ایک نے اسے پہچاننے سے

انکار کر دیا تھا۔ دوسرے نے اسی کی خاطر اپنے احساس کو مردہ کر لینے کا عہد کیا تھا ـــــــ ناصر کو پریشان دیکھ کر ماہتاب کا سر اور چکرا گیا۔ کہنے لگی۔

"کیا بات ہے ناصر بھائی ـــــــ"

یاسمین نے کہا

"میں تمہیں ایک دلچسپ بات بتاؤں ماہتاب"

ناصر خالی کرسی پر بیٹھ گئے۔ کہنے لگے

"اچھا، میں ماہتاب کو فیصلہ کا پورا پورا اختیار دیتا ہوں ـــــــ"

یاسمین:۔ "مجھے بیان کرنے دیجئے"

ناصر:۔ "میں بیان کروں گا"

یاسمین:۔ "نہیں میں ـــــــ"

ماہتاب نے گھبرا کر کہا

"ارے بیان بھی کیجئے ـــــــ"

ناصر:۔ "بات یہ ہے ماہتاب، میں امی کو ایک ضروری خط لکھ رہا تھا جس میں یاسمین کا ذکر تھا۔ میں کسی کام سے اٹھا، یاسمین نے وہ خط پڑھ لیا اور پھاڑ کر پھینک دیا ـــــــ میں نے جب وجہ پوچھی تو کہنے لگیں کہ وہ کراچی جا رہی ہیں"

ماہتاب اپنی الجھنوں کے باوجود مسکرا دی۔ کہنے لگی

جب تک آپ یہ نہ بتائیں گے کہ آپ اپنی امی کو یاسمین کے بارے میں کیا لکھ رہے تھے۔ میں معاملے کی نوعیت کا کیا اندازہ لگا سکتی ہوں ـــــــ"

یاسمین نے منہ بنا کر کہا۔

"لکھا تھا ـــــــ امی، آپ میری شادی یاسمین سے کیوں نہیں کر دیتیں ـــــــ"

ناصر اپنے تن و توش کے باوجود شرما گئے۔ کہنے لگے

"میں نے لکھا تو یہی تھا"

ماہتاب :۔"آپ نے غلطی کی تھی ———"

ناصر حیران رہ گئے۔ کہنے لگے

"میں نے غلطی کی تھی! کیا یاسمین کی شادی نہیں ہو گی، جب ہو گی تو اس کی شادی مجھ سے بھی تو ہو سکتی ہے۔"

ماہتاب نے یاسمین کی طرف دیکھا۔ جس کی آنکھوں میں شرارت تھی۔ پھر وہ ناصر کی طرف دیکھنے لگی جن کی آنکھوں میں پریشانی تھی۔ اسے ہنسی آگئی۔ کہنے لگی۔

"آپ کی شادی تو یاسمین ہی سے ہو گی لیکن آپ نے غلطی کی ہے"

ناصر اس کے اس جملے پر خوش بھی ہوئے اور پریشان بھی ہوئے

"جب میری شادی یاسمین سے ہو گی ———"

یاسمین نے کہا

"ہو گی لیکن یوں نہیں ہو گی"

اور ماہتاب ان دونوں کو چھوڑ کر دوسرے کمرے میں آگئی ——— اس میں ان دو معصوم محبتوں کی چھیڑ چھاڑ کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں تھی تھوڑی دیر میں دوسرے کمرے سے یاسمین اور ناصر کے ہنسنے کی آوازیں آنے لگیں۔ اور پھر مکمل خاموشی ہو گئی ——— وہ دونوں کہیں چلے گئے تھے۔

وہ اتنی تکان محسوس کر رہی تھی کہ اپنے بستر پر لیٹ رہی۔ سرہانے میز پر فوزیہ کا کھلا ہوا خط رکھا تھا۔ وہ سمجھی فوزیہ نے اسے خط بھیجا ہے لیکن پہلے جملے ہی سے اسے معلوم ہو گیا کہ خط یاسمین کو لکھا گیا تھا ——— وہ بغیر پڑھے

ہونے رکھنے والی تھی کہ نظریں پرویز کے نام پر پڑیں۔ اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئی——
وہ پرویز اور مسعود کے بارے میں فوزیہ کے جملے بار بار پڑھ رہی تھی۔ اور
اس کا سر چکرایا جا رہا تھا—— کیا پرویز کے بارے میں اس سے
کچھ چھپایا جا رہا تھا۔ مسعود نے بھی اسی خیال کا اظہار کیا تھا جو فوزیہ نے
لکھا تھا——

وہ اٹھ کر ٹہلنے لگی اور اس وقت تک ٹہلتی رہی جب تک یاسمین باہر
سے واپس نہیں آگئی—— یاسمین فوراً ہی سمجھ گئی کہ ماہتاب فوزیہ کا خط
پڑھ چکی ہے۔ چپ چاپ کرسی پر بیٹھ گئی—— ماہتاب نے اس کی
طرف دیکھا۔ دو چار منٹ تک پھر بھی ٹہلتی رہی۔ پھر کہنے لگی

"تم سب لوگ مجھ سے کیا چھپا رہے ہو۔ پرویز کے متعلق ڈاکٹر کیا کہتے
ہیں۔ وہ کیا خدشات ہیں جن کے متعلق سوچ کر فوزیہ کی آنکھوں کے سامنے
اندھیرا آجاتا ہے——"

"پرویز اچھے نہیں ہوں گے"

"یہ کیا کہہ رہی ہو۔ یہ غلط ہے۔ وہ اچھے ہو رہے ہیں۔ اور اچھے ہو
جائیں گے"

"ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ کچھ دن کے بعد ان کی قوت یادداشت واپس آجائے گی
لیکن پھر ذرا سی خوشی، ذرا سا غم اس یادداشت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دے گی۔
اس کے علاوہ——"

"کیا اس کے علاوہ بھی کچھ ہے؟—— کیونکہ مجھے اس کی پرواہ نہیں
ہے۔ اگر وہ عمر بھر کے لیے پاگل ہو گئے تو میں عمر بھر ان کی خدمت کرتی
رہوں گی——"

"اس کے علاوہ بھی ان کو ایک مہلک مرض ہے ـــــ انہیں دق ہے۔
اسی وجہ سے ان کا صحیح طور پر علاج نہیں ہو پا رہا ہے ـــــ"

"یہ کیا کہہ رہی ہو؟"

"جو ڈاکٹر کہتے ہیں اور جو میں اپنی آنکھوں سے دیکھتی ہوں ـــــ"

"تب تو ان کو میری اور بھی ضرورت ہے ـــــ"

یاسمین حیران رہ گئی۔ وہ محبت کو نظریاتی طور پر ہی سمجھتی تھی۔ لیکن ایسی مثالیں اس کی نظروں سے نہیں گذری تھیں جو ان نظریات کو اپنے عمل کی کسوٹی پر کس کر کندن بنا دیتی ہیں ـــــ کہنے لگی

"کیا تم ان کو بچا لو گی؟"

"وہ جتنے دن زندہ رہیں گے، میں ان کو خوش رکھوں گی ـــــ اس کے بعد خود بھی انہی کے ساتھ مر جاؤں گی"

"لیکن مسعود ـــــ"

ماہتاب پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ کہنے لگی

"میں تو مسعود کو سمجھا چکی ہوں، تم بھی سمجھاؤ۔ وہ ایک زندہ لاش کو کب تک گلے لگائے رہیں گے"

"اچھا ہے، وہ بھی پاگل ہو جائیں گے۔"

"یاسمین!"

"میں نے کوئی غیر معمولی بات نہیں کہی ماہتاب ـــــ جو کچھ کل، پرسوں، سال دو سال میں ہونے والا ہے۔ وہ میں آج کہہ رہی ہوں۔"

ماہتاب اپنے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر رونے لگی۔ یاسمین نے کچھ اور نہیں کہا، اس کے آنسو بھی نہیں پونچھے۔ اسے خوب جی بھر کر رو

لینے دیا۔ پھر کھانے کی میز پر لے گئی۔ ماہتاب نے کچھ کھایا بھی نہیں۔ یاسمین نے کھانے پر بھی زور نہیں دیا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ کس اذیت سے گزر رہی ہے۔

رات کو یاسمین جب تک سوئی نہیں تھی، ماہتاب کھڑکی کی سلاخوں کو تھامے ہوئے باہر دیکھ رہی تھی ——— پھر وہ بھی آکر لیٹ رہی اور سوتے جاگتے رات گذار دی۔

دوسرے دن وہ مسعود سے نہیں ملی۔ اس کے ساتھ ہسپتال بھی نہیں گئی۔ پھر چپکے سے اکیلے ہی ہسپتال چلی گئی۔ وہاں دو گھنٹے سے زیادہ ٹھہرنے کی اجازت نہیں تھی ——— دو گھنٹے گذرے تو اسے مجبوراً باہر آنا پڑا ——— مسعود منتظر تھا۔ اسے وہ دن یاد آگئے جب پرویز ہسپتال کے باہر اس کا انتظار کیا کرتا تھا ——— اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ مسعود اسے گھر پہنچا گیا۔ راستہ میں کوئی بات نہیں ہوئی۔

اور یہی دو ہفتے تک ہوتا رہا۔ نہ مسعود نے اپنی محبت کا الفاظ میں اظہار کیا اور نہ ماہتاب ہی نے اس سے کچھ کہا۔

دو ہفتے کے بعد کراچی سے فوزیہ، اسلم، اس کی ماں، فوزیہ کی امی اور پاپا آگئے ——— اس وقت ماہتاب ہسپتال گئی ہوئی تھی۔ یاسمین نے ایک ایک بات بتادی۔ اب جبکہ اس کے والدین اس کی شادی کرنے کے لیے آگئے تھے۔ تو وہ شرما رہی تھی۔ ناصر کے سامنے نہیں جاتی تھی جو اب اسے چھیڑنے لگے تھے۔ فوزیہ نے ساری باتیں سنیں۔ اسی وقت ہسپتال جانا چاہا لیکن یاسمین کی باتوں ہی میں اتنی دیر ہوگئی تھی کہ وہاں جانے کا وقت نہیں تھا۔ سات بجے ماہتاب واپس آئی۔ اسے اتنا بھی ہوش نہیں تھا کہ یہی یاد رہتا کہ آج فوزیہ آنے والی ہے۔ اسے دیکھ کر کہنے لگی۔

"تم کب آئیں ——"

پھر کھسیانی ہنسی کے ساتھ کہنے لگی "معاف کرنا۔ میں یہ بھول گئی تھی کہ آج تم آنے والی ہو ——"

"پرویز کیسے ہیں ——"

"آج تو ان کی حالت کچھ اچھی تھی —— انھیں ہم سب کے نام یاد آرہے ہیں۔ کہنے لگے تم فوزیہ ہو یا ماہتاب یا یاسمین۔ میں یہ کہہ کر آگئی ہوں کہ میں خود نہیں بتاؤں گی کہ میں کون ہوں —— یہ انھی کو بتانا پڑے گا ——"

"اور کچھ باتیں کرتے تھے۔"

"ڈاکٹر نے اور باتیں کرنے سے منع کر دیا تھا۔ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ ان کو اپنے دماغ پہ زیادہ زور نہیں دینا چاہیئے ——"

"چلو یہ بھی اچھا ہوا —— وہ دو ایک ہفتے میں اچھے ہو جائیں گے۔"

"ہاں، پھر میں ان کو دادر سینی ٹوریم میں لے جاؤں گی، ان کا ابھی سے علاج ہو گیا تو وہ ٹی، بی سے بھی چھٹکارا پالیں گے۔"

"خدا کرے یہی ہو ——"

فوزیہ نے جان بوجھ کر مسعود کے بارے میں نہیں پوچھا ——

دوسرے دن وہ ماہتاب کے ساتھ ہسپتال گئی۔ پرویز کی حالت ایک دم سے خراب ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر نے ان دونوں کو ملنے کی اجازت نہیں دی۔ ماہتاب سے کہا کہ شاید اس نے ان سے کوئی ایسا سوال کیا تھا جس پر وہ بہت زیادہ سوچنے لگے تھے۔ اس لیے ان کی حالت خراب ہو گئی ہے —— ماہتاب اور گھبرا گئی۔ فوزیہ نے تسلی دی اور واپس آ گئی ——

تین چار دن تک یاسمین کی شادی کا ہنگامہ رہا۔ لیکن اس ہنگامے میں بھی مسعود ماہتاب کو روز ہسپتال لے جاتا تھا۔ اور جب پرویز سے ملنے کی اجازت نہ ملتی تھی تو واپس لے آتا تھا۔ فوزیہ اس سے صرف اتنا پوچھتی کہ کیا پرویز سے ملاقات ہوئی۔ اور ماہتاب کا جواب سن کر خاموش ہو جاتی تھی

شادی کے دوسرے دن فوزیہ کے والدین یاسمین کی والدہ اور اسلم تو کراچی واپس چلے گئے۔ فوزیہ کچھ دن کے لیے ٹھہر گئی۔ اور پہلی مرتبہ سنجیدگی سے ان تینوں کے متعلق سوچنے لگی۔ مسعود سے اب تک باتیں کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ وہ ماہتاب سے بہانہ کر کے مسعود کے گھر گئی۔ جسے اس نے اپنے آنے کی اطلاع کرادی تھی۔ مسعود منتظر تھا۔ چائے کے بعد فوزیہ نے کہا

"میں ماہتاب کے بارے میں باتیں کرنے آئی ہوں ——"

"میں نے ان کا نام جون آف آرک رکھا ہے ——"

فوزیہ ہنسی نہیں۔ کہنے لگی

"یاسمین نے آپ دونوں کے بارے میں جب سے لکھا ہے۔ میں برابر سوچتی رہی ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا ہو گا"

"ماہتاب کو پرویز سے شادی کرنے دیجئے ——"

"پرویز سے جو دلی تعلق ہے۔ اس کی تو یہی خواہش ہے لیکن جب ماہتاب

کے بارے میں سوچتی ہوں تو دل نہیں چاہتا ——— آج میں نے ڈاکٹر سے فون پر بہت دیر تک باتیں کیں۔ اس کا خیال ہے کہ پرویز کچھ کچھ وقفے کے بعد اپنے ہوش میں آجایا کریں گے اور پھر ان کی یہی حالت ہوجایا کرے گی۔ یہ سلسلہ دو ایک سال تک جاری رہے گا۔ پھر یا تو وہ بالکل ہی اچھے ہوجائیں گے یا عمر بھر کے لیے پاگل ہوجائیں گے ——— اگر انھوں نے طویل عمر پائی ہوتی تو میں ماہتاب کو یہی مشورہ دیتی کہ وہ ان سے شادی کرے لیکن انھوں نے طویل عمر بھی نہیں پائی ہے۔ وہ چار سال سے زیادہ زندہ نہ رہیں گے۔ ایک ایسی لڑکی کو جس نے اب تک غم ہی غم سہے ہیں، جان بوجھ کر بیوہ نہیں بنایا جاتا ———"

مسعود نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہا

"ماہتاب کی اسی میں خوشی ہے کہ وہ پرویز سے شادی کرلیں ——— کر لینے دیجئے۔ اگر وہ اپنی محبت سے ان کو طویل عمر دے سکیں تو اچھا ہے ورنہ میں نے تو یہی سوچا ہے کہ خدانخواستہ جب پرویز بھی نہ رہیں گے اور میں بھی اپنے عزم میں ثابت قدم رہوں گا تو اس وقت اپنی تمنا پوری کرلوں گا ———"

"آپ انتظار کرسکیں گے ———"

"ان کی خوشی کی خاطر میں دو چار سال کیا، دو چار صدیاں انتظار کرلوں گا اگر زندہ رہا ———"

فوزیہ جانتی تھی کہ یہ کوئی حقیقت پسندانہ فیصلہ نہیں ہے لیکن وہ پرویز کو کیسے مرجانے دیتی۔ ماہتاب کی محبت کو کیسے محروم کردیتی۔ وہ چلی آئی۔

※ ※ ※ ※ ※ ※

ایک ہفتے کے بعد ان سب کو پرویز سے ملنے کی اجازت مل گئی
پرویز نے سب سے پہلے ماہتاب کو پہچانا
"تم ماہتاب ہو نا ــــــــ"
اور ماہتاب کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو چھلک آئے۔ کہنے لگی۔
"ہاں، میں آپ کی ماہتاب ہوں ــــــــ"
"ہاں، تم ماہتاب ہی ہو لیکن ــــــــ تم میرے پاس کیوں آئی ہو
ــــــــ میں تو ــــــــ میں تو ــــــــ تم میرے پاس کیوں آئی ہو ــــــــ"
"اب میں کبھی نہیں جاؤں گی ــــــــ"
"تمھیں میرے پاس نہیں آنا چاہیئے تھا ــــــــ تمھیں نہیں معلوم
ــــــــ تم کیا جانو ــــــــ"
اور پھر پرویز نے فوزیہ کو دیکھا
"اور تم بھی آئی ہو فوزیہ ــــــــ میں تم کو مبارکباد دینے نہ آسکا ــــــــ"
فوزیہ کا دل بھر آیا۔ لیکن وہ اب رونا نہیں چاہتی تھی پچھتانا نہیں چاہتی تھی
ــــــــ کہنے لگی
"میں مبارکباد لینے خود آگئی ہوں ــــــــ"
"تم نے بہت اچھا کیا فوزیہ ــــــــ تمھیں نہیں معلوم میں تمھاری اس
حقیقت پسندی پر کتنا ناز کرتا ہوں ــــــــ"

اور پھر پرویز نے باری باری یاسمین ، ناصر ، مسعود سب کو پہچان لیا ــــــ کہنے لگا

"میرا سر بھاری بھاری ہو رہا ہے ــــــ شاید میں بہت بیمار تھا ــــــ کیوں ، میں بیمار تھا نا ــــــ"

"اب آپ اچھے ہو رہے ہیں"
فوزیہ نے کہا

"یاسمین نے ناصر بھائی سے شادی کر لی ہے ــــــ"

"بہت اچھا کیا ، تمہاری باتیں مجھے یاد ہیں یاسمین ــــــ"

ڈاکٹر جو اس ملاقات میں موجود تھا ۔ اس نے پرویز کو انجکشن لگایا اور لٹا دیا ۔ پھر باری باری سب کو باہر بھیج دیا ۔ پرویز کو نیند آنے لگی تھی ۔ وہ باری باری ہر ایک کو باہر جاتا دیکھتا رہا ۔ پھر سو گیا ۔

اسی دن گھر پر خوشی کا ایک چھوٹا سا جشن منایا گیا ۔ جس میں مسعود پیش پیش تھا ۔ فوزیہ اس شخص کو دیکھ کر پرویز کے بارے میں سوچنے لگی تھی ــــــ جس طرح پرویز آہستہ آہستہ اس کی زندگی سے اپنی جگہ خالی کرتا رہا تھا ــــــ مسعود بھی پیچھے ہٹ رہا تھا ۔ لیکن پرویز کی یہ حالت ہو گئی تھی ــــــ کیا مسعود بھی اس کے نقش قدم پہ چل کر ــــــ اور وہ آگے کچھ سوچ نہ سکی ۔

پرویز کی حالت دن بدن اچھی ہوتی جارہی تھی۔ اسے رفتہ رفتہ ساری باتیں یاد آرہی تھیں۔ اس نے خود ہی زہرہ کے بارے میں پوچھا۔ حمید کا جو حشر ہوا۔ اس پر افسوس کرنے لگا۔ اسے تو زہرہ کی سزا بحال رہنے کا بھی غم تھا۔

ماہتاب اور فوزیہ روزانہ اس کو دیکھنے جاتی تھیں۔ تیسرے چوتھے دن یاسمین بھی جاتی تھی۔ مسعود ایک دم سے غائب ہوگیا تھا۔ ایک دن ماہتاب اپنی طبیعت کی خرابی کی وجہ سے نہ جا سکی۔ فوزیہ اکیلے گئی۔ اور اس دن اسے پرویز سے باتیں کرنے کا موقع مل گیا۔ کہنے لگی۔

"اب آپ جلدی سے اچھے ہو جایئے تو ماہتاب سے آپ کی شادی کردوں ——"

اس نے یہ جملہ کیا کہا تھا گویا کھولتا ہوا پانی پرویز پر انڈیل دیا تھا۔ ایک دم سے کھڑا ہو گیا۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو ——"

"کیوں، آپ اس سے شادی کرنا نہیں چاہتے ——"

"نہیں —— میں اس سے شادی نہیں کروں گا۔"

"لیکن کیوں —— آپ کو ہمیشہ سے اس سے محبت ہے، وہ بھی آپ سے محبت کرتی ہے ——"

"میری محبت نے اسے ہمیشہ تکلیف پہنچائی۔ تم کیا یہ چاہتی ہو کہ اب جب کہ وہ نئی زندگی شروع کر سکتی ہے۔ میں اُسے اپنے سے وابستہ کرلوں جو دق جیسے قاتل مرض میں گرفتار ہے ——"

فوزیہ حیران رہ گئی۔ اور اس حیرانی ہی میں وہ کچھ کہہ نہ پائی۔ پرویز نے

کہا۔

"تم کو شاید معلوم نہیں ہے کہ مجھے دق ہو گئی ہے۔ میں دو چار مہینے۔ دو چار سال زندہ رہوں گا ——"

"مجھے معلوم ہے ——"

اب کی پرویز حیران رہ گیا۔ اس کی یہ حیرانی فوزیہ کے اس جملے سے اور بڑھ گئی کہ ماہتاب کو بھی معلوم ہے کہ وہ دق کا مریض ہے۔ کہنے لگا

"اور پھر بھی تم یہ چاہتی ہو کہ میں اس سے شادی کر لوں اور وہ بھی تیار ہے ——"

"وہ آپ کو داور سینی ٹوریم لے جائے گی"

"میں جانا نہیں چاہتا —— میں اچھا ہونا نہیں چاہتا ——"

"کیوں"

"مجھے یہ جملہ کہنا تو نہیں چاہئے لیکن مجبور ہوں —— مجھے ماہتاب سے بھی محبت ہے اور تم سے بھی محبت ہے۔ ایک کو میں نے پہلے ہی کھو دیا تھا اب تم کو بھی کھو چکا ہوں۔"

فوزیہ باوجود کوشش کے اپنے آنسو نہ روک سکی۔ پرویز نے جلدی سے کہا۔

"میں تو دو چار سال بھی زندہ رہنا نہیں چاہتا —— میں آج مر جانا چاہتا ہوں۔ لیکن موت نہیں آتی ——"

فوزیہ نے اپنی حالت پر قابو پاتے ہوئے کہا

"آپ ماہتاب سے شادی کر لیجئے ——"

اور وہ اپنی اس بات کا جواب سنے بغیر چلی آئی۔

پرویز سے اس کی جو باتیں ہوئی تھیں۔ وہ اس نے ماہتاب سے بیان نہیں کیں۔ وہ ان کو بھول جانا چاہتی تھی۔ کیونکہ اب ان کو بھلانے ہی میں اس کی آئندہ خوشیوں کا دار و مدار تھا

دوسرے دن ماہتاب کے ساتھ وہ پرویز کو دیکھنے نہیں گئی۔ یاسمین کے ساتھ ایک فلم کی شوٹنگ دیکھنے اسٹوڈیو چلی گئی۔ ماہتاب اکیلی ہی پہنچی۔

"تم آگئیں ماہتاب ——— اُف مجھے تمھارا کتنا انتظار تھا ———"

"میں کل ہی تو نہیں آئی تھی۔"

"مجھے معلوم ہے۔ تمھاری طبیعت اچھی نہیں تھی ——— اب تو اچھی ہو ———"

"آپ کیسے ہیں"

"اچھا ہوں لیکن نہ جانے بیٹھے بیٹھے میری سانس کیوں گھٹنے لگتی ہے۔ ڈرتا ہوں کہ کہیں پھر نہ اپنے ہوش و حواس کھو دوں۔ قبل اس کے کہ میں اپنے ہوش کھو دوں ——— میں تم سے چند ایک باتیں کرنا چاہتا ہوں ———"

"میں جانتی ہوں، آپ یہی کہیں گے کہ میں آپ کو چھوڑ کر نہ جاؤں۔"

پرویز نے پھیکی سی ہنسی کے ساتھ کہا

"اب تو اقرار کر لو کہ تم کو بھی مجھ سے محبت ہے ———"

"میں اقرار کرتی ہوں ———"

"اور تم مجھ کو خوش رکھنا چاہتی ہو ———"

"میں آپ پر اپنی جان ———"

"مرنے کی باتیں نہ کرو۔ جینے کی باتیں کرو ماہتاب ——— جتنا میں پوچھوں اُتنا ہی جواب دو ——— ہاں، تو میں نے یہ پوچھا تھا کہ تم مجھ کو خوش رکھنا چاہتی ہو؟"

"جی ہاں ———"

"میری محبت اب تک تم کو تکلیف ہی پہنچاتی رہی ہے ماہتاب ——— غالباً حمید کی برائیوں میں بھی میری ہی محبت کا ہاتھ ہے۔ تم ان کو وہ محبت نہ دے سکیں جو کسی گمراہ کو راستہ دکھاتی ہے۔ تم نے مجھے بھی اسی محبت سے محروم کر رکھا تھا ——— اب میں چاہتا ہوں کہ وہ محبت تم مجھے دے دو ———"

"میں تو پہلے ہی کہہ چکی ہوں ———"

"تم کچھ نہ کہو ——— جو کچھ میں کہوں ——— سنو ———"

"سنائیے ——— میں نہیں بولوں گی۔"

لیکن اتنی ہی باتوں میں پرویز کی سانس پھولنے لگی تھی۔ بہت دیر تک خاموش رہا۔ پھر کہنے لگا۔

"اچھا، اب تم جاؤ ——— میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ آج سے کل تک لکھ لوں گا۔ باتیں کرنے میں میں تھک جاتا ہوں۔"

"ابھی چلی جاؤں ———"

"کچھ دیر اور بیٹھی رہو ——— میں صرف تم کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

وہ ایک گھنٹہ تک بیٹھی رہی اور پرویز خاموشی سے لیٹے لیٹے اسے دیکھتا رہا۔ پھر جب ماہتاب آنے لگی اور دروازہ تک پہنچ گئی تو اس نے آواز دی۔

"سنو ماہتاب ——— میرے قریب آؤ ——— مجھے اپنا ہاتھ دو ———"

اور اس نے اپنے نحیف و زار ہاتھوں سے ماہتاب کا ہاتھ تھام لیا اس کی انگلیوں کو بہت آہستہ سے پیار کیا۔ پھر پاس رکھے ہوئے گلاس کے پانی سے اُسے اپنی انگلیاں دھونے کو کہا ——— ماہتاب ہنسنے لگی ——— وہ صرف اس کو خوش کرنے کے لیے ہنسی تھی ——— حالانکہ اس کا دل بھر آیا تھا۔

دروازہ پر پہنچ کر وہ خود ہی مڑ کر دیکھنے لگی ——— پرویز کی آنکھوں میں آنسو تھے ——— وہ پلٹ آنا چاہتی تھی لیکن پرویز نے اشارہ سے منع کر دیا اور وہ کچھ پریشان ہو کر چلی آئی۔

دوسرے دن جب وہ فوزیہ کے ساتھ پرویز کے پاس جانے کی تیاری کر رہی تھی کہ ناصر گھبرائے ہوئے آئے۔ اور ان دونوں کو اپنی موٹر پر بٹھا کر ہسپتال لے گئے۔ وہ دونوں ان کی اس گھبراہٹ پر پریشان تھیں۔ لیکن ناصر نے کچھ بتایا نہیں۔ ہسپتال پہنچے تو ڈاکٹر نے ان تینوں کو اپنے کمرے میں روک لیا۔ کہنے لگا

"آپ میں سے ماہتاب کس کا نام ہے ——— پرویز صاحب کا یہ خط ہے ———"

ماہتاب نے جلدی سے وہ خط لیتے ہوئے پوچھا

"وہ کیسے ہیں ——"

"ڈاکٹر نے آہستہ سے کہا

"وہ اب یہاں نہیں ہیں"

"کہاں چلے گئے ——"

"انھوں نے خودکشی کر لی ہے ——"

فوزیہ نے جلدی سے ماہتاب کو تھام لیا جو ایک چیخ مار کر پرویز کے کمرے کی طرف لپکی تھی۔ وہ بڑی مشکل سے سنبھل پائی خود فوزیہ کا دل بھی شدت غم سے پھٹا جا رہا تھا لیکن وہ رونا نہیں چاہتی تھی —— ڈاکٹر نے بتایا کہ آج دن کے دو بجے پرویز یہاں سے باہر نکلے اور تھوڑی دور پر بنے ہوئے ایک کنویں میں کود پڑے —— ایک گھنٹے کے بعد پولیس نے اطلاع دی۔ لاش آگئی ہے وہ لوگ انھیں دفنانے کا انتظام کر سکتے ہیں۔

پرویز کے انتقال کو دو دن ہو چکے تھے۔

ماہتاب کو جیسے چپ لگ گئی تھی۔ خاموشی سے بیٹھی ہوئی پرویز کا خط کھول رہی تھی۔ فوزیہ سامنے بیٹھی تھی۔ مسعود بھی کچھ دور پر بیٹھا بڑی اداس آنکھوں سے ماہتاب کو دیکھ رہا تھا۔ ماہتاب نے وہ خط پڑھا، اور فوزیہ کی طرف بڑھا دیا۔ فوزیہ نے پڑھ کر مسعود کی طرف بڑھا دیا اور ماہتاب باہر جانے لگی تو وہ بھی اس کے ساتھ دوسرے کمرے میں آگئی —— مسعود نے خط پڑھا

لکھا تھا۔

"نہیں معلوم ہیں اپنے ہوش و حواس کب کھو دوں اور وہ نہ کر سکوں جس میں میری اور تمہاری اور فوزیہ اور سب کی بھلائی ہے۔ اسی لیے میں یہ خط لکھ کر باہر چلا جاؤں گا اور آج صبح جو کنواں دیکھ کر آیا ہوں اس میں گر کر ہمیشہ کیلئے زندہ ہو جاؤں گا

کبھی میں اپنے دامن کو خالی پاتا تھا اور اس کا مجھے انتہائی غم تھا کہ آج تک میں کسی کو کوئی خوشی نہ دے سکا۔ اور اس لمحہ سے پہلے جو دو چار سال زندہ رہنے کا امکان تھا، اس میں بھی تم کو اور فوزیہ کو اور سب کو تکلیف ہی پہنچاتا۔ اس لیے تم کو حاصل کرنے کی منزل پر آ کر جو مجھے خوشی ہوئی ہے میں اسے برقرار رکھنا چاہتا ہوں اور یہ خوشی تم کو امانت کے طور پر سونپے جا رہا ہوں۔

تم آنسو نہ بہانا اور ہمیشہ خوش رہنا۔ میرا خیال ہے کہ مسعود تم سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی محبت کو ٹھکرانا نہیں

مجھے اپنی ظاہری موت کی جتنی خوشی ہے۔ وہ خوشی میں اپنی زندگی کے بقیہ دو چار سال میں نہ حاصل کر پاتا۔

فوزیہ سے کہہ دینا کہ اگر انسان اس جسم کے مر جانے سے مر نہیں جاتا، اس کی روح زندہ رہتی ہے تو یہ روح ان کی خوشیوں سے بھی خوش ہو گی

خوش نصیب - پرویز

مسعود کی آنکھوں میں آنسو آ گئے - پرویز کی محبت اس کی محبت پر سبقت لے گئی تھی - وہ ابھی اپنے آنسوؤں کو خشک نہ کر پایا تھا کہ فوزیہ کے ساتھ ماہتاب آئی ——— وہ رو نہیں رہی تھی - ہنس رہی تھی - وہ ایک لمحہ کے لیے یہ سمجھا کہ ماہتاب بھی پاگل ہو گئی ہے - لیکن اس نے قریب آکر کہا -

"کیا پرویز صاحب کی امانت کو سنبھالنے میں آپ میرا ساتھ دیں گے؟"

"ماہتاب ——— کیا تم ——— !"

"میں آپ سے شادی کرنے پر تیار ہوں ———"

اور مسعود نے فوزیہ کی موجودگی کے باوجود اسے گلے سے لگالیا -

اس وقت ماہتاب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے - جب یہ آنسو اس کے گالوں تک ڈھلک آئے تو اس نے گردن اٹھا کر مسعود کی طرف دیکھا اور کہا

"یہ آخری آنسو تھے جو میں آپ کے گلے سے لگ کر بہا رہی ہوں - اس کے بعد پھر کبھی نہیں روؤں گی - اور آپ کی خوشیوں کو پورا کرنے کی کوشش کروں گی حالانکہ میں نہیں جانتی کہ میں اتنی خوش نصیب کیسے بن گئی ———"

اور مسعود نے اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو خشک کر دیئے -

اور فوزیہ باوجود خوشی کے رو دی - پھر خود ہی ہنسنے لگی - اور ان دونوں کو اسی حالت میں چھوڑ کر دوسرے کمرے میں آ گئی اور کراچی واپس جانے کی تیاریاں کرنے لگی -

تھوڑی دیر میں ماہتاب نے آکر کہا

"تم کہاں جا رہی ہو ——— میری شادی میں شرکت نہیں کرو گی"

"ابھی تو شادی میں بہت دن ہیں !"

"تم پرویز کی موت کی طرف اشارہ کر رہی ہو ـــــــ وہ مرے کہاں ہیں۔ وہ مجھ میں زندہ ہیں۔ تم میں زندہ ہیں۔ اسلم، مسعود، یاسمین اور ناصر میں زندہ ہیں۔ ہر اس انسان میں زندہ ہیں۔ جسے مسرتوں کی تلاش ہے اور جو دوسروں کے غم دور کرتا ہے ـــــــ ہر اس چیز میں زندہ ہیں جن سے انسان مسرت حاصل کرتا ہے۔ پھولوں میں، نغموں میں، قوسِ قزح میں، نیکی میں، خدمت میں، انسانی بھلائی میں وہ زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے ـــــــ وہ مرے کہاں ہیں فوزیہ، وہ تو امر بن چکے ہیں۔"

فوزیہ نے اپنا بندھا ہوا سامان کھول دیا اور اسے گلے سے لگائے رہی۔

نام کتاب	نام مصنف	قیمت
اور وہ ناچ رہی تھی	عثمان علیم صدیقی	۳/۸
سنگدل	یحییٰ صدیقی	۲/-
خون	قیسی رام پوری	۲/-
ہنگامہ	عشرت رحمانی	۵/۴
حوادث	غازی اسحٰق	۳/-
شہید بے داد	ام الحلیمہ مریم جمیل	۱/۴
وادی	سید نظر زیدی	۲/-
نئے چراغ	〃 〃 〃	۳/-
نبی احمد کا خواب	عشرت رحمانی	۶/-
پراسرار لفافہ	قمر نقوی	۲/-
لہو اور آستین	کمال احمد رضوی	۳/-
بیرم خان	حسین انور	۷/-
خیابان دانش (از قلم شبیر محمد اعوان) پاک و ہند کے دانشوروں کے افکار کا مجموعہ۔ سائز ۷½ × ۵		۳/-
دانشکدہ (از قلم سید محمد صدیق خیر آبادی) اقوال دین و دانش پر ایک قابل قدر کتاب		۱۰/-
احسن الکلام (از قلم امان اللہ خان ارمان سرحدی) علمی ادبی، اخلاقی، دینی، معاشرتی اور اصلاحی مضامین، حکایتوں، سیرتوں، طبی اور سائنسی معلومات کا بیش بہا مرقع سائز ۹ × ۵½		۱۰/-

نام کتاب	قیمت
یہ جہاں اور ہے	۴/-
عبدالحلیم شرر کے قلم سے	
حسن انجلینا	۲/۴
منصور موہنا	۲/۴
بدرالنساء کی مصیبت	-/۱۰
لعبت چین	۱/۸
شہید وفا	۱/۳
دل کش کامل	۳/۱۰
میوۂ تلخ	-/۱۲
دلچسپ کامل	۲/۴
پھول اداس ہیں (اے حمید)	۳/۴
زیب النساء (حسین انور)	۷/۱۲
شیریں (سعیدہ مظہر ایم اے)	۳/۱۲
نئی صبح (سعیدہ مظہر ایم، اے)	۴/-
پل صراط (سعیدہ مظہر ایم، اے)	۴/-
عورتیں لرانہ مانیں (علی مطاہر جعفری)	۲/۱۲
چور بازار (ابراہیم جلیس)	۲/۱۲
وطن سے دور (مفتاح الدین ظفر)	۴/۸
قربانی (مہدی علی صدیقی)	۴/-
مہکتے پھول (کے نذیر)	۴/-

شیخ غلام علی اینڈ سنز ناشران و تاجران کتب کشمیری بازار لاہور، بندر روڈ کراچی